۵۰۹

جمعیت العلماء ہند

دستاویزات — مرکزی اجلاس ہائے عام ۱۹۱۹ - ۱۹۴۵ء

جلد دوم

مرتبہ

پروین روزینہ

ریسرچ فیلو قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت

قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت

پوسٹ بکس ۱۲۳۰ - اسلام آباد

۱۰ د

قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت،
ملحقہ ادارہ الجامعۃ الاسلامیہ۔ اسلام آباد

طبع اوّل: ۱۹۸۱ء

قیمت: ۶۰ روپے

ناشر: قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت،

پوسٹ بکس نمبر ۱۲۳۰ ـــــــ اسلام آباد

طابع: فیض الاسلام پرنٹنگ پریس۔ راولپنڈی

فہرست اندراجات

باب دوازدہم

باب سیزدہم

باب چہاردہم

تشکّر

تاریخی تحقیق ایک وقت طلب اور صبر آزما کام ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم شاملِ حال نہ ہوتا تو یہ تحقیقی کام بحسن و خوبی پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔

جمعیۃ العلماء ہند کی دستاویزات کی فراہمی، ترتیب، تدوین، تصحیح اور اشاعت تک کے مرحلے پر قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت کے سربراہ اور الجامعۃ الاسلامیہ کے وائس چانسلر محترم جناب ڈاکٹر این اے بلوچ صاحب، جو ایک بلند پایہ عالم ہونے کے ساتھ ایک مشفق اور ہمدرد انسان بھی ہیں، میری رہنمائی اور حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔ میں ان عنایات کے لئے ان کی تہہ دل سے ممنون ہوں۔

ڈاکٹر محمد ایوب قادری صاحب نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود کتاب کے مقدمہ پر (جو جلد اول میں شامل ہے) نظر ثانی کی اس کے بارے میں گرانقدر مشورے دیئے میں اس کرم فرمائی کے لئے ان کی ممنونِ احسان ہے۔

کتاب کی طباعت و اشاعت کے دوران میرے جن رفقائے کار نے مجھے اپنے فنی اور تکنیکی مشوروں سے نوازا اور اس طرح طباعت کے کام کو مزید بہتر بنانے کا موقع بہم پہنچایا، بالخصوص شفقت امین، محمد عظیم بھٹی، اور خورشید احمد کا شکریہ ادا کرنا اپنا فریضہ خیال کرتی ہوں۔

پروین روزینہ

پیش لفظ

اس کتاب کی جلد اوّل میں جمعیت العلماء ہند کے ۱۹۱۹ء سے ۱۹۲۷ء تک کے اجلاسوں کی دستاویزات شامل ہیں۔ ۱۹۲۸ء-۱۹۲۹ء کے دوران جمعیت کا کوئی اجلاس منعقد نہ ہوا، اس لیے جلد دوئم ۱۹۳۰ء سے ۱۹۴۵ء تک کے اجلاسوں کی دستاویزات پر مشتمل ہے۔ جلد دوئم کی ترتیب جلد اوّل کے عین مطابق ہے جس کی وضاحت جلد اوّل کے پیش لفظ میں کر دی گئی ہے۔ جمعیت کے اجلاسوں کی کارروائیوں کے علاوہ چند اور متعلقہ دستاویزات دونوں جلدوں کے خاتمہ پر ضمیموں کی شکل میں دی گئی ہیں۔ ایسی دستاویزات کی کل تعداد سات ہے۔ ان میں سے چھ کو جلد اوّل میں رکھا گیا ہے۔ کیونکہ ان کا ذکر دونوں جلدوں میں آتا ہے صرف ایک ایسی دستاویز جلد دوئم کے آخر میں ہے، جس کا حوالہ صرف اسی جلد میں موجود ہے۔ علاوہ ازیں دونوں جلدوں میں موجود مرکزی اجلاسوں کے صدور کے سوانحی خاکے بھی، جن کی تعداد دس ہے، دستاویزات کے بعد دیئے گئے ہیں تاکہ قارئین کو فوری حوالہ کے لئے دوسری کتابوں سے رجوع کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔ کتاب کے آخر میں دونوں جلدوں کا مشترکہ اشاریہ بھی دیا گیا ہے۔

پروین روزینہ

اسلام آباد ۱۵ مارچ ۱۹۸۱ء

مرتبہ

پروین روز رینہ صاحبہ فروری ۱۹۴۸ء میں پیدا ہوئیں۔ انہوں نے ۱۹۶۹ء میں گارڈن کالج راولپنڈی سے ایم۔اے (تاریخ) کیا۔ بعد ازاں ۱۹۷۲ء میں لیڈی میکلیگن کالج لاہور سے نمایاں حیثیت سے بی ایڈ کیا۔

آپ ۱۹۷۴ء میں ادارہ سے وابستہ ہوئیں۔ آپ کی درج ذیل کتابیں شائع ہو چکی ہیں:۔

۱۔ جمعیت العلماء ہند : دستاویزات مرکزی اجلاس ہائے عام ۱۹۱۹ء تا ۱۹۴۵ء۔ جلد اول ۱۹۸۱ء

۲۔

Bibliography on Pakistan : Books
(With other Research Fellows)

باب نہم

اجلاس نہم، امروہہ، ۳، ۴، ۵، ۶ مئی ۱۹۳۰ء
(۳، ۴، ۵، ۶ ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ)
زیرِ صدارت
علامہ شاہ معین الدین احمد اجمیری -

۲۳

خطبۂ استقبالیہ از ابوالنظر رضوی امروہوی -

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم -

علمائے اسلام اور زعمائے ملت!

میں محسوس کرتا ہوں کہ میرا اولین فرض مجلس استقبالیہ کی جانب سے آپ حضرات کا پُرتپاک خیر مقدم کرنا ہے، یہ خیر مقدم اور بھی زیادہ پُرتپاک اور پُرخلوص ہو جاتا ہے جبکہ میں خیال کرتا ہوں کہ مدراس جیسے مشہور اور باعظمت شہر کے مقابلہ میں آپ حضرات نے اہلِ امروہہ کی مخلصانہ دعوت کو قبول فرمایا اور اپنی تشریف آوری سے اس قدیم لیکن کم حیثیت بستی کو درجہ افتخار بخشا۔

سادا تنا الکرام! جس سرزمین کو آج آپ حضرات نے اپنے قدوم سے معزز و مفتخر فرمایا ہے اس کا موجودہ افلاس و نکبت، ادبار و تنزل، جہالت و بے مائیگی، افتراق و انشقاق ہرگز اس امر کا مستحق نہ تھا کہ آپ جیسے علمائے اُمت، ارباب علم و فضل اور زعمائے ملت کا اجتماع یہاں ہوتا لیکن یہ سرزمین جو اپنے گذشتہ ہفت صد سالہ علمی، اسلامی اور سیاسی شاندار و باعظمت تاریخ کے لحاظ سے شریعت و طریقت، علم و عمل فضل و کمال اور دولت و امارت کا گہوارہ رہی ہے اور جس کی خاک سے صدہا ادیانِ طریقت و حقیقت، علماء و فضلاء، وشعراء و اطباء پیدا ہوئے جن کے مٹے ہوئے آثار پُرعظمت یادگاریں، شکستہ کھنڈر، ٹوٹے مقبرے ویران مساجد مدارس و خانقاہوں کی بنیادیں ابتک زبانِ حال سے اپنے بانیوں کی عظمت و شوکت،

اُن کے گذشتہ جاہ و جلال کا افسانہ سُنا رہی ہیں، یہ ضرور اُسے اس امر کا مستحق قرار دیتی ہے کہ مبارک و مقدس اجتماع یہاں منعقد ہو اور حقیقت میں انہیں بزرگوں کے فیوض و برکات اور ان کی روحانی کشش کا یہ نتیجہ و اثر ہے کہ آج یہ مقدس صورتیں یہاں جمع نظر آرہی ہیں۔

حضرات محترم! چھٹی صدی ہجری سے مسلمانوں کی آمد اس قصبہ میں شروع ہوئی سب سے پہلے بزرگ جو بحیثیت داعیٔ اسلام یہاں تشریف لائے وہ سید احمد نظام گنج رواں کی ذات بابرکات تھی جنہوں نے اس نواح میں توحید و اسلام کی دعوت شروع کی۔ اُن کے بعد حضرت مولانا صدرالدین اسحاق بخاری کی اولاد امجاد، قاضی نظام الدین قریشی اور اُن کے فرزند قاضی نصر اللہ یہاں تشریف لائے۔ اُس ہی عہد سے متصل منبع البرکات، سید السادات صاحب الولایت حضرت مخدوم سید شرف الدین حسین الحسینی الواسطی نے جو حضرت مخدوم سید جلال اعظم بخاری کے خلیفہ و داماد تھے مقام سہودرہ (پنجاب) سے چل کر اپنے معتقدین و خلفاء، اعزاء و سادات کی ایک مقدس جماعت کے ساتھ اس سرزمین کو اپنے قدوم مبارک سے مشرف فرمایا۔ حقیقی معنی میں آپ ہی کی ذات بابرکات نے اس خطہ میں اسلامی تاریخ اور مسلمانوں کی ترقی کا سنگِ بنیاد نصب کیا، آپ کے بعد جوق در جوق سادات و شرفا کے مختلف خاندان یہاں آئے اور سکونت پذیر ہوئے۔

۴۴ ، ہجری [۱۳۴۳ء] میں مشہور اسلامی سیاح ابن بطوطہ مغربی نے امروہہ کا سفر کیا، اُس کے الفاظ "وھی بلدۃ صغیرۃ حسنۃ" بتلاتے ہیں کہ اُس زمانہ میں یہ قصبہ کافی پُررونق اور ترقی پر تھا۔ حضرت صاحب ولایت کے فرزند اکبر قاضی القضاۃ سید میر علی یہاں کے قاضی تھے جن کا تذکرہ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں کیا ہے اور انہوں نے اُس کی مہمان نوازی فرمائی تھی۔

حضرات! سب سے پہلی اسلامی یادگار جو یہاں اب تک قائم ہے وہ وسیع جامع مسجد ہے، جو معزالدین کیقباد نے . . ۶ ہجری [۱۲۰۴ء] میں تعمیر کی جس کے ساتھ ایک وسیع مدرسہ بھی تھا لیکن اللہ اللہ! مسلمانوں کی بدبختی اور زمانہ کا انقلاب کہ جو عمارت سب سے پہلے اس سرزمین میں خدائے قدوس کی عبادت و پرستش کے لئے بنائی گئی ہو اور جہاں سے توحید کی پہلی صدا کانوں میں پڑی ہو وہ آج تقریباً دو صدی سے خود مسلمانوں کی ناجائز جلب منفعت کے ہاتھوں ایک بت کدہ بن گئی جہاں بجائے جمعہ و جماعت شیخ سدو کی پرستش کی جاتی ہے جس کی وسطی محراب میں سیندور اور درمیانی گنبد میں ایک زنجیر لٹکی ہوئی ہے جس کے سامنے سدو کے ہاشتی (زائر) اپنا سر جھکاتے اور زنجیر پکڑ کر مرادیں مانگتے ہیں۔ اُس کا نذرانہ وہاں کے متولیوں اور خادموں کا ذریعۂ معاش ہے اور اس بنا پر تطہیر مسجد کے متعلق کوئی آواز نہیں اٹھائی جاتی" یا للاسف و یا للعار"

ایھا السادہ! یہ ایک ضمنی چیز تھی جو سامنے آگئی۔ عہدِ مغلیہ کے ابتدائی دَور میں دو برگزیدہ ہستیوں نے امروہہ کی درخشندہ علمی و روحانی تاریخ کا آغاز کیا۔ دسویں صدی ہجری کے اوائل میں قدوۃ العارفین زبدۃ السالکین حضرت مخدوم سیّد عبد اللہ ابوالفتح شاہ ابن بدرِ چشتی کرمانی قدس سرہٗ العزیز نے جو علوم شریعت و معارفِ حقیقت کے ایک زبردست متبحر عالم حضرت شیخ علاؤ الدین اجودہی کے خلیفہ تھے اس خاک کو اپنے قدوم میمنت سے سرفراز فرمایا۔ یہاں آکر آپ نے ایک خانقاہ کی بنا ڈالی اور تقریباً ساٹھ سال سجادہ مشیخت وارشاد پر دعوتِ حق، اور احیائے دین کے فرائض ہمہ انجام دیتے رہے۔ آپ نے فیوضِ روحانی سے نہ صرف امروہہ بلکہ ہندوستان کے مختلف اقطاع سے ہزارہا تشنگان علم و معرفت کو سیراب فرمایا۔ آپ کی نمایاں خصوصیت اتباع سنت مطہرہ تھی۔ علامہ بدایونی جو آپ کے معاصر ہیں اور جنہیں آپ سے بذاتہ شرف نیاز حاصل تھا۔ آپ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں :۔

"سالک و مجذوب بود با وجود این حالت دقیقہ از دقائق سنت مطہرہ از و فوت نگردید"

اسی عہد کی برگزیدہ ہستی جس نے اس زمانہ میں جبکہ علم و حدیث کا ہندوستان میں بہت کم چرچا تھا اس سرزمین پر علم حدیث کے درس و افادہ کی بنیاد ڈالی وہ حضرت مولانا میر سید محمد میر عدلؒ کا وجود مقدس تھا۔ سیّد موصوف علامہ جلیل میر سیّد رفیع الدین محدث اکبر آبادی کے بیک واسطہ تلمیذ رشید تھے۔ آپ نے عرصہ دراز تک اس سرزمین پر علوم اسلامیہ اور خصوصاً حدیث نبوی کا درس دیا اور بالآخر اسی سلسلہ میں عہد اکبری کے اوائل میں سب سے بڑے اسلامی و شرعی منصب "میر عدل" پر ممتاز ہوئے اس منصب جلیلہ کے فرائض کو جس دیانت و صداقت، جرأت و استقلال سے آپ نے انجام دیا اس کی توضیح تاریخ بدایونی کے صفحات میں تلاش کیجئے۔

ایک تیسری نامور برگزیدہ ہستی جسے عرصۂ دراز تک اکبر اعظم کے حکم سے بپاداشِ جرأت اظہارِ صداقت کشمیر میں محبوس و نظر بند رہنا پڑا وہ قدوۃ العارفین حضرت بدرِ چشتی کے فرزندِ گرامی و صاحب سجادہ حضرت شاہ سیّد نور الدین صدر کا وجود تھا۔ آپ ایک زبردست عالم اور صاحبِ ارشاد بزرگ تھے۔ حالتِ نظر بندی میں بھی آپ نے فریضۂ دعوت و تبلیغ کو برابر جاری رکھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کشمیر میں ہزارہا انسان آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے۔ جہانگیر جو آپ سے ابتداء ہی سے عقیدت رکھتا تھا جب سریر آرا حکومت ہوا تو آپ قید و بند سے رہائی پاکر سرکارِ سنبھل کے عہدۂ صدارت پر مامور ہوئے۔ عرصۂ دراز تک آپ نے فرائض صدارت کو بھی انجام دیا اور ساتھ ہی بزرگوں کے سجادۂ مشیخت و طریقت کو بھی سنبھالا۔

حضرات! ان محترم ہستیوں کے علاوہ صدہا وہ مقدس و محترم ہستیاں ہیں جنہوں نے مختلف زمانوں میں اس سرزمین پر علم و عرفان، ارشاد و ہدایت، علوم اسلامیہ اور معارفِ دینیہ کے ایسے چشمے بہائے جس سے ہزارہا انسان سیراب ہوئے اور جن کے نقوش و آثار اور فیوض و برکات اب تک کچھ نہ کچھ باقی ہیں۔

سادا تنا الکرام! ان ہستیوں کے روپوش ہوجانے کے بعد اس سرزمین پر حضرت بدر چشتی قدس سرہٗ کی اولاد میں علم حدیث و معارف دینیہ کا وہ درخشاں آفتاب چمکا جس کی روشنی نے نہ صرف ہندوستان بلکہ دیگر اسلامی ممالک کو بھی منور کردیا یعنی فخر المحدثین، سید المتکلمین حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی کی ذاتِ گرامی، حقیقت یہ ہے کہ آپ کی ذات امروہہ کے علمی و روحانی دورِ عروج و بہار کی سب سے اہم یادگار تھی اور اُس کی تاریخ کا خاتمۃ الکتاب نہیں کہا جاسکتا کہ آئندہ پھر اس خاک سے کوئی ایسا گوہر شب تاب نکلے گا۔ لعل اللّٰہ یحدث بعد ذلک امرا

حضرات! ان کی سب سے بڑی علمی یادگار مدرسہ اسلامیہ کا وجود ہے جس کی وسیع عمارات میں آپ حضرات آج جمع ہیں۔ عرصہ دراز تک خود حضرت مولانا امروہوی نے اس میں درس دیا۔ آج اس کی صدارت تدریس حضرت کے تلمیذ رشید مفسر القرآن حضرت مولانا حافظ عبد الرحمٰن صاحب قبلہ دامت برکاتہم کے سپرد ہے اور فرائض اہتمام کی بجا آوری شہر کے معزز رئیس مولوی سید معظم حسین صاحب فرماتے ہیں جو ایک نہایت مستعد قومی کارکن ہیں اور جن کی سعی و کوشش سے اب تک اس درس گاہ کا وقار قائم ہے۔ گو طریقۂ تعلیم اور نصاب ہماری بدقسمتی سے یہاں بھی وہی ہے جو پانچ سو برس پیشتر کی مذہبی ضروریات کے مطابق تیار کیا گیا تھا اور جسے دارالعلوم دیوبند سے لے کر ہر اسلامی مدرسہ میں آپ جاری پائیں گے کاش! سیاسی اور اقتصادی احتیاجات کے لحاظ سے جدید نصاب بنایا جاسکتا۔

بزرگانِ محترم! اس بستی نے جیسا کہ آپ کو معلوم ہوا نہ صرف مذہب و روحانیت ہی کی خدمت انجام دی، بلکہ دوسرے علوم و فنون میں بھی اس کی گذشتہ تاریخ کچھ کم شاندار نہ تھی فنِ طب کے لحاظ سے بھی ایک خاص شہرت رکھتا تھا۔ یہاں بڑے بڑے نامور، حاذق و باکمال، صاحبِ تصانیف اطبا پیدا ہوئے جن کا آوازۂ شہرت دُور دُور پھیلا، جن کے حذاقت و کمالِ فن کے صحیح واقعات آج تک لوگوں کی زبانوں پر ہیں اور جو سننے والے کو افسانۂ حیرت نظر آتے ہیں، یہاں مختلف طبی خاندان تھے جنہوں نے کئی کئی پشت تک اس فن کو خالصۃً لوجہ اللہ خدمت کرکے غیر معمولی شہرت و عظمت حاصل کی، کچھ بالکل مٹ گئے، کچھ مٹتے جارہے ہیں بعض کے کچھ آثار باقی ہیں" ویبقی وجہ ربک ذو الجلال والاکرام "

حضرات! تیسرا پہلو اس قصبہ کی سیاسی و ملکی خدمات کا ہے۔ عہد مغلیہ میں اس نے خاص اہمیت حاصل

کی۔ میر سید محمد میر عدل کے صاحب زادے سید ابوالقاسم، سید ابوالمعالی اور متعدد سادات و شرفا کے بزرگوں نے اپنی شجاعت و بسالت سے ملکی و قومی مناصب حاصل کئے۔ اُن کی خدمات اب تک صفحات تاریخ پر ثبت ہیں۔

دورِ آخر میں عالیجناب نواب وقار الملک مولوی محمد مشتاق حسین خان بہادر کا وجود اس قصبہ کی عظمت کی ایک نہ مٹنے والی یادگار ہے مرحوم کی ذات نے اپنی صداقت و دیانت، عزم و استقلال، اصابت رائے آزادی ضمیر اور اپنی مخصوص سیرت، قومی و ملکی خدمات، ایثار و تواضع اور صحیح رہنمائی سے نہ صرف مسلمانانِ ہند کی متفقہ قیادت و زعامت کی منزلتِ رفیع حاصل کی بلکہ تمام ملک سے اعتماد و صداقت کا خراج وصول کیا۔ افسوس اس دورِ ابتلاء و مصائب و کش مکش موت و حیات میں ہم ان کی سچی رہنمائی سے محروم ہیں۔

بزرگانِ گرامی! یہ اُس اُجڑے دیار" کے مذہبی، روحانی، علمی، سیاسی اور قومی عہد عروج و ایامِ بہار کا ایک مختصر خاکہ تھا، جو میں نے آپ حضرات کے سامنے پیش کیا۔ لیکن اب ہیں "رفت گیا اور بود تھا" کے سوا کچھ یاد نہیں۔ ع

"خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا"

بسا اوبرین ایسے تاریک ماحول، غیر دلچسپ مقام اور اس نازک ترین وقت میں آپ کا یہاں تشریف لانا اور جمعیۃ کا نہایت مہتم بالشان اجلاس منعقد کرنا ایک ایسا احسان ہے جسے کوئی حساس دل و دماغ کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔ ممکن ہے کہ غیر متوقع طور پر امروہہ میں انعقادِ اجلاس کی غرض قدرت کے نزدیک کانپور کے مغرور اور نا قدر شناس میزبانوں کو یہ دکھانا ہو کہ اگر کانپور دعوت دے کر غیر شریفانہ طور پر اُسے واپس لے سکتا ہے تو اس طرح مذہبی جماعت کی توہین نہیں کی جاسکتی۔ خدا ان کے لئے ایسی جگہ سے بھی سامانِ دعوت مہیا کرنے پر قادر ہے جہاں اس قسم کا تصور بھی نہ کیا جاسکتا ہو۔

کانپور کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اُس کے غرور کا سر نیچا کرنے کے لئے امروہہ موجود ہے خدا کا کام کسی مخصوص شہر یا شخصیت پر موقوف نہیں ہوا کرتا۔

جمعیۃ العلماء کی اہمیت۔

میں سمجھتا ہوں کہ جمعیۃ العلماء کی تاریخی، مذہبی اور سیاسی اہمیت سے کوئی باخبر انسان انکار کی جرأت نہیں کرسکتا۔ اس لئے کہ اربابِ فکر کو اس تلخ حقیقت کا اعتراف ہے کہ مادہ پرست مغرب میں مذہبی ذہنیت کے اضمحلال کی حقیقی علت علماء مذہب کا سیاسی عوامل، ماحولی محرکات اور تمدنی تجددات پر نظر رکھتے ہوئے اپنے قومی احساس، ذہنی ارتقاء اور روحانی تفوق کی نمائش نہ کرنا ہی قرار دیجا سکتی

ہے۔ اگر یورپ کے مقتدایانِ مذہبی قدامت و جمود کے سکونِ موت کو تباہ کن سمجھ کر ہر اصلاحی تخیل اور تمدنی ترقی کو کفر و شرک سے تعبیر نہ کرتے تو آج یورپ کی مادہ پرستی روحانیت کے الماس پاروں سے تابناک ہوتی۔ اسی طرح تسلیم کرنا پڑے گا کہ اگر شیخ الہند کی مصلحانہ جدوجہد ہندوستان میں جمعیۃ العلماء کا نظام قائم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ تو آپ دیکھتے کہ آج مذہب کی جاذبیت بے کیف، اُس کے ادراکات روحانی بے معنی اور اُس کے اثرات زائل ہو چکے ہیں۔ درحقیقت یہ جمعیۃ العلماء ہی کی ہیئت تھی جس نے صدیوں تک کے لئے اسلام کو ہندوستان میں زندہ رہنے کا زریں موقعہ بہم پہنچا دیا۔ کل علماء کی جمود پرستی اور سیاسی ناقابلیت کا جتنا ماتم کیا جاتا تھا آج اس میں کتنی کمی آ گئی اور اگر یوں ہی اس کا نظام ارتقائی ترقی کرتا رہا تو آپ دیکھیں گے کہ علماء حقہ "کو علماء سُوء" کہنے والی زبانیں گنگ ہو جائیں گی اور مخالفانہ قوتیں مفلوج۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ علماء کو اپنی موجودہ کارکردگی پر فخر کرتے ہوئے بس نہیں کرنا چاہیئے ورنہ یاد رکھیئے کہ مسلمان نہ صرف معنوی اعتبار سے ہی مادی تمدن کے غلام ہو جائیں گے بلکہ سیاسی حیثیت سے بھی غلام ہو کر زندگی بسر کریں گے خواہ وہ انگریز کی غلامی ہو یا ہندو کی۔ کیونکہ مسلمانوں کی سیاسی عظمت اور تمدنی علویت تمام تر "مذہبی جنون" ہی کے زیر اثر ارتقائی مراحل طے کر سکتی ہے۔ جو لوگ دانستہ یا نادانستہ جمعیۃ العلماء کے نظام کو تباہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں ان کو عملی قدم اُٹھانے سے بیشتر کم از کم اس چیز پر غور کر لینا چاہیئے کہ کہیں وہ اپنی ہی قبر نہ کھود رہے ہوں۔ اگر سنجیدگی سے اس مسئلہ پر دماغی کھربائیت صرف کرنے کے بعد جمعیۃ العلماء کی تباہی میں ہی مسلمانوں کی ترقی کا راز مضمر سمجھا جائے اور ان کا "پاک ضمیر" اس ہی کی ہدایت کرے تو ضرور جمعیۃ العلماء کے نظام کو پاش پاش کرنے کی جد و جہد جائز کہلائی جا سکتی ہے ورنہ ایک اہم تاریخی جمعیۃ کو برباد کرنے کا بدترین گناہ اپنی گردن پر نہیں لینا چاہیئے جس کا عذاب تمام قوم کو انتشار، ذلت اور موت کی شکل میں دیکھنا ہوگا۔

لیکن ان تمام اُمور کے ساتھ میں ارکان جمعیۃ کی توجہ اس طرف بھی منعطف کرانے کی کوشش کرونگا کہ آپ سینکڑوں تجاویز دہریت کو فنا، معاشرت و اخلاق کو درست، تبلیغ اسلام کو عالمگیر اور ملک کو مکمل آزاد کرانے کی پاس کرتے ہیں، مگر مجھے ندامت اور افسوس کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑ رہا ہے کہ آپ اُن میں سے کسی ایک پر بھی عمل نہیں کرتے۔ کیا بتایا جا سکتا ہے؟ کہ آپ نے معاشرت و اخلاق کی کون سی خدمت انجام دی، دہریت اور لامذہبیت کو فنا کے گھاٹ اُتارنے کی کیا عملی تدابیر اختیار کیں اور آزادی حاصل کرنے کا جذبہ ملک میں کہاں تک پیدا کیا۔ غالباً ان تمام سوالات کا جواب نفی میں ہوگا اور ایسی نفی میں جس کی تقویم، اثبات کا کوئی برق پارہ بھی نہ رکھتی ہو۔ کیا یہ صورتِ حال حضرات

علمار کے لئے معیوب نہیں تھا۔ اگر واقعی "العلماء ورثۃ الانبیاء" ہیں اور یہ کوئی محض دل خوش کن مقولہ ہی نہیں تو پھر اس چیز کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپ اس وقت تک علمائے حق کے مساوی خطاب کے ہرگز سزاوار نہیں سمجھے جا سکتے جب تک انبیاء کی بے باکی، جہاں سوزی، پیغمبرانہ عزم و ارادہ اور ان کا پاکیزہ جوشِ عمل آپ کی رگ و پے میں بھی سرایت نہ ہو۔ لیکن مجھے حیرت ہوتی ہے جب میں اس کے مقابلہ میں قدامت پسندی، عزلت پسندی اور موت کے تمام آثار کو آپ کی عملی زندگی میں چھایا ہوا پاتا ہوں۔ کاش خدا ہماری المناک حالت پر رحم کر کے آپ حضرات کے قلوب کو ولولہ کار کی پیغمبرانہ قوت سے لبریز کر دے ورنہ ہمارا آج نہیں تو کل عدم کی تاریکیوں میں گم ہو جانا یقینی ہے۔

میں نے "گو تلخ نوائی" سے کام لیا ہے جو کسی حد تک گستاخی میں شمار کیا جا سکے گا۔ لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جتنا احترام میرے دل میں آپ حضرات کا ہے وہ غالباً ان لوگوں میں نہ ہو گا جو ہمیشہ آپ کو روشن پہلو دکھانا ہی احترام کے مترادف خیال کرتے ہیں۔ یہ جو کچھ عرض کیا گیا۔ دردِ دل کے سوا کچھ نہ تھا جسے دنیا کی کوئی قوت "پابند لے" نہیں کر سکتی۔

بہرحال اگر آپ کو اس "تلخ صداقت" سے کوئی ذہنی یا نفسی اذیت پہنچی ہو تو اپنے الفاظ واپس لینے کے لئے تیار ہوں میں نے علمار ہی کی گود میں پرورش پائی اور ان ہی کی پُرخلوص کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج آپ مجھے یہاں پر ایستادہ دیکھ رہے ہیں۔ اس لئے یقین کیجئے کہ میری اسلامی فطرت اس کو ہرگز گوارا نہیں کر سکتی کہ آپ کی توہین کا تصور بھی کر سکوں، کیونکہ علمار کی توہین کرنے والے پر میرے نزدیک ملائکہ اور عالمِ انسانی دونوں لعنت بھیجتے ہیں لیکن آپ ہی کی تعلیم کے زیرِ اثر یہ بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ جس صداقت کو میرا ضمیر محسوس کرے اس کو کسی خارجی تاثر کے تحت پیش نہ کرنے کا ارتکاب کر سکوں۔

سیاست اور مذہب۔

آج سے پیشتر یہ مسئلہ اسلامی ہند میں متفقہ طور پر تسلیم کیا جا چکا تھا کہ مذہب اور سیاست ایک ہی تصویر کے دو رُخ اور ایک ہی ماں کے دو توام بچے ہیں لیکن ہماری بدقسمتی سے آج اس فتنہ کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے جسے ہمیشہ کے لئے آغوشِ قبر کے سپرد کر دینا چاہیئے تھا۔

میں ان زعمائے ملت کی تلوّن پذیر ذہنیات کے کرشمے دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتا ہوں جو کل تک علمار اور معصوم علمار کو یہ درس دیا کرتے تھے کہ مذہب اور سیاست دو مختلف حقائق نہیں ہیں اس لئے آپ کو ملکی سیاسیات میں اتنی ہی دلچسپی کا اظہار کرنا ہو گا جتنی کہ آپ مذہبی معاملات میں رکھتے ہیں

لیکن جب علماء نے آسمان سیاست پر چمک کر آفتاب و ماہتاب کی نورانی شعاعوں کو بھی ماند کر دیا اور دُنیا ان کی سماوی تنویرات سے جگمگا اُٹھی تو آج ہم دیکھتے ہیں کہ علماء سے تمسخرانہ انداز میں کہا جاتا ہے کہ تمہیں فقہی مسائل کے حدود سے ایک انچ بھی باہر نہیں آنا چاہیئے کیونکہ تمہارے اندر سیاسی قابلیت نہیں پیدا ہو سکتی کیا کام ہمارا ہے ہمارے ہی ہاتھوں میں رہنا چاہیئے۔ اگر واقعتاً یہی بات تھی تو کل اپنی قوت میں اضافہ کرنے کی غرض سے کیوں دعوتِ اشتراک دی گئی اور اگر ایسا کیا گیا تھا تو آج ان الفاظ کو واپس لینے کے کیا معنی؟ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی ہند علماء کی سیاسی قابلیت کے مظاہرے سے متاثر ہو کر ان کی طرف جھکتا جا رہا تھا اور یہی وہ "سُرخ خطرہ" ہے جسے ایک لمحہ کے لئے سیاسی لیڈر گوارا نہیں کر سکتے۔ مگر اب ان کو ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ عالم جب کسی میدان میں قدم رکھ دیتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اُسے واپسی پر مجبور نہیں کر سکتی۔ لہٰذا زعمائے قوم کو یہ خیال اپنے دماغوں سے نکال دینا پڑے گا کہ منطقیانہ مغالطہ کے تحت علماء کو اس میدان سے پسپا کیا جا سکتا ہے۔ علماء، اسلام اور اس کی تعلیمات سے اتنے ناواقف نہیں کہ آپ کو درس دینے کی ضرورت محسوس ہو، علماء سے زائد کون اس حقیقت سے واقف ہو سکتا ہے؟ کہ اسلام کی برتری کا راز ہی اس چیز میں پنہاں ہے کہ زندگی کا کوئی پہلو، مادی ہو یا روحانی، سیاسی ہو یا مذہبی تاریک ہو یا روشن اس کے سماوی قانون سے باہر نہیں ہو سکتا، اسلام، عیسائیت یا موسائیت نہیں جہاں حیاتِ انسانی کے مخصوص تہذیب و تمدن ہی کے لحاظ سے تعلیم دی گئی تھی۔ بلکہ یہ وہ مذہب ہے جو تمدن کے ہزار تغار زمانہ کے ہر انقلاب اور ماحول کی ہر تبدیلی کے لئے اپنے پاس ایک سبق رکھتا ہے اور ایسا سبق جس سے بہتر کوئی انسانی قابلیت تعلیم نہیں دے سکتی۔ بنا بریں مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ اُس شخص سے زاید کوئی بیوقوف نہیں ہو سکتا جو قرآن کو مذہبی کتاب سمجھے لیکن سیاسی قانون تسلیم کرنے میں اُسے تامل ہو۔

اگر شریعت اسلامیہ جامعیت کے محاسن سے بہرہ اندوز نہ ہوتی تو نہ اُسے ہزار سالہ شہنشاہیت نصیب ہو سکتی تھی، نہ مادیت و روحانیت کے مسلسل تصادمات ایک لمحہ بھی زندہ رہنے دیتے، اسلام دُنیا کی ہر قوم، شہنشاہیت کے ہر ناپاک قانون اور کائنات انسانی کے ہر مادی تمدن سے ہمیشہ معروفِ جنگ و پیکار رہا، لیکن باوجود اس کے آج بھی وہ غیر فانی سطوت کے ساتھ زندہ ہے اور قیامت تک زندہ رہے گا۔ خاکدانِ مجازی کا کوئی پُر عظمت شیطانی اقتدار نہ اُسے موت کی چاشنی سے آشنا کر سکا نہ مستقبل میں اس قسم کا تصور کر سکنا ممکن۔ وہ تمام مذاہب سابقہ جو جامعیت کی خصوصیات اپنے اندر نہیں رکھتے تھے اور وہ تمام تمدن جو دورِ حیات کو تابناک کر سکنے کی استعداد سے تہی دامن تھے۔ فضا کی تاریک ترین

گہرائیوں میں گم ہوگئے لیکن اسلام فطری جامعیت کی بنا پر آج بھی ایک زندہ قانون ہے جو تا ابد ناموسِ الٰہی کا پرچم لہراتا رہے گا۔

یہاں پر بحث کو ختم کرتے ہوئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ جامعیت یا بالفاظ دیگر مذہب وسیاست کی یگانگت سے متعلق حضرت علامہ سید سلیمان ندوی سابق صدر اجلاس جمعیۃ کے وہ فقرات یاد دلانے کی جرأت کروں جو انہوں نے اپنے خطبۂ صدارت میں موزوں کئے تھے کیونکہ وہ چند فقرات باوجود مجمل ہونے کے تمام تفصیلات کو جامع ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ مذہب و سیاست کے عنوان میں شاید آج تک اس قدر مختصر مگر جامع فقرات کسی خطیب کی زبان اور کسی مصنف کے قلم سے نہ نکل سکے ہوں گے۔

• اسلام روحانی اور سیاسی دو الگ قوتوں سے واقف نہیں، عیسائی یورپ کا مدار انجیل کے اس فقرے پر ہے کہ "جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دیدو جو خدا کا ہے وہ خدا کو دیدو"۔ لیکن اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ان الحکم الا للّٰہ۔ خدا کے سوا اور کسی کی حکومت نہیں۔ بقول ایک امریکن مصنف کے "قیصر کون ہے جو خدا کی بادشاہی میں ساجھی ہے؟" اسلام میں چرچ اور اسٹیٹ دین و دنیا۔ دو الگ چیزیں نہیں، دنیا داری ہی کا قانونِ الٰہی کے ماتحت انجام دینا دینداری ہے جو اسٹیٹ کا سپاہی ہے وہی چرچ کا نمازی ہے۔ ان دونوں کو الگ کرنا ہی تو ہماری تباہی کا سبب ہوا ہے اگر ہماری دنیا داری دینداری ہوتی اور دین داری دنیا داری اور اگر ہمارے سپاہی نمازی ہوتے اور ہمارے نمازی سپاہی تو یہ دن ہی دیکھنے کیوں پڑتے"

علمار اور خوفِ مرگ۔

اسلام اگر ایک طرف اپنی فلسفیانہ جامعیت اور تمدن آفرین قوانین کے بھروسہ پر زندہ رہا ہے تو دوسری طرف ایک عملی نظریہ اور حیاتی تصور نے بھی اس کی زندگی قائم رکھنے میں بڑی حد تک مدد کی اور وہ موتوا قبل ان تموتوا کی سماوی تعلیم تھی۔ اس لئے کہ انسان کے اضافات حیاتیہ کو ایک مرکز پر سمیٹ لینے کی کوشش نہ کی جائے تو اس کی عملی زندگی کبھی علویت انسانیہ کے عرش کو بوسہ نہیں دے سکتی کیونکہ دنیا کی تمام کارگزاریاں اور زندگی کے سارے افکار و اعمالِ حیاتیہ صرف اس ہی لمحہ میں بہترین انداز سے انجام دیئے جا سکتے تھے جب کہ توجہاتِ نفسی کو ایک مرکز پر جمع کر دیا گیا ہوتا۔ تاریخ انسانی کے اوراق میں اگر کسی انسان کے کارنامے زریں حروف میں ثبت ہوں گے تو صرف اس ہی انسان کے جس نے حیاتِ ذاتیہ کا کوئی ایک

محور تلاش کر لیا ہوگا یہی وجہ ہے کہ کتابِ الٰہی نے وجود و حیات کی اشعۂ اضافیہ کو ایک مرکز پر جمع کرنے کی ان الفاظ میں تلقین کی کہ "موتوا قبل ان تموتوا" "خاک شو پیش ازآنکہ خاک شوی"۔ کیونکہ جو شخص تمام شبابی تمناؤں، تمام مادی علویتوں اور تمام شخصی لذتوں کو صرف ایک روحانی مقصد حاصل کرنے کے لئے قربان کر دے۔ اُس کی ملکوتی قوّت سے کائنات کا ہر ذرہ کانپ اُٹھتا ہے۔ چنانچہ قرونِ ثلٰثہ کی تاریخ اُٹھا کر دیکھئے کہ اسلام کا ہر سپاہی قیصر و کسریٰ کی زبردست شہنشاہیت کو لرزہ براندام کر دینے کے لئے کافی ہوا کرتا تھا۔ مگر یہ کیوں تھا؟ محض اس وجہ سے کہ ان کو موت بھیانک نہیں معلوم ہوتی تھی، اور وہ موت سے پیشتر ہی اپنے تمام جذبات کو مرکزِ وحدت میں جذب کر چکے ہوتے تھے۔ لیکن آج حالت دگرگوں ہے اور فضاء غبار آلود۔ اس لئے کہ آج فلاسفۂ اسلام جو ڈاکٹر اقبال کی شکل میں ہمارے سامنے آرہے ہیں "موت قبل ازموت" کے نظریہ کو سلبی خلق اور زندگی کا عدمی پہلو سمجھ کر جلد از جلد مٹا دینے کے درپے ہیں اور دوسری طرف علماء کے نزدیک اس کا مفہوم محض "حجرہ نشینی" ہے حالانکہ نہ یہ حیاتِ انسانی کا عدمی پہلو ہے نہ حجرہ نشینی کے مترادف۔ بلکہ اُس کے معنی وہی ہیں جس کی آئینہ دار صحابہ کی عملیت تھی۔

بہرحال اس تمہید سے میرا مدعا صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ خوفِ مرگ جس سے اسلام کو ہمیشہ نفرت رہی اور جس نے صدہا اقوام و ملل کو غلام بنا کر چھوڑا ہے آج بدقسمتی سے وہی چیز ہمارے علماء کی رگ رگ میں سرایت کر چکی ہے۔ چنانچہ انہیں دنیا کی کوئی طاقت قربانی، ایثار اور جیل خانہ کی سختیاں جھیلنے کے لئے تیار نہیں کر سکتی۔ حالانکہ علماء کو ہر شخص سے پہلے دعوتِ شہادت کو لبیک کہنا چاہیئے تھا۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ وہ سب سے آخر میں بھی اس دعوت کو جو دعوتِ الٰہی ہے، قبول کرنے سے جھجک رہے ہیں میں تسلیم کرتا ہوں کہ آپ میں چند ہستیاں ضرور ایسی موجود ہوں گی جو کفارہ کے طور پر تمام علماء کی جانب سے سختیوں کو طے کرنے کے لئے تیار ہوں۔ مگر شاید آپ کا دل محسوس کرتا ہوگا کہ یہ "کفارۂ مسیحی" آپ کی مخصوص صفت یعنی "خشیۃ الٰہی" کی ترجمانی نہیں کر سکتا۔ آپ آسمانِ نبوت کے چمکتے ہوئے تارے ہیں اور ارضِ نبوت کے بہتے ہوئے دریا۔ آپ کے قوائے روحانیہ کو یہ اضمحلال نفسی کبھی زیب نہیں دے سکتا کہ فرشتۂ موت کا ہیبت ناک چہرہ ہر وقت آپ کو سپاہی کی صورت میں اور دوزخ کا دروازہ جیل خانے کے پھاٹک میں نظر آئے۔ موت سے ہم جیسے سیاہ کاروں کا لرزہ براندام ہو جانا تعجب خیز نہیں کیونکہ ہمارے دل روحانی شفافیت اور ملکوتی نورانیت سے یکسر تہی ہو چکے ہیں۔ ہماری زندگی کا ہر لمحہ ناپاک عزائم اور تاریک تخیلات میں گذرتا ہے۔ ہم انائے مجرد اور انائے مرکب کے نازک فرق کو محسوس نہیں کر سکتے جس

کے اندر خوفِ مرگ کا حقیقی راز مضمر ہے، ہم انفرادیت کو اجتماعیت میں جذب کرنے کے محاسن اور اُس کے دُوررس نتائج سے بھی بے خبر ہیں۔ پھر آخر کیونکر ہماری مادّی ذہنیت اور کثیف نفسیت کش کش موت و حیات جسے اُردو میں "جیل خانہ" کہا جاتا ہے، کے لئے تیار ہونے دے سکتی ہے۔ ہاں اگر آپ کا ہر مسند نشیں موت اور آتشیں رنج و غم کے لئے سر بکف ہو کر میدان میں آ جائے تو بہت ممکن ہے کہ ہماری مذہبی غیرت، ایمانی جوش اور عربی شجاعت بھی جاگ اُٹھے ورنہ یوں آپ کی کاغذی تجاویز سے نہ کچھ ہو سکا ہے نہ کچھ ہو سکے گا اور نہ ہی میرے نزدیک آپ کو اُس وقت تک کوئی تجویز پاس کرنے کا حق ہے جب تک کہ آپ ہر قسم کی قربانی کے لئے اپنے آپ کو تیار نہ کر سکیں۔ اگر آپ نے محض کاغذی تجاویز میں وقت ضائع کیا تو آپ اپنے خدا، اپنی قوم اور اپنے ضمیر کے نزدیک مجرم ٹھہریں گے، حالانکہ علماء کو بلحاظ منصب اس سے کہیں بالاتر ہونا چاہیئے۔

بنا بریں میں آپ سے درخواست کروں گا کہ صرف وہی تجویز سامنے لانے کی کوشش کیجئے جس کو زیرِ عمل لا سکنے کی آپ اپنے اندر طاقت دیکھتے ہوں۔ اگر آپ اجتماعیت میں جذب ہو کر ناموسِ مذہب اور سیاست کی لاج نہیں رکھ سکتے اور صدہا سالہ "آرام طلبی" نے آپ کو عضوِ معطل بنا دیا ہے تو درس و افتاء کے مذہبی مشاغل سے یکسو ہو کر کوئی دوسرا اقتصادی مشغلہ اختیار کیجئے کیونکہ کسی عالم کا قربانی سے گریز اسلام اور اس کے جانباز سپاہیوں کی توہین ہے۔

• عذر" تلاش کرنے کے معنی حقیقت میں مسلمانوں سے روحِ عمل سلب کرنا ہے خواہ اُسے خطابت کی سحر کاریاں کتنے ہی دیدہ زیب لباس میں کیوں نہ پیش کر سکیں۔ علاوہ ازیں علمی نقطۂ نظر سے بھی میں دعویٰ کر سکتا ہوں کہ عذر کے معنی یکسانیت کے اجارہ دار نہیں بلکہ وہ ہمیشہ نوعیتِ جہاد کے تابع ہوا کرتے ہیں جو لوگ ہمیں "دعوتِ پناہ" دیتے ہیں وہ یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ ہندوستان بغیر "عذرِ سیاسی" کے دشمن سے جنگ کر رہا ہے ہاں صرف اتنا تفاوت سمجھئے کہ سیاسین کا عملی عذر "آزادی کی دعوت دیتا ہے اور علماء کا تخیلی عذر" غلامی اور ذلت کی۔ لہٰذا اگر آپ مذہبی آزادی کی تڑپ اپنے قلوب میں محسوس کرتے ہوں تو آپ کی زبان صرف ایک نعرہ کے لئے وقف ہو جانی چاہیئے یعنی "موت یا اسلام" ورنہ دنیا یہ سمجھنے میں حق بجانب ہو گی کہ آپ مذہب اور خدائے مذہب کے ہرگز فدائی اور سچے غلام نہیں کہلائے جا سکتے۔

توسیع نظامِ علماء۔

مجھے ہر دوسری چیز سے قبل نہایت کشادہ پیشانی کے ساتھ اپنی اس علمی بے مائگی کا اعتراف کر لینا چاہیئے

کہ میں اس جدید تحریک کو سمجھنے سے قطعاً قاصر رہا ہوں۔ اگر اس اصلاحی تحریک کا مدعا یہ ہے کہ جمعیتہ العلمار کے وسیع نظام میں ہر اس طبقہ کو شامل کر لیا جائے جو خدا کو ایک، محمد عربی (روحی فداہ) کو آخری نبی سمجھتے ہوئے مذہبی اعتقادات سلف صالحین کے اختلافات کے دائرے سے باہر نہ رکھتا ہو تو جمعیتہ العلمار کے موجودہ نظام میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں کیونکہ جمعیتہ کا دہ سالہ طرز عمل بتا رہا ہے کہ کسی عالم کی درخواست رکنیت کو محض اس لئے مسترد نہیں کیا گیا کہ وہ دیوبندی، بریلوی یا غیر مقلد تھا۔ پھر آخر وہ کون سی تعقید یا تحدید تھی جسے وسعت دینے کی ضرورت محسوس کی گئی۔ کہا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی تحدید نہ تھی تو اُن علمار کی تعداد جمعیتہ میں کیوں کم ہے جن کو بریلوی یا بدایونی جیسے انتسابات سے یاد کیا جاتا ہے اس لئے میں اپنے نتائج فکر پیش کرتے ہوئے بتا دینا چاہتا ہوں کہ اسکی صرف دو وجوہ قرار دی جا سکتی ہیں کہ یا تو بریلوی خیال کے علمار سیاست کی پُر خار وادیوں کو طے کر سکنے کی جرأت سے بڑی حد تک خالی ہیں یا یہ کہ اس عقیدہ کے علمار ہی باوجود کثرت متبعین" اقلیت میں ہوں ورنہ ممکن نہ تھا کہ جمعیتہ العلمار کی مجلس منتظمہ میں اس طبقہ کی اقلیت ہوتی جو توسیع نظام کا مطالبہ کر رہا ہے۔ مگر اس قدرتی اکثریت پر پیچ و تاب کھانے سے کیا فائدہ؟ قدرت کو یہی منظور تھا کہ محدثین اور فقہار سلف کے عقائد کو فروغ ہو۔ دار العلوم دیوبند کی ستر سالہ جدوجہد نے اگر ہندوستان کے اسلامی مدارس اور مذہبی علمأ کو نوے فی صدی دیوبندی عقائد کا پیرو بنا دیا ہو تو اس میں نظام جمعیتہ کا کیا قصور؟ جب تک آپ کے ہم خیال علمار، علمار دیوبند کی اکثریت تک نہیں پہنچتے۔ دیوبندی علمار کی اکثریت کو شکست نہیں دی جا سکتی۔ دیوبند کی مرکزیت کا اس سے بہتر کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ فلپائن کا شیخ الاسلام دیوبندی ہے اور خلافتِ عثمانیہ کا شیخ الاسلام ایک دیوبندی کا مرید اور افغانستان کے تمام مقتدر علمار بھی دیوبندی ہیں۔ رہا ہندوستان اُس کی مذہبی دُنیا جہاں تک دیوبندیت سے متاثر ہے اس کا حال آپ کے روشن ضمائر سے پوشیدہ نہیں، یہی مرکزیت آپ بھی پیدا کیجئے۔ توسیع نظام علمار کی اسکیم کبھی اقلیت کو اکثریت نہیں بنا سکتی۔ فرنگی محل کی مذہبی عظمت ایک زمانہ میں ضرور مسلّم تھی، مگر یہ وہی زمانہ ہے جس میں ان کے عقائد دیوبندی عقائد سے مختلف نہ تھے۔ فرنگی محل نے مولانا عبد الحئی برّد اللہ مضجعہ تک جس قدر بڑے بڑے فضلار بھی پیدا کئے ان میں سے شاید ایک بھی ایسا نہ ہوگا جس کے عقائد بریلوی یا بدایونی صنفیت سے شابہت رکھتے ہوں۔

ان حقائق کی روشنی میں آپ خود ہی فیصلہ کر لیجئے کہ جمعیتہ میں آپ کی اقلیت کون سے اسباب وعلل کی رہین منت ہے اور یہ کہ نظام جمعیت کو اس سلسلہ میں کہاں تک ذمہ دار ٹھہرانا جائز ہوگا۔ یقین کیجئے کہ جمعیتہ العلمار کی شیرازہ بندی کو منتشر کرنے سے اُس سیلاب توحید پرستی کو ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں روکا جا سکتا جو دیوبندیت کی شکل میں ہندوستان کے طول و عرض پر محیط ہوتا چلا آ رہا ہے۔ دیوبندیت اُس وقت تک

دنیا سے مٹائی نہیں جا سکتی جب تک اسلام زندہ اور قانونِ الٰہی کائناتِ انسانی پر نافذ ہے میرا پختہ عقیدہ ہے کہ اسلامی ہند میں جہاں تک جہالت کی تاریکی کم اور علم و عرفان کو جذب کرنے کی قابلیت زیادہ ہوتی جائے گی اتنا ہی دیوبندیت کا سایہ دراز تر اور اقتدار وسیع تر ہوتا جائے گا۔ آپ دیوبندی اکثریت کو میٹ نابود کرنے کی طاقت نہیں رکھتے خواہ مخواہ جان گھلانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ آپ اگر اپنے تمام مطالبات چاہے وہ خلافِ اصول اور فتنہ انگیزی ہی پر مبنی کیوں نہ ہوں منظور کرانے کی تڑپ رکھتے ہیں تو تمام صوبہ جات کے ممبران میں اپنے ہم خیال اور ہم عقیدہ بزرگانِ ملت کا انتخاب کرانے کی کوشش کیجئے۔ تاکہ آپ کی اکثریت پیدا ہو سکے ورنہ یاد رکھیئے کہ اگر صوبجاتی انتخابات میں آپ کی اکثریت نہ ہو سکی تو ناظم و صدر کی جزئی تبدیلیاں آپ کے اغراض و مقاصد کو معمولی حد تک بھی کامیاب نہ ہونے دیں گی۔

ناظم و صدر کے مطالبۂ عزل و تغیر پر چاہتا ہوں کہ اس یقین کو ظاہر کرنے کی مجھے اجازت دیجئے کہ اگر مجلس منتظمہ نے ناظم و صدر کا استعفا منظور کر لیا تو یہ منظوری جمعیۃ کی عملی زندگی کو اُس ہی طرح ختم کر دے گی جس طرح علی برادران کی علیحدگی سے جمعیۃ خلافت کا شکست ہو جانا آپ کے نزدیک یقینی ہے اگر جمعیۃ خلافت کے لئے ہندوستان کے وسیع خطہ میں کوئی دوسرا سیکرٹری باوجود مولانا شوکت علی کی استبدادیت کے نہیں مل سکتا تو یقیناً جمعیۃ العلماء بھی ایسے لعل و جواہر کی ناقدر شناسی کر کے خزف ریزوں ہی سے دامن بھر سکے گی۔

میں نے یہاں تک جو کچھ عرض کیا وہ محض ایک ضمنی سوال کا جواب تھا لیکن اگر آپ مجھے حقیقت سے قریب تر رائے کے اظہار کی اجازت دیں تو میں آپ کو یقین دلاؤں گا کہ آج "توسیع نظام" کا جو تخیل جمعیۃ کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے اُس کی علتِ تخلیق ہرگز وہابیت و بدعیت کی ہنگامہ آرائی نہیں ہو سکتی، بلکہ یہ خلفشار نتیجہ ہے علمائے اسلام اور زعمائے ہند کے باہمی تصادم کا۔ سیاسیین اپنے اثر و اقتدار کو بالاتر رکھنے کی کوشش میں "غریب علماء" کو پروپیگنڈا کے زہر آلود خنجر سے ٹکڑے کر دینا چاہتے ہیں تاکہ ان کی اجتماعی قوت سلب اور سیاسی اہمیت فنا ہو جائے ورنہ محض "تمنائے صدارت" پر بنیادی اصول کو شکست کرنے کی جدوجہد کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔

ہندوستان کا ہر متنفس اس حقیقت سے واقف ہے کہ ہندوستان کے کسی سیاسی زعیم کے پاس علوم شرعیہ کی "سندِ تکمیل" نہیں۔ ہاں اگر علم دین پڑھنے سے "پہلے" جیل سے آنے کے "بعد" اعزازی طور پر کسی کو مولانائیت کی اعزازی ڈگری دی گئی ہو تو میں نہیں کہہ سکتا۔ مگر باوجود اس کے غیر عالم کو عالم ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی رہی جس کا مقصد اس کے سوا اور کیا خیال کیا جا سکتا ہے کہ جمعیۃ العلماء کو بھی

ذاتی اغراض کا آلۂ کار بنا کر حکومت کے آستانہ پر جبیں سائی اور سجدہ ریزی کی دعوت دی جا سکے میں ان غلط اندیش حضرات کو جو جمعیۃ کے متنازعہ بنیادی اصول کو علمار کی "برہمنیت" سے تعبیر کرتے ہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ اُن مغالطات سے سلجھے ہوئے دماغوں کو فریب نہیں دیا جا سکتا۔ جن کی غایت خود غرضی کے جذبات کو تسکین دینا ہو۔ دستور اساسی کا غیر عالم کو اجلاس عام کی صدارت تفویض کرنے سے انکار کسی ننگِ انسانیت نظریہ کے زیر اثر نہ تھا بلکہ چند مصالح کے تحت، چنانچہ اگر دستور اساسی اس قسم کی تحدیدات سے ناآشنا ہوتا تو اس جمعیۃ کو جمعیۃ العلمار نہیں کہا جا سکتا تھا۔ جمعیۃ العلمار کے قیام کا مقصد سیاست کو مذہب کے سایہ میں لے کر علمار کو مجاہدانہ زندگی، مجددانہ ذہنیت اور بے باکانہ جدوجہد سے واقف کرنا تھا تاکہ مسلمان اس مخصوص طبقہ کے مذہبی اقتدار سے عملی سیاسیات میں کام لے سکیں۔

اگر آپ جمعیۃ کو کسی ایسی نازک ترین ساعت کے لئے محفوظ رکھنا چاہتے ہوں تو اس مبارک برہمنیت کو زندہ رکھیئے جس کے آپ مستحق ہیں اور جو چشم بدبیں میں ہمیشہ خار بن کر کھٹکتی رہے گی۔ کیونکہ جمعیۃ العلمار کی پُرسکون زندگی کا انحصار اسی "برہمنیت" پر ہے لہٰذا میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ موجودہ دستور اساسی کا حسن و قبح جمعیۃ کی حیاتِ ماضیہ میں تلاش کریں گے، نہ کہ مخالفین کی اشتعال انگیز تحریروں اور غرض آلود تقریروں میں جو حیاتِ ماضیہ کے مقابلہ پر بہتر حقائق کا انکشاف کرنے سے قاصر ہیں اور قیامت تک قاصر رہیں گی۔

نظام شرعی اور جمعیۃ العلمار کا فرض۔

آج نظام شرعی کی ضرورت اور اہمیت پر محققانہ زورِ قلم صرف کرنے کا کوئی موقعہ نہیں رہا شاردا ایکٹ کے نفاذ نے ہر مسلمان کو پوری طرح محسوس کرا دیا ہے کہ جب تک امارت شرعیہ کا مکمل نظام اسلامی ہند کے ہر حصہ میں عملاً نافذ نہ ہو جائے گا۔ اس وقت تک احکامِ الٰہی کی آزادانہ بجا آوری ناممکن ہے۔ تغافل کیش مسلمان! ضرور ایک صدی سے زائد عرصہ تک طلاق، وراثت، وصیت اور اوقاف جیسے نہ معلوم کتنے اہم مسائل کو غیر اسلامی حکومت کی ٹھوکروں میں پامال ہوتے ہوئے دیکھ لے گئے ہیں مگر اس کے معنی ہرگز یہ نہیں ہو سکتے کہ قیامت تک اس استبداد کے سامنے سر تسلیم خم ہی رکھیں جو ہماری ملی حیات کے تمام مقتضیات کو مدت سے مٹانے کی کوشش کر رہا ہو۔ اگر آج مسلمان اپنی پچھلی کمزوریوں کو محسوس کرنے کے قابل ہو سکے ہیں تو ایک لمحہ کے لئے بھی کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ انہیں مذہبی حقوق حاصل کرنے سے باز رکھنے کی سعی کرے، جب دنیا کے تمام اسلامی ممالک میں نظامِ شرعی کے اجرار کا حق تسلیم کیا جا چکا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اسلامی ہند کو اس جائز حق سے فائدہ نہ اٹھانے دیا جائے۔ صرف یہی نہیں بلکہ جمعیۃ العلمار کا فرض ہے کہ مستعمرات یا

مکمل آزادی کی تجاویز کے ساتھ ہی نظامِ شرعی کو ہندوستان میں قائم کرسکنے کی تدابیر پر غور کرے، گو مجھے مسلمانوں کے ہنگامی جوش اور فطری عجلت پسندی سے یہ خوف ضرور ہے کہ شاردا ایکٹ سے مستثنیٰ ہو جانے کا مطالبہ منظور ہو جانے کے بعد نظامِ شرعی کی اہمیت اُن کی نگاہوں سے اوجھل ہو جائے گی اور وہ اس اہم ترین مطالبہ کے لئے تیار نہ کئے جاسکیں گے لیکن اگر جمعیتہ العلماء شاردا ایکٹ ہی کے سلسلہ میں کسی مزید حلقہ زنجیر کا اضافہ کرسکنے کے قابل ہوسکی تو شاید اس وقتی ہیجان کو کچھ روز اور بھی جاری رکھا جاسکے۔ اس وقت نظامِ شرعی کو زیرِ نظر لانے سے میرا مقصد محض توجہ دلانا تھا نہ کہ تفصیلی بحث کیونکہ آج سے چند سال پیشتر سید سلیمان ندوی اس ہی موضوع پر ایک حد تک بسیط نظر ڈال چکے ہیں جس کے بعد غور کرنے کا حق میرے نزدیک اُس لمحہ تک سلب ہو چکا جب تک کہ نظامِ شرعی کا تخیل دماغ سے نکل کر خارج میں آسکنے کے قابل نہ ہو جائے۔

دہریت اور اسلام۔

علماء کی مجلس میں دہریت کے عقلی، اخلاقی اور تمدنی نقائص پر روشنی ڈالنے کو شاید سوءِ ظن سے تعبیر کیا جائے۔ بدیں اغراض میں اس جدید تحریک کے اسباب و نتائج بیان کرتے ہوئے آپ کا وقت عزیز صرف کرنا نہیں چاہتا۔ مگر غالباً اس قدر عرض کر دینا غیر موزوں نہ ہوگا کہ اگر آپ نے دہریت کو شباب تک پہنچنے سے پیشتر ہی فنا کے گھاٹ اُتارنے کی کوشش نہ کی تو مذہبی ذہنیت کا بقا ہندوستان میں بھی دیگر ممالک کی طرح ناممکن ہو جائے گا۔ اس "عقلی جنون" کے سیلاب کو اگر آج ہی نہ روک دیا گیا تو یقیناً کل اس کی بلا خیزیوں کا آپ مقابلہ نہیں کرسکتے۔ اگرچہ افغانستان کے انقلاب نے مشرق میں دہریت کی رفتار کو کم از کم نصف صدی کے لئے شکست کر دیا ہے لیکن محض اسی پر مطمئن ہو جانا بھی شعورِ سیاسی کا کوئی بہتر ثبوت نہ ہوگا۔ مذہب کی زندگی کو اُس وقت تک قائم نہیں رکھا جاسکتا جب تک کہ آپ دنیا پر یہ ثابت نہ کر دیں کہ ہم "اصلح" ہیں اور اس لئے کوئی قوت ہمیں حیاتِ ابدی سے محروم نہیں کرسکتی۔

یقیناً آپ بغور دیکھ رہے ہوں گے کہ جہاں ٹرکی میں مصطفٰے کمال تبلیغ دہریت اور مغربیت کر رہا ہے وہاں ہندوستان میں بھی کہیں قومیت اور وطنیت کا نقاب ڈال کر اور کہیں اصلاح مذہب اور علماء مذہب کا روپ بھر کر مذہب کو فنا کیا جا رہا ہے اور سب سے زیادہ یہ کہ ہمارے صوبہ کے بعض بد طینت، اسلام دشمن اور جہل مرکب کے آئینہ دار مدیران رسائل نے دشنام طرازی پر زورِ قلم صرف کرنے ہی کو اپنی ناپاک زندگی کا بہترین مشغلہ بنا رکھا ہے۔

پھر کیوں آپ کی اسلامی عصبیت کو ٹھیس نہیں لگتی اور کیوں آپ کی تبلیغی قوتیں بیدار نہیں ہوتیں۔

اگر آپ واقعی اسلامیت کے اضمحلال کو گوارا نہیں کر سکتے تو سب سے پہلے اسلامی مدارس کے فرسودہ نصاب اور بوسیدہ طرز تعلیم کو تبدیل کیجئے تاکہ طلبا ر طبعی علوم، تاریخی حقائق اور اسلامی فلسفہ سے پوری طرح واقف ہو کر فلسفیانہ تصانیف اور خطیبانہ بلاغت سے طبعی امیال اور ذہنی عواطف میں انقلاب برپا کر سکیں۔ ہر سال صدہا طلبار کا فارغ التحصیل ہو کر مدارس سے اس حالت میں نکلتے رہنا کہ ان میں سے ایک بھی تصنیف یا تقریر کے قابل نہ ہو مذہبی تعلیم گاہوں کے لئے بیحد شرمناک ہے۔

اگر اس اہم تعلیمی یا بالفاظ دیگر تبلیغی فرض سے سبکدوش ہو سکنے کی سعی پیہم نہ کی گئی تو اسلامی ہند کو بھی وہی روز بد دیکھنے کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے جو ٹرکی، ایران اور مصر دیکھ چکا ہے۔

یقین کیجئے کہ مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی لامذہبیت کی قوت سے کوئی خطرہ نہیں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ یہ اُس ہی مادی تمدن کے عروج و اعتلا کا ایک لازمی نتیجہ ہے جس کی ارتقائی زنجیر کا انتہائی حلقہ ہمیشہ ابتدائی حلقہ سے ٹکراتا اور اُس ہی وحشت و بربریت کو واپس لاتا رہا ہے جس سے مدنیت انسانیہ نے ترقی کی تھی اور یہی ہر مادی تمدن کی وہ فطری کمزوری، شعوری ظلمت اور اساسی نقص ہے جس کے زیر اثر مذہب کے اخلاقی نظریات روحانی ملکات اور سماوی ادراکات کو دور انحطاط کی یادگار سمجھ کر دفن کرنے کی کوشش کی گئی مگر طبعی قوانین کے تحت اُس غلط راہ روی نے تمدن ہی کو خواہ وہ بابل و نینوا کا تھا یا مصر و ایران کا، ایسی ابدی موت کے سپرد آغوش کیا کہ دوبارہ کسی تاریخ کے کسی دَور میں بھی زندہ ہونے کی اُمید کامیاب نہ ہو سکی۔ کیا اس چیز کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے بھی مجھے خطرہ محسوس ہونا چاہیئے ہرگز نہیں، بلکہ اگر مجھے کسی چیز سے خطرہ ہے تو وہ آپ کی تخیلی تجاویز اور تدابیر کا رہیں کیونکہ اسلام خواہ کتنی ہی روحانی علویت، اخلاقی جمالیت اور معنوی لطافت کا آئینہ دار کیوں نہ ہو اُس وقت تک کائنات انسانی کے محاسن میں اضافہ نہیں کر سکتا جب تک کہ آپ اُسے دنیا کے سامنے پیش کرنے کی عملی جد و جہد نہ کریں۔ آپ کی تجاویز کو کیوں درخور اعتنا نہیں سمجھا جاتا؟ اس لئے کہ آپ محض سب کمیٹیوں کا انتخاب کرنا جانتے ہیں۔ گو مجھے علم ہے کہ خلافت، مسلم لیگ یا کوئی دوسری جماعت بلحاظ عمل کسی طرح بھی آپ سے بہتر نمونہ پیش نہیں کر سکی مگر جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں کسی سے پیچھے نہ ہونا آپ کی ذمہ داریوں کو کم نہیں کر سکتا لہٰذا جلد از جلد مغربیت کے استیلار سے مذہب پسند طبائع کو محفوظ رکھنے کی کوشش کیجئے ورنہ مستقبل قریب میں اسلامیت کے اضمحلال پر آپ کو ماتم کرنے کا کوئی حق نہ ہو گا۔

جداگانہ انتخاب اور مذہب۔

حضرات! چونکہ حسنِ اتفاق سے مجھے اس عنوان پر بڑی حد تک سکون و طمانیت کے ساتھ وقت صرف

کرنے کا موقعہ ملا ہے اس لیئے ذمہ داری کو پوری طرح محسوس کرتے ہوئے اپنے ضمیر کی یہ آواز آپ تک پہنچا دینے کی اجازت چاہتا ہوں کہ مکمل آزادی سے پیشتر غلام ہندوستان میں جداگانہ انتخاب کو مخلوط انتخاب کی شکل میں تبدیل کردینے کے معنی بہ تعبیر دیگر مذہب کو قومیت کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھانا ہوں گے ہندوستان کی عام پبلک اگر کہیں ذہنی شعور، نفسی احساس اور مذہبی تاثر کا مظاہرہ کرسکتی ہے تو وہ انتخاب کے سوا کوئی دوسرا پلیٹ فارم نہیں ہوسکتا۔ ایسی صورت میں اگر آپ نے معیار انتخاب قومیت یا وطنیت کے محدود جذبہ کو قرار دے دیا تو مسلمانوں کی عام ذہنیت بجائے مذہب کے قومیت کو ترجیح دینے پر عملاً مجبور ہو جائے گی۔ نہیں کہا جاسکتا کہ مخلوط انتخاب فرقہ وارانہ جنگ کو کہاں تک ختم کرسکے گا لیکن اس میں شک نہیں کہ مذہب کی عظمت دل و دماغ سے نکل جائے گی اور مسلمان قومیت ہی کو اپنی ملی حیات کا ضامن خیال کرنے لگیں گے۔ حتیٰ کہ ایک دن ہندوستان کی سرزمین پر مذہب کی نعش بے گور و کفن، اس کی تعلیمات ناقابلِ التفات اور اس کی سیاسی قوت قصہ پارینہ ہو کر رہ جائے گی۔

جداگانہ انتخاب مشروط ہو یا غیر مشروط مسلمانوں کی مذہبی زندگی کا ایک لازمی جزو ہے جس وقت تک مسلمانوں کو اپنی مستقل اور موثر مذہبی شخصیت کا احساس نہ ہوگا مسلمان بحیثیت مسلمان بقائے دوام کا شرف حاصل نہیں کرسکتے۔ جب اسمبلی، کونسل اور میونسپلٹی میں بھی مذہب کا نام لینا قومی جرم کی نوعیت اختیار کرلے تو آپ اپنے ضمیر سے سوال کیجئے کہ مفلوج مذہب آخر کہاں تک زندہ رہ سکے گا۔ اسلامیانِ ہند کے سیاسی معاملات جداگانہ انتخاب کے کہاں تک محتاج ہیں؟ اس سوال کے جواب کو اگر زعمائے ہند کے سپرد کردیا جائے تو کم از کم جداگانہ انتخاب کے ان مذموم اثرات پر روشنی ڈالنا تو آپ ہی کا فرض ہے جو براہ راست مذہب کو نقصان پہنچا رہے ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ حضرات علماء کرام کو بقاء مذہب کی خاطر بہانگِ دہل اعلان کردینا چاہیئے کہ جب تک ہندوستان مکمل طور پر آزاد نہیں ہوتا یا جب تک ہمارا "نظامِ شرعی" اور "نظام سیاسی" مرتب ہو کر نافذ نہیں ہو جاتا۔ ہم جداگانہ انتخاب کا حق ترک کرنے کے لیئے تیار نہیں خواہ اس کے خلاف کانگریس اپیل کرے یا راؤنڈ ٹیبل کانفرنس [ROUND TABLE CONFERENCE] میں لارڈ الیویر [LORD OLIVIER] کے اس نظریہ کو تسلیم کرتا ہوں کہ "جداگانہ انتخاب کا مطالبہ سیاسی معاملات میں مذہبی اثر و نفوذ کے مترادف ہے" مگر یہ کیسے سمجھ لیا گیا کہ سیاسی معاملات میں مذہبی اثر و نفوذ سے کام لینا جائز ہے۔ لارڈ الیویر اگر مذہب و سیاست کو جداگانہ حقائق یقین کرنے کی حماقت میں مبتلا ہونے کی بنا پر انتخاب کی مذہبی اسپرٹ کو سیاسیات میں مداخلت بیجا تصور کرتے ہوں تو اس مغالطہ کا ہمارے سیاسی ماحول، مذہبی اعتقاد اور روحانی فلسفہ پر کیا اثر؟ ہم ہرگز کسی ایسے سیاسی نظریہ اور قومی جذبہ کی پرستش کرنے کو تیار نہیں ہیں جو ہمارے عزیز ترین مذہب

سے ٹکراتا ہو خواہ اس کی تبلیغ لارڈ الیویر [LORD OLIVIER] کریں یا گاندھی جی۔

اگر میری گذارشات سمع قبول تک رسائی حاصل کر سکتی ہوں تو میں آخر کلام پر اس خواہش کا اظہار ضرور کروں گا کہ آپ کو جداگانہ انتخاب سے اس وقت تک دست کش نہ ہونا چاہیئے جب تک آپ غلامانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں اور جب تک آپ کی موہوم تنظیم " حقیقت ثانیہ کے درجہ تک نہیں پہنچ جاتی کیونکہ بصورت دیگر مذہب کے لئے خطرہ پیش آجانے کا اندیشہ رہے گا۔

میں یہاں تک پہنچ کر ضروری خیال کرتا ہوں کہ اپنی پوزیشن صاف کرتے ہوئے عرض کردوں کہ جداگانہ انتخاب پر میرا اصرار ہرگز اس ناپاک ذہنیت سے کوئی دور کی نسبت بھی نہیں رکھتا جو ہندو مسلم اتحاد کو ناممکن اور حصول آزادی کو دشوار تر بنانے کے لئے جداگانہ انتخاب کو سراہنا مقصد حیات قرار دے چکی ہے ایسی ذہنیت ملک کے لئے لعنت ہے اور مسلمانوں کے لئے عذاب۔ اگر مخلوط انتخاب حیات قومی کے لئے ضروری ہو تو بقاء مذہبیت کی کوئی دوسری تدبیر کیجئے لیکن جب تک کوئی عملی تدبیر معرض وجود میں نہیں آجاتی اس وقت تک کے لئے آپ سے سفارش کروں گا کہ جداگانہ انتخاب کا دامن نہ چھوڑا جائے۔

اشتراکیت اور اسلام

میں فلسفہ اشتراکیت اور اسلامی تعلیمات کا باہمی موازنہ کر کے آپ کی ساعات عمل تخیلی دلچسپیوں میں صرف کرنا نہیں چاہتا اور خصوصاً اس لئے کہ بحث کے ضمن میں متعدد ایسے اہم مسائل کو سلجھانا پڑے گا جو مستقل کتاب کے محتاج ہیں اور ساتھ ہی ہماری موجودہ مشکلات حل کرسکنے کے ناقابل، مگر باوجود اس کے شاید اشتراکیت کے اس پہلو کو پیش کرنے میں کوئی حرج نہ ہو گا جو مذہب کے لئے " خطرہ کا الارم " ہے۔ انقلابی، جہاں پر سرمایہ داری کو تباہ، حقوق ملکیت کو سلب اور قوائے جسمانی کی اہمیت کو فکریات کے مقابلے میں قائم کر رہے ہیں وہاں اپنے بنیادی نظریہ " سلبیت " کے تحت مظاہرۂ استبداد اور تشدد کے ساتھ مذہب و اخلاق روحانی کی بیخ کنی بھی ان کا بہترین مشغلہ ہے۔ چند ہی روز ہوتے ہیں کہ آرک بشپ آف کنٹربری نے دارالامراء میں تقریر کرتے ہوئے موثق اطلاعات کے مطابق بیان کیا تھا کہ لینن کی امت نے روس میں ۸۳ مسجدیں، ۸، خانقاہیں اور ۹۵۳ گرجے بند کر دیئے اور مذہبی کتابوں کی اشاعت کو قومی جرم قرار دے دیا ہے بلکہ پیرس کی ایک خبر بتاتی ہے کہ دو ہزار عبادت گاہوں کو بند کر کے ان سے اسٹیشن، ہسپتال اور ہوٹل کا کام لیا جا رہا ہے کیا یہ بالشویکی جمہوریت شہنشاہیت کی لعنت سے کہیں زیادہ مستحق لعنت نہیں؟ اگر ہے اور یقیناً ہے تو آپ کو ہندوستان میں اس حد تک اشتراکیت کا ضرور مقابلہ کرنا ہو گا جہاں تک کہ وہ مذہب سے متصادم ہو۔

اسلام اشتراکیت کے محاسن سے بہرہ اندوز ہے اور اس کے قباحت سے پاک۔ اس لئے کوئی مسلمان محمد عربی (روحی فداہ) کی پوزیشن لینن یا ٹراٹسکی کو سپرد کر کے مادیت پرستی کی دوزخ نہیں خرید سکتا۔

اگر جواہر لال نہرو چاہتے ہیں کہ مسلمان سرمایہ داری کے نظام کو شکست دینے میں اُن کے قوت بازو ثابت ہوسکیں تو اُن کو ترکِ مذہب کی "دعوتِ عام" نہیں دینا چاہیئے ورنہ بہت ممکن ہے کہ اسلام کا نعرہ "اللہ اکبر" "انقلاب زندہ باد" کی آواز کو فضا کی بلندیوں تک نہ پہنچنے دے میرا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ سرمایہ داری اسلام کا کوئی جزو ہے اور اس لئے اُس کے خلاف پروپیگنڈا کرنا مذہبی گناہ، بلکہ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تحریک انقلاب کو مذہب سے ٹکرایا نہ جائے ورنہ اسلام کی آہنی دیوار اس سیلاب کو آگے نہ بڑھنے دے گی۔ کیونکہ ایسی حالت میں ہر مسلمان کا مذہبی فرض ہو جائے گا کہ وہ انقلابی تحریکات کو ہر ممکن کوشش سے تباہ کر دے اس مرحلہ پر پہنچ کر مسلمانوں کو یہ چیز بھی نظر میں رکھنا چاہیئے کہ مخالف قوتوں کے غلط پروپیگنڈے سے متاثر نہ ہوں ورنہ ہرگز ملک و قوم کی نگاہوں میں وقعت قائم نہ رہ سکے گی۔ اگر آپ اپنا قومی وقار اور مذہبی اعتبار ہندوستان میں زندہ رکھنے کے آرزومند ہیں تو آپ کا فرض ہوگا کہ کسی واقعہ پر غیر ذمہ دارانہ نقد و تبصرہ کرتے ہوئے ملک کو اپنے سیاسی تدبر کی جانب سے بدگمانی کا موقعہ نہ دیں۔

تقسیمِ عمل اور اس کے محاسن۔

انسانی طبائع میں یکسانیت پیدا ہو جانا امکان سے باہر ہے۔ ہر شخص کے قوائے ذہنی اور قوائے عملی ہم رنگ نہیں ہوسکتے۔ کوئی تخیلی ہوتا ہے، کوئی عملی، کوئی قومی ہوتا ہے، کوئی ٹوڈی، کوئی شکل پسند ہوتا ہے، کوئی عیش پرست۔ غرض یہ کہ کبھی دو انسان بہ ہر حیثیت باہم دگر مشاکل نہیں ہوسکتے ورنہ ممکن نہ تھا کہ ایک آزادی کی خاطر پھانسی چڑھے اور دوسرا پھولوں کی سیج پر محو خواب ہو، مگر کیا کریں قدرت کو بھی نیرنگیاں پسند ہیں اور وہ اس ہی گوناگونی کو رونق حیات سمجھتی ہے۔ اس لئے ہمیں بجائے قانونِ فطرت سے جنگ کرنے کے، فطرت ہی کے دوسرے قانون سے کام لینا چاہیئے جسے "تقسیمِ عمل" کہتے ہیں تاکہ فطرت کی نیرنگ پرستی ہمارے مقاصد پر اثر انداز نہ ہوسکے۔ مگر تعجب ہے کہ ہندو اس فلسفہ پر عمل کرے اور مسلمان آشنا تک نہ ہو۔

پنڈت مالویہ اگر مکمل آزادی کا اعلان کرتے ہوئے سول نافرمانی نہیں کرتے تو گاندھی جی کو ان سے شکایت تک بھی پیدا نہیں ہوتی اور اگر گاندھی جی گورنمنٹ کو چیلنج دیتے ہیں تو مالویہ سنگِ راہ ثابت ہونے

کی بجائے اسمبلی ہال میں حکومت کو غضب آلود لہجہ میں تنبیہ کرتا ہے کہ اگر گاندھی کو گرفتار کیا گیا تو ایک لاکھ انسان جیل خانوں کو بھر دیں گے اور گول میز کانفرنس کا مقصد فوت ہو کر رہ جائے گا۔ چنانچہ اُس ہی کا اثر ہے کہ اگر ایک طرف حکومت گاندھی پر ہاتھ ڈالتے ہوئے لرزتی ہے تو دوسری طرف گاندھی جی کی صداقت سے اثر پذیر ہو کر شاہی ترجیح ڈیرف بل [TARIFF BILL] کے مسئلہ پر مالویہ استعفا دیدیتے اور کھدر کا پرچار کرنے لگتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ گاندھی جی کو محض پنڈت مالویہ کی دھمکی ہی نے جیلخانہ سے نہیں بچایا بلکہ بین الاقوامی پیچیدگیاں بھی گرفتاری کے راستہ میں حائل ہیں لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ایک حد تک ہندو قوم کی والہانہ محبت بھی گاندھی جی کو گرفتار نہیں ہونے دیتی۔ افسوس اور سخت افسوس ہے کہ یہ بات مسلمانوں میں ہزاروں ٹھوکریں کھانے کے بعد بھی آج تک نہ پیدا ہو سکی اور اگر زمانۂ حال کو مستقبل کا آئینہ کہا جاسکے تو شاید یہ بدگمانی بیجا نہ ہوگی کہ مسلمانوں میں باہمی اتحاد نہیں ہو سکتا نہ مولانا ظفر علیخاں مولانا محمد علی سے دل صاف کر سکتے ہیں، نہ مولانا محمد علی، مولانا احمد سعید کو مطعون کرنے سے توبہ، گاندھی جی کانگریس کی صدارت زبردستی جواہر لال نہرو کے سپرد کرتے ہیں اور مولانا محمد علی جمعیتہ العلماء کے صدر نہ ہو سکنے پر سخت ناراضگی کا اظہار حتیٰ کہ اب جمعیتہ العلماء کو دفن کر دینا ہی اُن کے نزدیک قوم کی سب سے بڑی خدمت ہے۔ ہندو مسلم ذہنیات کا یہ تفاوت کیا نہیں بتاتا کہ اگر یہی توازن قائم رہا تو مسلمان یقیناً ہندو کا غلام ہو کر رہے گا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر سر شفیع حکومت پرست ہیں تو انہیں اپنی جگہ پر رہنے دو۔ اگر مولانا محمد علی اعتدال پسند ہیں تو انہیں مذبذبین کی صف میں کھڑا رہنے کی اجازت دی جائے اور اگر مولانا حسین احمد مدنی مکمل آزادی کا پرچم بلند کرنا ہی اسلام اور مسلمانوں کے لئے مفید خیال کرتے ہیں تو انہیں مہلت دو کہ وہ اپنی سعیٔ پیہم کا نتیجہ دیکھ سکیں۔ ممکن ہے کہ خدا وہ دن بھی جلد لے آئے جب ہر پارٹی متحد ہو کر ایک ہی پلیٹ فارم سے مسلمانوں کی رہنمائی کر سکے، لیکن جس وقت تک یہ بات پیدا نہ ہو سکے آپ حضرات کا فرض ہے کہ ہر شخص کو موقع دیں کہ وہ اپنی غلط راہ روی ذاتی تجربات کے تحت محسوس کر سکے۔ اگر میرے اندر قربانی کا جذبہ نہ ہو تو آپ کے بہترین استدلالات بھی مجھے آمادۂ عمل نہیں کر سکتے اور اگر جوشِ عمل میری رگ رگ میں برقی رو کی طرح دوڑ رہا ہو تو آپ کی غلامانہ اعتدال پسندی بھی میرے ولولۂ کار کی شعلہ آشامیاں کم کر سکنے سے قاصر رہے گی۔ بنا بریں بہترین طریقۂ کار یہی ہو سکتا ہے کہ ہر طبقہ کو زمانے سے سبق اندوز ہو سکنے کی فرصت دی جائے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ ہر دوسری چیز سے پیشتر تقسیم عمل اور اس کے محاسن کو پیش نظر رکھنے کی کوشش کی جائے گی کیونکہ قوم کی فلاح و بہبود تقسیم عمل کے زریں اصول ہی پر کاربند ہو سکنے میں مضمر ہے۔

نصب العین اور مسلمان

متمدن دنیا کی ہر قوم، کائنات انسانی کا ہر فرد اور نظام شمسی کا ہر سیارہ کوئی نہ کوئی محور اور مرکز رکھتا ہے مگر مسلمانوں کی بدقسمتی دیکھئے کہ اُن کے سامنے کوئی نصب العین، کوئی لائحہ عمل اور کوئی متعین راستہ نہیں وہ نہیں جانتے کہ ہمیں حکومت پرستی اور غلامانہ ذہنیت کا راستہ تلاش کرنا چاہیئے یا مکمل آزادی کا، وہ حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں مگر نہیں جانتے کہ حقوق حاصل کرنے کے لئے کون سی تدبیر اختیار کرنا بہتر ہوگی۔ کیا یہی وہ سیاسی قابلیت ہے جس کے بھروسہ پر مسلمان ہندو اور انگریز دونوں کی غلامی سے آزاد ہونا چاہتے ہیں میں نہیں یقین کرسکتا کہ اگر حالات و واقعات کی یہی رفتار قائم رہی تو یہی گم کردہ راہ مسلمان غلامی کا داغ قیامت تک بھی اپنی پیشانی سے دُور کرسکیں گے خواہ اُن کے بلند بانگ دعاوی سے عرش و کرسی بھی کانپ اٹھیں۔

یہاں قدرتی طور پر ہر شخص کے دل میں سوال پیدا ہوگا کہ آخر آج تک مسلمان کیوں اپنا نصب العین مقرر نہ کرسکے۔ میرے نزدیک اس کا جواب ہر شخص کو اپنے ضمیر سے دریافت کرنا چاہیئے۔ کیا آپ اس بغض و عناد، رشک و حسد اور باہمی مخالفت کا کوئی علم نہیں رکھتے؟ جو آج ہر لیڈر دوسرے لیڈر، ہر عالم دوسرے عالم اور ہر مسلمان دوسرے مسلمان سے رکھتا ہے۔ کیا کانگریس سے مخالف پالیسی رکھنے والے ہندوؤں نے کوشش کی تھی کہ اس کا اجلاس لاہور میں نہ ہوسکے نہیں اور ہرگز نہیں، مگر مسلمانوں کے اقتدار پرست زعمار ملت اور عناد پرور مقتدایان مذہبی نے سعیٔ بلیغ کی کہ امروہہ میں جمعیۃ العلمار کا اجلاس کامیاب نہ ہو اور ناظم و صدر چین سے نہ بیٹھ سکیں۔ کیا یہی وہ خوشگوار حالات ہیں جن میں کوئی نصب العین یا لائحہ عمل مسلمانوں کے لئے تیار کیا جاسکتا ہو۔ جس وقت تک یہ صورت حال قائم ہے، نصب العین مقرر نہیں ہوسکتا اور جب تک نصب العین مقرر نہ ہو مسلمان ترقی کی طرف ایک قدم بھی نہیں بڑھا سکتے۔ لہٰذا اگر آپ کی دلی تمنا ہے کہ مسلمان زندہ قوم ہو کر گنگا، جمنا سے سیراب ہوتے رہیں تو اس رنجیدہ افتراق اور تباہ کن پارٹی فیلنگ کو خاک امروہہ میں اتنی گہرائی تک لے جاکر دفن کیجئے کہ تا قیامت یہ خبیث روح کسی دوسرے جنم میں بھی واپس نہ آسکے اور اگر مسلمانوں کی واژگوں بدبختی یہاں پر بھی ساتھ نہ چھوڑے تو پھر آپ کے ساتھ جتنے نفوس بھی ہم آواز ہوسکیں انہیں کے مشورے اور رائے سے نصب العین وضع کرکے ذرا گام عمل میں بیباکانہ کود پڑیئے تاکہ جس مسلمان کے سینے میں دل، دل میں جوش اور جوش میں جوہر حیات کی تابانیاں ہوں وہ بھی آپ کے ساتھ خون و آتش سے کھیل سکے، ورنہ یاد رکھیئے کہ اگر کوئی لائحہ عمل مسلمانوں کے لئے تجویز نہ کیا گیا تو اس نازک سیاسی دور میں مسلمانوں کے ناموس ملی کا تحفظ سخت مشکل ہو جائے گا۔

مسلمان اور ان کی اقتصادی تعمیر

ہر قوم کی زندگی اور موت، عروج و انحطاط، ترقی و تنزل، دولت کے وجود اور عدم پر موقوف ہے۔ اگر کسی قوم کی اقتصادی اور معاشرتی حالت درست نہ ہو تو یقیناً اس کی اخلاقی، تعلیمی اور تمدنی حیثیت بہت ہی کمزور ہوگی۔ چنانچہ آج مسلمان بھی اس ہی بنا پر ہندوستان میں ہر اعتبار سے پست اور ہر لحاظ سے ذلیل ہیں کہ سرمایہ اور دولت کی فراوانیاں ان کے ہاں نہیں۔ اگر آج تجارت اور صنعت پر مسلمان قابض ہوتے تو اُن کی آوازمیں بھی وہی زور و اثر ودیعت ہوتا جو آج آپ دوسری اقوام میں پاتے ہیں۔ آج آپ غیر کے کیوں دستِ نگر ہیں؟ اس لئے کہ کل قوم کی اقتصادی عمارت گری کو اہمیت نہیں دی گئی تھی، کاش۔ ہماری قومی مجالس اور ہمارے قومی لیڈر جن کا سرمایۂ حیات چند کاغذی تجاویز کے سوا کچھ نہیں تعمیری پروگرام ہی پر عمل کرتے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ان تمام نام نہاد لیڈروں سے قوتِ عمل ہی سلب ہو چکی ہے یہ نہ مکمل آزادی کی خاطر قربانیاں کر سکتے ہیں نہ تعمیری لائحہ عمل کے لئے سعیٔ پیہم۔ اب آپ ہی انصاف سے کہیئے کہ جب رہنماؤں کی یہ کیفیت ہو تو قوم کیسے ترقی کرے اور دولت کیونکر اُس کے قدم چومے۔ حالانکہ دولت ہی پر ہر ممکن رفعت و سرفرازی کا دار و مدار تھا۔

بہر حال مجھے صرف اتنا گوش گذار کرنا تھا کہ اگر آپ مسلمانوں کو ہندوستان کی دیگر اقوام کے درمیان یک خود دار قوم کی پوزیشن دینا پسند کرتے ہوں تو عملی تجویز پاس کر کے کسی ایسی سب کمیٹی کے سپرد کیجیئے جس کا ہر بن پیکر عمل ہو ورنہ آپ کو نہایت صفائی کے ساتھ قوم سے کہدینا چاہیئے کہ ہم باوجود اہمیت محسوس کرنے کے مخصوص الات کے تحت تعمیری کام کرنے سے معذور ہیں تاکہ مسلمان کسی جدید غلط فہمی کا شکار ہو کر ہمیشہ کے لئے مایوس نہ ہو جائیں مدماہ قبل خلافت کمیٹی نے بھی تنظیم کا دعویٰ کیا تھا۔ مگر آج تک ایک بھی عملی قدم نہیں اٹھایا گیا۔ میں نہیں چاہتا کہ پ بھی ایسی ہی لغو تجاویز پر اپنی ساعات فرصت ضائع کرنے کا ارتکاب کریں۔ خدانخواستہ آپ نے بھی محض تجاویز س کرنا ہی اپنا مقصدِ زندگی قرار دے لیا تو ہم اس قابل بھی نہ رہیں گے کہ کسی دوسرے کو "لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ" کا الزام دے سکیں۔

چو کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی۔

ہماری کمزوریاں اور زعمائے ملت۔

کہا جاتا ہے کہ وہ مسلمان جنہوں نے اپنے جوشِ عمل اور جذبۂ وارفتگی سے دنیا کو زیر و زبر کر دیا تھا جن کے

شوق جہاد سے بڑی بڑی حکومتیں متزلزل ہوجایا کرتی تھیں آج ان میں نہ غیرتِ مذہبی ہے نہ احساس قومی، وہ مذہبی مداخلت کو جرم خیال کرتے ہیں نہ غلامی کو بدترین ذلّت و پستی، اُن کے نزدیک ہر وہ تحریک ناقابلِ اعتنا ہے جو عمل کا مطالبہ کرے اور ہر وہ راہنما قابلِ پرستش ہے جو خاموش بیٹھ کر تماشہ دیکھنے کو پسند کرتا ہو مگر میں اس بارے میں عوام کو مجرم کہنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہوں۔ میرے نزدیک عام مسلمانوں میں وہی فقر بوذرؓ۔ اور ولولۂ حیدریؓ موجود ہے جو کل تھا، وہ آج بھی فدا کاری کا وہی نمونہ پیش کر سکتے ہیں جو پچھلی تاریخ میں دنیا دیکھ چکی ہے۔ اُن کا ذوقِ عمل اور جوشِ جہاد آج بھی ہر مخالف قوت کی اینٹ سے اینٹ بجا سکتا ہے مگر یہ سب سماوی قوتیں اُس وقت ہی اُبھر سکتی ہیں جب زعمائے ملت تپشِ حیات سے آشنا نہ ہوں، ورنہ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی شعلہ سامانی کا ثبوت قیامت تک بھی مہیا نہ ہوسکے گا۔ حالانکہ اُن میں وہی حریت پرستانہ جذبات، فدا کارانہ عزائم اور حیات اندوز بے تابیاں ہوں گی جو ایک زندہ قوم کی خصوصیات ہونی چاہئیں۔ اگر آپ مسلمانوں کی غیرتِ ملّی کا امتحان لینا چاہتے ہیں تو اپنے قلوب کو اکثریت کے خوف اور ناپاک قانون کی عظمت سے پاک کرکے دعوتِ عمل دیجئے اور پھر دیکھئے کہ مسلمان کیا کچھ نہیں کر سکتے۔ مسلمان کمزور اور بزدل نہیں ہیں بلکہ ان کے لیڈروں میں قید و بند کی سختیاں جھیلنے کی ہمت اور علماء میں جاں سپاری کا ولولہ نہیں رہا۔ ہمارے رہنما خود غیرت و حمیت، جرأت و مردانگی کے جواہر نہیں رکھتے اور اُسے منسوب کرتے ہیں عام مسلمانوں کی طرف اگر آپ کے دل میں تنظیمِ ملّت کی تڑپ ہو۔ اگر آپ واقعی قومی افلاس و نکبت کو دُور کرنے کی تمنّا رکھتے ہوں تو ناممکن ہے کہ مسلمان منظم اور دولت مند نہ ہوسکیں، جان گسل دشواریوں کا پیش آنا لازمی ہے لیکن کامیابی میں شک کرنا بھی جائز نہیں۔ کامیابی صرف اس ہی لئے نہیں ہوتی کہ آپ کے اندر "ذوقِ یقین" پیدا نہیں ہوا۔ اگر اس نعمتِ الٰہی سے آپ محروم نہ ہوتے تو کامیابی آپ کے قدم چومتی، کیونکہ :-

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال و پرِ روح الامیں پیدا (اقبال)

مہاتما گاندھی میں کون سی جاذبیت ہے کہ لاکھوں آدمی اُن کے نقشِ قدم پر چلنا فخر سمجھتے ہیں صرف عزم راسخ، ذوقِ یقین اور اذعانِ کامرانی۔

اسلام نے بتایا تھا کہ جو انسان خدا سے جس قسم کی اُمید رکھے گا خدا کا برتاؤ بھی اُس کے ساتھ ویسا ہی ہوگا۔ مسلمانوں کو خدا پر یقین نہ رہا تو اُس نے بھی کامیابیوں کو چھین لیا۔ اگر آپ سچے مسلمان ہیں تو ہر تحریک شروع کرنے سے پیشتر خدا پر بھروسہ کیجئے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ خدا پر بھروسہ کرنے والے کو ناکامی

سے دوچار ہونے کا اتفاق نہیں ہوتا، ورنہ اپنی ایمانی کمزوریوں کو عام مسلمانوں پر چسپاں کر کے ضمیر اور دنیا کو دھوکہ نہ دیجیئے۔

میں خدائے پاک و برتر کے تختِ جلال وجبروت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر آپ خدا پر کامل بھروسہ کر کے کسی تحریک کی ابتدا کریں گے تو جب تک اس زمین و آسمان پر خدا کی حکومت قائم ہے دنیا کی کوئی زبردست سے زبردست طاقت بھی ناکامیاب نہیں کر سکتی، ہاں اگر آپ کا روحانی ضمیر ذوق یقین کی ملکوتی لطافت سے پُر کیف نہ ہوگا تو یقیناً کامیابی ناممکن ہے خواہ آپ کچھ ہی کیوں نہ کریں۔ عام مسلمان خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اگر بھروسہ نہیں ہے تو آپ کو اور یہی وہ نقص ہے جس نے مسلمانوں کو انگریز اور ہندو دونوں کی نظر میں ذلیل بنا رکھا ہے۔ جس قوم کے لیڈر بزدل ہوں وہ قوم بہادر اور کامیاب نہیں ہو سکتی۔

میں کہتا ہوں کہ اگر آپ کو خدا کی امداد پر یقین نہیں تو کامیابی محال ہے اور جب کامیابی کا کوئی امکان نہ ہو تو نہ جمعیۃ العلماء کے قائم رکھنے کی کوئی ضرورت ہے نہ جمعیتِ خلافت کی مسلمانوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیجیئے۔ اگر انفرادی کوششوں سے وہ کامیاب ہو سکے تو ہو جائیں گے ورنہ ان کا تباہ یا غلام ہونا تو مقدر ہو ہی چکا ہے۔

ہندو مسلم مفاہمت

تاریخ آزادی کا ہر ورق گواہ ہے کہ کسی ملک کو مکمل آزادی تو رہی ایک طرف مکمل مستعمرات بھی اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکی جب تک اقلیت بھی اکثریت کی ہم آہنگ نہ ہو گئی ہو۔ چنانچہ اس تاریخی سبق کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے بار ہا ہندوستان میں قومی میثاق تیار کر سکنے کی کوشش کی گئی مگر بدقسمتی سے نہ میثاق لوکناؤ کامیاب ہو سکا، نہ میثاق بنگال، نہ میثاق دہلی سے عقدہ کشائی ہو سکی نہ میثاق پنجاب سے۔ آخر میں اگر کسی میثاق کو وقعت دی گئی تو وہ پنڈت موتی لال نہرو کی رپورٹ تھی جس کے اندر مسلمانوں کے حقوق ذبح کرنے کی ہر ممکن سعی سے کام لیا گیا تھا۔ چنانچہ اُسے بھی دوسرے میثاقہائے قومی کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ خواہ اس کی بڑی وجہ یہی کیوں نہ ہو کہ حکومت نے نہرو رپورٹ کا بنیادی اصول تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ورنہ اگر حکومت ڈومینین اسٹیٹس دینے کا وعدہ کر لیتی تو شاید اسلامی اقلیت کے حقوق کا جنازہ نکل چکا ہوتا۔ بہر حال نتیجہ یہ ہے کہ آج تک کوئی ایسا میثاق قومی تیار نہیں کیا جا سکا جو ہر اقلیت کو مطمئن کر سکنے کے قابل ہو مگر مفاہمت نہ ہو سکنے کی وجہ میں ہندو قوم کی تنگ دلی کو تسلیم نہ کیا جائے تب بھی اتنا ضرور ماننا پڑے گا کہ کسی ذکسی طرف سے اس قسم کی پالیسی اختیار کرنے پر یقیناً اصرار کیا گیا جو مفاہمت کو ناممکن بنا

سکتی تھی۔

کچھ تو ہے اس عقدۂ میثاق قومی میں فساد
ہر قدم پر جو اُلجھ جاتا ہے سلجھانے کے بعد

مسلمان اس صورتِ حال کو دیکھ کر میثاق اور مفاہمت سے مایوس ہو گئے اور انہوں نے بدیں وجہ کانگریس میں شریک ہونے سے انکار کر دیا کہ ان کے حقوق کے تحفظ کا یقین نہیں دلایا گیا تھا۔ ممکن ہے کہ کسی کے نزدیک مسلمانوں کا یہ فیصلہ غلط ہو مگر اس ڈپلومیسی سے انکار کرنا بھی مشکل ہے جو اس عرصہ میں تمام طبقات کے ہندوؤں نے مسلمانوں کے مقابلہ پر جائز رکھی۔ مولانا محمد علی کی "روئدادِ چمن" آپ کو بتلائے گی نزاع کوہاٹ کے بعد سے گاندھی جی تک نے بھی کلیتہً مفاہمت کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ کاش! ان کی "سیاسی روحانیت" مسلمانوں کی بے کسی پر بھی دو آنسو بہانے کی اجازت دیتی اور وہ اپنی قوم سے صاف الفاظ میں کہہ دیتے کہ ایسی ظالم قوم کو ظالم حکومت سے اقتدار واپس لینے کا کوئی حق نہیں جس کے دامن کا ہر تار ہمسایہ قوم کے خون گرم سے رنگین ہو، مگر نہیں ایسا نہیں کیا جاتا، شاید اس لئے کہ تشدد صرف حکومت کے مقابلہ پر گناہ ہے۔ رہا مسلمان تو اُس کا ذبح کر دینا بھی ثواب سے خالی نہیں کیونکہ اس طرح جنگ جوئی کی اسپرٹ میں اضافہ ہوگا۔ اگر گاندھی جی کی نگاہ میں ہندو اکثریت اور مسلمان اقلیت یکساں ہے تو کیوں مہاتما گاندھی ہندو قوم ہی کی تکلیف پر مضطرب ہوتے، اُس ہی کے سوگ میں برت رکھتے اور اُس ہی کے فائدے پر جان دیتے ہیں۔ کیا یہی وہ ذہنیت، اور کیا یہی وہ روحانیت ہے، جس سے متاثر ہو کر مسلمان گاندھی جی کو "سیاسی پیغمبر" تسلیم کر سکتے ہیں۔ مجھے حیرت ہے اُن لوگوں پر جو ہندوؤں کی انتہائی تنگ دلی اور صد درجہ خود غرضی کو دیکھتے ہوئے بھی مسلمانوں کو اعتماد کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ ہندو خواہ گاندھی جی کی روحانیت کا پرستار ہی کیوں نہ ہو، مسلمانوں سے شریفانہ مفاہمت نہیں کر سکتا۔ جو شخص کہ آج باوجود زبردست ملکی قائد ہونے کے مسلمانوں کے جائز مطالبات کے حق میں کوئی آواز نہیں نکال سکتا وہ وائسرائے ہو کر بھی جو کیا کچھ کریگا، ہم ان مہربانیوں سے بے خبر نہیں۔

مفاہمت نہ صرف میرے ہی نزدیک ہر دوسری چیز سے مقدم رکھے جانے کی مستحق تھی بلکہ مسز سروجنی نائڈو بھی یہی کہتی ہیں کہ "کھدر کے پرچار سے ہندو مسلم مفاہمت زیادہ ضروری ہے۔" لیکن قوم پرست ہندو اور کانگریسی مسلمان اُس شخص کی زبان کھینچ لینی چاہتا ہے جو مصالحت کا تذکرہ بھی کرے کیونکہ کانگریس کے نزدیک اس سے "مکمل آزادی" کے مطالبہ کو ضعف پہنچے گا۔

کہا جاتا ہے کہ اگر کل ہندو مکمل آزادی حاصل کر کے میثاق قومی کو ٹھکرا دیں تو آپ کیا کر سکتے ہیں؛ کاغذ کے پیچھے پر بھروسہ کرنا مسلمان کا کام نہیں، بالکل بجا اور درست! مگر یہ تو بتلایئے کہ جب کاغذ کا

پرزہ اتنا ہی کم حیثیت اور بے معنی ہے تو ہندو ہی کیوں مسلمانوں کو "بیوقوف" نہیں بناتے، حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے مغالطات صرف اس لئے مسلمانوں کو دیئے جا رہے ہیں، تا کہ اُن کی غلطی کو دوسرے لوگ محسوس نہ کر سکیں "بر گشتہ گیرتا بہ تپ راضی شود" کے اصول پر مکمل آزادی کا اعلان ضرور کیا گیا ہے مگر میں پوری ذمہ داری سے کہہ سکتا ہوں کہ گاندھی جی کے ذہن میں بھی مکمل مستعمرات سے زیادہ کوئی چیز نہیں اور مکمل مستعمرات کا دستور اساسی یا تو خود ہندوستان باہمی مفاہمت کے تحت وضع کر کے حکومت کے سامنے آخری منظوری کے لئے پیش کریگا یا بہ مجبوری گورنمنٹ اپنے مصالح کے زیر سایہ تیار کرے گی۔ ان دونوں صورتوں میں معاہدہ قانون کی حیثیت میں ہوگا۔ جسے چاک کر دینا ہندو کی طاقت سے باہر ہے۔ ہاں اگر واقعی مکمل آزادی کا امکان ہوتا تو معاہدات کی ترتیب ضرور ایک لغو حرکت متصور ہو سکتی تھی، کیونکہ آج کا معاہدہ مکمل آزادی کے بعد جب ہی قائم رہ سکتا ہے کہ معاہد قوم اپنی قوت کے بل بوتے پر اُسے قائم رکھ سکے ورنہ معاہدہ ایک پرزۂ کاغذ ہے اور کچھ نہیں۔ چنانچہ امریکہ بھی مکمل آزادی حاصل کرنے کے بعد تصفیہ حقوق پر چھ سال مسلسل باہمی جنگ میں مصروف رہ کر متفقہ دستور اساسی وضع کر سکا تھا مگر جب ملک کا ہر طبقہ اپنے اپنے طریق کار کے مطابق مستعمرات ہی کا مطالبہ کر رہا ہو تو قومی میثاق کو پرزۂ کاغذ بتانا "غیر منطقیانہ مغالطہ" سے زائد کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ معاہدے سے گریز کرنے کے معنی سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتے کہ اکثریت اقلیتوں کے جائز حقوق دینا بھی گوارا نہیں کرتی اور جب اکثریت کی تنگ دلی اور ناانصافی اس حد تک پہنچ جائے تو اقلیت کو فطرتاً اکثریت پر اعتماد نہیں رہ سکتا۔ مسلمان بے اعتمادی کا اظہار کرنے میں قطعاً حق بجانب ہیں، ہندو اگر آج مسلمان کا اعتماد حاصل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا تو دیکھئے تاریخ اپنا سبق دہرائے گی۔ اور ہندو کو بہت جلد تسلیم کرنا پڑے گا کہ مکمل آزادی بلکہ مکمل مستعمرات بھی بغیر مسلمانوں جیسی اہم اقلیت کو راضی کئے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اگر قدرت کا قانون تبدیل نہ ہو گیا ہو تو میں جو کچھ عرض کر رہا ہوں وہ ہو کر رہے گا۔

مسلمانوں کو نصیحت کی جاتی ہے کہ وہ حقوق، مفاہمت اور اکثریت کی ناانصافانہ حرکات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کانگریس کی جاری کردہ تحریکات میں شریک ہو جائیں حالانکہ نفسیاتِ اجتماعی کا ناطق فیصلہ ہے کہ کبھی دو ایسی قومیں جو باہم دگر مذہب، نسل، معاشرت اور زبان میں مغائر ہوں بے اعتمادی کے باوجود مشترکہ مفاد کی دیوی پر جان و مال بھینٹ نہیں چڑھا سکتیں" اور کبھی وہ اقلیت جس کا مستقبل اکثریت کی تنگ دلی سے تاریک ہو نام نہاد جہاد حریت میں شریک ہو کر حماقت کا ثبوت نہیں دے سکتی۔ اگر گاندھی جی سچائی کے ساتھ مکمل آزادی کی جنگ کر رہے ہوتے تو کھدر کے پرچار سے زیادہ اُن کو مفاہمت پیاری ہوتی۔ کیا وہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ آزادی کسی ایک قوم کی قربانیوں سے حاصل نہیں ہو سکتی؟ یقیناً جانتے ہیں مگر چونکہ

اُن کو بجائے آزادی کے اپنے حقوق و شرائط کی تکمیل منظور ہے اس لئے مفاہمت کو ضروری نہیں سمجھتے چند شرائط مکمل آزادی کے نام پر قربانیاں کرنے سے ضرور حاصل کئے جا سکتے ہیں اور اس لحاظ سے گاندھی جی کا کامیاب ہوجانا یقینی ہے مگر مکمل آزادی بغیر مفاہمت کے حاصل نہیں ہوسکتی خواہ مہاتما گاندھی کی لاش سمندر ہی میں کیوں نہ تیرنے لگے۔"

بہر کیف بغیر تصفیہ حقوق مکمل آزادی حاصل ہو یا نہ ہو لیکن مسلمانوں کو ہندوؤں سے سبق لے کر اپنے حقوق تلی کی خاطر قربانیوں کے لئے تیار ہوجانا چاہیئے۔ ورنہ محض بے معنی خاموشی جس کی تعلیم "دربارِ خلافت" سے ہی جا رہی ہے بہت جلد تباہی کے تاریک غار میں دھکیل دے گی۔

گول میز کانفرنس کا انتظار کرنے سے یہ کہیں بہتر ہوگا کہ آپ بھی مفاہمت کو طاق میں رکھ کر اپنی قوت کی نمائش کریں۔ آج دنیا میں وہ قوم زندہ رہنے کا حق نہیں رکھتی جو اپنی بے پناہ قوت کے بھروسہ پر حقوق کا تحفظ نہ کرسکے۔ آخر عدم مفاہمت کا ماتم کب تک ؟ اور مظالم ہنود کا مرثیہ تا کے ؟ مسلمانوں کے لئے یہ چیز انتہائی شرمناک ہوگی کہ وہ عدم مفاہمت کو عملی قوت کے مظاہرہ نہ کرنے کے لئے ایک بہانہ بنالیں۔ اگر گاندھی جی مفاہمت نہیں کرتے تو لارڈ اردن [LORD IRWIN] سے مفاہمت کیجئے اور اگر وہ بھی انکار کردیں تو آپ کو فیصلہ کرنا ہوگا کہ باوجود عدم مفاہمت کے ان میں سے کسی ایک کے ساتھ شرکت قومی مفاد کا کہاں تک تحفظ کرسکے گی۔ اگر اس قسم کی ذلیل شرکت آپ کی خودداری اور شرافت نفس گوارا نہ کرسکے تو کانگریس اور حکومت دونوں سے جنگ کیجئے تاکہ دونوں آپ کی فولادی قوت کے آگے سر ٹیک دیں۔ یا آپ کا ایک بچہ بھی وہ روز بد دیکھنے کے لئے زندہ نہ رہے جب مجبور ہو کر مسلمان اچھوتوں کی طرح زندگی بسر کرنے پر قانع ہوگئے ہوں۔ میرے نزدیک اس کے علاوہ کوئی دوسری تدبیر مسلمانوں کے لئے ہندوستان میں باعزت زندگی بسر کرنے کی نہیں ہوسکتی ؎

میرا ذمہ ہے کہ ارمان ترے نکلیں گے
گر تجھے تاب جفائے رسن و دار بھی ہے
(راز رامپوری)

کانگریس اور مسلمان

کانگریس جب تک کسی خاص جماعت کی نمائندہ نہ تھی مسلمان بہ حیثیت قوم اس کے شریک رہے اور فی صد قربانیاں کر کے انہوں نے ثابت کر دیا کہ ہم بزدل، تنگ نظر اور حکومت پرست نہیں۔ مگر جب سے کانگریس کے تیور بدلے اور مہابھائیت کی فرقہ پرستی اُس کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی تو

مجبوراً مسلمانوں کو اپنی مستقل ہستی قائم رکھنے کے لئے اُس سے باہر آجانا پڑا۔

کہا جائے گا کہ یہ کانگریس کی پالیسی پر اتہام ہے اُس نے کوئی حرکت ایسی نہیں کی جو مہا سبھا ئیت کی زائیدہ ہو۔ مگر میں دریافت کرتا ہوں کہ اگر ایسا نہ تھا تو فیڈرل نظام حکومت جس کی تائید کانگریس ۱۹۰۴ء سے کرتی رہی تھی آج ۲۵ سال گزرنے پر کیوں وحدتی نظامِ حکومت کے مقابلے پر قابل ترجیح نہیں رہا۔ یقیناً اس لئے کہ مہا سبھا اسلامی اقلیت کو زندہ رہنے کا کوئی موقعہ نہیں دینا چاہتی اور کانگریس میں اتنی ہمت نہیں کہ وہ مہا سبھا کے خلاف قدم بھی اُٹھا سکے۔ خواہ ایک اہم ترین اقلیت بھی کانگریس سے احتجاجاً الگ ہو جائے کیا اس ہی کا نام ملک کی نمائندگی ہے ؟ غلط اور کس قدر غلط !!

نہ صرف یہی بلکہ ایک دوسری چیز بھی ہے جس سے آپ بخوبی اندازہ کر سکیں گے کہ کانگریس مہا سبھائی ذہنیت کہاں تک جذب کر سکی ہے اور وہ یہ کہ کسی جدید معاہدہ کی ترتیب سے انکار کر دیا گیا۔ حالانکہ نہرو رپورٹ سے جہاں تک مسلمانوں میں برہمی اور بے اعتمادی پیدا ہو گئی تھی اُس کی صحیح قوت کا اندازہ کرتے ہوئے ضروری تھا کہ بغیر کسی دوسری مفاہمت کے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھایا جاتا۔ مگر نہیں کانگریس نے اس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مکمل آزادی کا رزولیوشن پاس کر دیا تاکہ پنڈت موتی لال نہرو کا تیار کردہ دستور اساسی گورنمنٹ کو دھمکا کر منظور کرایا جاسکے۔

میرے بعض محترم بزرگ جو خدا کے بعد کانگریس پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہاں پر یہ جواب دینے کے لئے بیتاب ہوں گے کہ کانگریس کا مدعا مکمل آزادی کے اعلان سے ہرگز نہرو رپورٹ منظور کرانا نہ تھا۔ ورنہ کانگریس اپنے ریزولیوشن میں اس فقرہ کا اضافہ نہ کرتی کہ ”کانگریس اقلیتوں کو یقین دلاتی ہے کہ ہندوستان کسی آئندہ دستور میں فرقہ وار مسائل کے کسی ایسے حل کو تسلیم نہ کرے گی جو متعلقہ فریقین کے لئے پورے طور پر باعث اطمینان نہ ہو گا۔“ مگر میں سب سے پہلے تو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہ فقرہ ہر اقلیت کو مطمئن کرنے کے لئے رزولیوشن میں شامل نہیں کیا گیا بلکہ محض سکھوں کے واسطے چنانچہ محولہ بالا قرارداد کے متعلق کانگریس کی مجلسِ مضامین کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے گاندھی جی نے ظاہر کیا تھا کہ یہ تجویز سکھوں کو اطمینان دلانے کے لئے پاس کی گئی تھی۔ ۳ر جنوری کا ٹربیون [THE TRIBUNE] میری صداقت پر گواہ ہے اور نہ صرف ٹربیون [THE TRIBUNE] بلکہ ینگ انڈیا [YOUNG INDIA] میں بھی اس امر کی وضاحت ملے گی کہ اس تجویز کی غرض و غایت سکھوں کو تحفظ حقوق کا یقین دلانا تھا مگر چونکہ بعض حضرات کا مغالطہ اس طرح پر بھی دُور نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے خود تجویز ہی میں نشہ اُتار سکنے والی ”ترش قاش“ کا بھی انتظام ضروری سمجھ کر کانگریس کے اس عقیدہ کو واضح کر دیا گیا کہ ”آزاد ہندوستان میں فرقہ وار مسائل

کو خالصتاً قومی اصول پر حل کیا جا سکتا ہے۔" جس کے معنی صاف الفاظ میں یہی ہوتے ہیں کہ اگر ہندوستان کو آزادی حاصل ہوگئی تو مسلمانوں کو اپنی مستقل ہستی قائم کرنے کا کوئی حق نہ ہوگا۔ حالانکہ مسلمان اپنی مستقل ہستی کو ہندوستانی قومیت پر قربان کرنے کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہیں۔

کانگریس کی ہاسبھائی ذہنیت کو تبدیل کر سکنے کی ایک صورت یہ بھی پیش کی جاتی ہے کہ پنجاب، بنگال، سندھ، صوبہ سرحد اور بلوچستان کی کانگریس کمیٹیوں پر قبضہ حاصل کرکے پوری قوت سے کانگریس میں شریک ہونے کی کوشش کی جائے، تاکہ کانگریس ہاسبھائیت ترک کرنے پر مجبور ہو سکے۔ حالانکہ اس تدبیر کا کارگر ہونا اتنا ہی ناممکن ہے جتنا کہ آفتاب کا مغرب سے طلوع۔ جب فیڈرل نظامِ حکومت کا مطالبہ ہی محض اس مجبوری سے کیا جا رہا ہو کہ مرکزی حکومت میں مسلمان کوئی قوت حاصل نہیں کر سکتے۔ تو پھر کانگریس میں اس کمزوری کا قوت میں تبدیل ہو جانا کیونکر ممکن ہے۔ دوسرے لاہور کانگریس کی مجلسِ استقبالیہ کے عہدے حاصل کر سکنے کی کوشش میں جو تلخ تجربات مولانا ظفر علی کو ہوئے ہیں اُن کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے بھی اس دلیل میں کوئی وزن باقی نہیں رہتا۔

اِن تمام اُمور پر روشنی ڈالنے سے میرا مقصد صرف یہ تھا کہ کانگریس پر مسلمانوں کو اعتماد نہ کرنے کا حق ہے اور صرف اس حد تک خلافت کانفرنس کی پالیسی سے ہر مسلمان کو متفق ہونا چاہیئے کہ کانگریس کی کسی تحریک میں اُس وقت تک شرکت نہ کریں۔ جب تک اُس سے کوئی مفاہمت نہ ہو سکے لیکن اس عدم شرکت سے حکومت کو تقویت پہنچانے کی کوشش بھی ملک اور قوم سے غداری کے مترادف ہوگی۔

حضرات علمائے کرام کا سب سے اہم فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کی خودداری کو مجروح کئے بغیر آزادی حاصل کرنے کا راستہ تلاش کریں۔

حقوق یا مکمل آزادی ...

آزاد فضا میں سانس لینا ہر انسان کا فطری حق ہے اور مسلمان کا مذہبی فرض، غلام انسان حیوانات سے بدتر ہے اور محکوم مسلمان خدا کا نافرمان بندہ، آج غلام، جاہل اور بدقسمت ہندوستان میں شاید کوئی بھی ایسا بدبخت زندہ نہ ہوگا جو غلامی کو آزادی پر فوقیت دے سکے کیونکہ ہر شخص اتنا ضرور جانتا ہے کہ وہ قوم دنیا کی نگاہوں میں کبھی عزت کی مستحق نہیں ٹھہر سکتی جو غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی اور محکومی کی ٹھوکروں میں پڑی ہو چنانچہ آج نہ امریکہ میں کوئی ہندوستانی خواہ ٹیگور ہی کیوں نہ ہو چند ماہ سے زیادہ ٹھہر سکتا ہے نہ لندن کے بہترین ہوٹل عام ہندوستانیوں کو جگہ دینا پسند کرتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ مہذب دنیا کے نزدیک

اُس قوم کو جو اپنی قوتِ ارادی سے ننگِ انسانیت غلامی کی لعنت کو دُور نہ کر سکے آزاد اور خوددار انسانوں کے حقوق دینا جائز بھی نہیں بہرکیف کیا میں دریافت کر سکتا ہوں کہ بیرونی دنیا میں ایسی رسوائی اور ہندوستان کے اندر ایسی غیر موثریت کہ کوئی مذہبی مطالبہ اور کوئی سیاسی احتجاج تک بھی حکومت کے لئے بازیچۂ اطفال سے زیادہ نہ ہو آپ کے احساس خودی کو بیدار کرنے کے لئے کافی نہیں ؟ اور کیا آپ ابھی تک ہندوستان اور مکمل آزادی کے عنوان پر "طفلانہ" دلائل ہی کی روشنی میں حکومت پرستی کی تلقین کرتے رہیں گے ؟ میں نہیں کہتا کہ کانگریس کے اعلانِ آزادی کو لبیک کہئے کیونکہ میرے نزدیک خود وہ بھی مستعمرات سے زیادہ کچھ نہیں چاہتی۔ چنانچہ گاندھی جی اپنے "مکتوبِ محبت" میں لارڈ اِرون [LORD IRWIN] کو لکھ چکے ہیں کہ :-

"قرارداد آزادی کسی خطرہ کا باعث نہیں ہو سکتی۔ اگر درجہ مستعمرات کا لفظ آپکے اعلان میں قابل قبول معنی کے اندر استعمال ہوا ہو"

مولانا شوکت علی کے جواب میں بھی انہوں نے ظاہر کر دیا ہے کہ "میرا مقصد انگریزوں کے خیالات و افکار میں محض اتنا انقلاب پیدا کرنا ہے کہ وہ خود نقصان اُٹھا کر بھی کفارہ کے طور پر ہماری بعض مشکلات کو حل کر سکیں"

ان خیالات کو مکمل آزادی کے اعلان سے کوئی مناسبت نہیں اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ کانگریس مکمل آزادی کا اعلان کرنے میں سیاسی فریب کارانہ ذہینت سے کام نہیں لے رہی۔ علیٰ ہذا میں اُس مکمل آزادی کے اساسی نظریہ کو بھی وقعت دینے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا جس کا اعلان تو خلافت کانفرنس کی طرف سے ضرور کیا گیا ہے مگر خارجی وجود "اخبار انقلاب" کے صفحات سے باہر عملی دنیا میں کہیں بھی نہیں پایا جاتا اور نہ ہی اس جوشِ حریت کو سراہنا وقت کی سب سے اہم ضرورت سمجھتا ہوں جس کی نمائش کانگریسی مسلمانوں کی جانب سے کی جا رہی ہے کیونکہ کل نہرو رپورٹ پر دستخط کرنے اور کا رادی کی بلند تر چوٹیوں سے جہاں ۱۹۲۷ء میں بھی کانگریس کا پرچم لہرا چکا ہے۔ مستعمرات کی گھاٹیوں میں اُتر آنے کی توجیہہ اس طرح پر کی جاتی تھی کہ برطانوی امپیریلزم کے غرق فولاد کروزروں کے مقابلہ میں جواہر لال، حسرت نیواس آئنگر اور شعیب قریشی کے سریع السیر جہاز اس وقت تک بیکار ہیں جب تک مدن موہن مالوی، تیج بہادر سپرو اور سر علی امام کی ٹکے گز کی جان والی کشتیاں بھی ان کے ساتھ نہ ہوں گی"

(مقالہ افتتاحیہ مولانا ظفر علی خان ۸ ستمبر ۱۹۲۹ء)

مگر آج دلائل کی ہواؤں کا رُخ تبدیل ہو گیا اور قرآنی آیات، نبوی ارشادات اور فقہی ابواب سے

کامل آزادی اور اُس کی تحریکات کو تقویت دی جانے لگی۔ حالانکہ پالیسی کو دلائل کے تابع ہونا چاہیے نہ کہ دلائل کو پالیسی کا۔

بلکہ میری رائے یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کا کوئی طبقہ کانگریس نہیں بلکہ اسلام کی خاطر بھی مکمل آزادی حاصل کر سکنے کی جرأت نہ رکھتا ہو تو آپ پھر محض زبانی اعلان آزادی کا مغالطہ انگیز شغلِ تفریح چھوڑ کر مستعمرات ہی کو مطمحِ نظر بنا لیجئے تاکہ اسلامی ہند آپ کی جرأت و مردانگی کا نہ سہی مگر دیانت داری کا تو قائل ہو جائے اور مسلمان کسی ایک نقطہ پر جمع ہو کر کچھ نہ کچھ تو حاصل کر سکیں۔

میں مستعمرات کے درجہ سے بھی نیچے آکر کہتا ہوں کہ اگر آپ مستعمرات کے لئے بھی جد و جہد کر سکنے کی اہلیت نہ رکھتے ہوں تو "حقوق" ہی کو نصب العین کے عرشِ بریں تک پہنچا دیجئے۔ بہر صورت کچھ تو عملیت کا ثبوت فراہم کرنا ہوگا۔ مگر اس عملیت کا نہیں جو کانگریس ہی کی طاقت کمزور کرنے میں صرف ہو سکتی ہو اور حکومت کی طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہ کرے۔ کیونکہ اُسے عملیت کی بجائے اضمحلال قویٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ عملیت کے معنی تو یہ تھے کہ آپ بھی گول میز کانفرنس سے پیشتر کم از کم پنڈت مالویہ ہی کی طرح حکومت کے سامنے اپنی قوت کی نمائش کرتے لیکن جب آپ تنازع للبقاء کی کش مکش میں حصہ لینے کی ہمت ہی نہ رکھتے ہوں تو ہندو قوم کیوں ہر محاذِ جنگ پر کامیاب نہ ہو۔ مسلمانوں کے کامیاب نہ ہونے کا سبب جہاں فقدانِ عمل اور سہل انگاری ہے۔ حتیٰ کہ ان کے علماء کتب خانہ کی ضخیم مجلدات اور زعماء ابطال حریت کے سنگین مجسمے ہو کر رہ گئے ہیں۔ وہاں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جو غیور مسلمان عمل کی برقاطیسی قوت رکھتے ہیں وہ اپنی قوم کی اجتماعی رائے کو ٹھکراتے ہوئے انفرادی طور پر کانگریس کی پالیسی کے زیرِ فرمان "نمک سازی" میں مصروف ہو گئے۔ حالانکہ اُن کو آخری ساعت تک مسلمانوں کی رائے عامہ حاصل کرنے کی ہر امکانی کوشش کرنی چاہیئے تھی۔ بہر نہج جمعیۃ العلماء کے ارباب حل و عقد کو ان حالات کی روشنی میں جو یہاں تک بیان کئے گئے کوئی ایسا لائحہ عمل مرتب کرنا ہوگا جو ان سے روحِ آزادی سلب نہ کرتے ہوئے موقعہ دے کہ مسلمان اپنی قوت کا ایسا مظاہرہ کر سکیں کہ کانگریس اور حکومت دونوں کو یقین ہو جائے کہ مسلمان قوم کو ناراض کرنے سے زیادہ دنیا میں کوئی بیوقوفی نہیں ہو سکتی۔

دل میں بہت کچھ ہے مگر زبان پر بہت ہی کم لا سکا ہوں نہ معلوم کتنی باتیں میرے دل میں ایسی ہیں جن کو اس پنڈال کی بجائے جیل خانہ کی چہار دیواری میں بیان کرنا موزوں ہوگا کیونکہ :-

آں راز کہ در سینہ نہاں است نہ وعظ است
بر دار تواں گفت بہ منبر نتواں گفت

اس لئے میں "سخنہائے گفتنی" کو بادیہ پیمایان جنون ہی کے لئے چھوڑتے ہوئے اُس ذرہ نوازی پر اظہارِ تشکر و امتنان کی اجازت چاہوں گا کہ آپ نے نہایت پُرسکون فضا میں مجھے خیالات پیش کرسکنے کا موقع بہم پہنچایا۔

شکریہ۔

رفقائے کار کا شکریہ ادا کرنا گو نفسیاتی نقطۂ نظر سے اہم نہ ہو کیونکہ اصل شکریہ وہی ہے جو بجائے زبان سے ادا ہونے کے آنکھوں سے ٹپکے مگر چونکہ تمدنی حقوق اور اجتماعی رسوم کے لحاظ سے اس فرضِ منصبی سے سبکدوش ہونا بھی ضروری ہے اس لئے جذبۂ تشکر کی وہ لطافت آگیں شیرینیاں جنہیں میرا قلب محسوس کر رہا ہے اگر نطق و کلام کی انسانی قابلیت ان کی ترجمانی کرسکتی ہو تو میں منت پذیری کے جذبات اپنے احباب اور بزرگوں کی خدمت میں پیش کرتا ہوں. حقیقت یہ ہے کہ جس خلوص، جاں فشانی اور جوش کے ساتھ ارکانِ استقبالیہ نے اجلاس جمعیۃ العلماء کو کامیاب بناسکنے کی کوشش کی ہے اُس کے نقوش تاریخ امروہہ کے ہر ورق پر ہمیشہ ثبت رہیں گے۔

میں قانونِ اخلاق کا مجرم ہوں گا۔ اگر شکریہ کے عنوان میں مسٹر محمود احمد صاحب عباسی کا تذکرہ نہ کروں جو امروہہ کے قابل مگر متعصب مورخ ہیں کیونکہ انہوں نے باوجود اجلاس جمعیۃ کے اولین داعی ہونے کے از اول تا آخر شریک کار نہ ہونے ہی پر اکتفا فرمایا۔ ورنہ اگر وہ افتادِ طبیعت کے ہاتھوں بجائے خاموش رہنے کے مخالفت پر اُتر آتے تو ارکانِ استقبالیہ کو نہ معلوم کن مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

ماخذ: مولانا ابوالنظر رضوی امروہوی، خطبۂ استقبالیہ، اجلاس نہم، جمعیت العلماء ہند، منعقدہ ۳ رتا ۶ ر مئی ۱۹۳۰ء بمقام امروہہ، دہلی، ت ن، ۲۸ ص۔

خطبۂ صدارت از شاہ معین الدین احمد اجمیری۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلیٰ خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

شکریہ۔

میرے معزز بزرگو! اور محترم دوستو! میرا سب سے پہلا اخلاقی فرض یہ ہے کہ جس بڑے منصب (صدارت اجلاس) پر آپ حضرات نے مجھ جیسی حقیر ہستی کو فائز کیا ہے اس کا تہ دل سے شکریہ ادا کروں، ہر چند کہ جمعیۃ العلماء کے اس اجلاس کے متعلق ملک میں انتشار انگیز روایات پھیل رہی ہیں اور فقیر کے لئے گنجائش ہے کہ احتجاج کے طور پر پکار اٹھے۔ ؎

در مجلسے کہ یاران شرب مدام کردند چوں نوبتے بما شد آتش بجام کردند

تاہم یہ امر ضرور تعجب خیز ہے کہ وہ جماعت جس کی تفویض میں حقیقی طور پر دنیائے اسلام کی قیادت ہے اس نے ایک حقیر ترین فرد کا اپنے عظیم الشان اجلاس کی صدارت کے لئے کیونکر انتخاب کرلیا؟ شاید اسی تعجب کو دور کرنے کے لئے تقریباً چھ سو سال قبل عارف شیراز نے ارشاد فرمایا تھا کہ ؎

در مقامے کہ صدارت بفقیران بخشند چشم دارم کہ بجاہ از ہمہ افزوں باشی

غالباً عارف شیراز کے اسی اصول کے ماتحت فقیر کا انتخاب عمل میں آیا کہ سب سے کمتر کو اس مرتبہ صدر منتخب کرلیا گیا، ممکن ہے اس مصلحت کو پیش نظر رکھ کر یہ اصول اختیار کیا گیا ہو کہ خطبۂ صدارت کو عوام تک بخوبی سمجھ لیں،

اس مقصد کے حصول کے لئے بجز اس کے کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ ایک عامی کا انتخاب عمل میں آتے، کہ عوام اپنے ہی جیسے شخص کی باتیں خوب سمجھتے ہیں علمائے کرام اور روشن خیال حضرات کے پُر مغز اور دقیق مضامین اور اُن کے مخصوص مصطلحات بیچارے عوام کی رسائی ذہن سے بالاتر ہیں۔ اس مقصد کا لحاظ کرتے ہوئے صدارت کے لئے مجھ سے زیادہ کوئی موزوں نظر نہ آیا اور بحکم ع چشم دارم کہ بجاہ از ہمہ افزوں باشی، قرعۂ فال میرے ہی نام پڑا، اگر یہی مقصد ہے جیسا کہ میں نے عرض کیا تو جماعت علمائے کرام المضاعف شکریہ کی مستحق ہے کہ اس نے ایک عامی کو اس کا موقع عنایت فرمایا کہ وہ علمائے کرام کے خیالات اور زریں آراء کو اپنے عامیانہ الفاظ میں عوام مسلمین تک پہنچادے، تاکہ وہ یہ سمجھ لیں کہ اس نازک عہد میں اُن کے لئے کیا راہ عمل ہونا چاہیے وہ اس قدر گم کردہ راہ ہیں۔ کہ اُن کو یہ بھی معلوم نہیں کہ اُن کا سچا مشیر اور حقیقی قائد کون ہے، اُن کی بالکل یہ حالت ہے کہ ؎

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہ رو کے ساتھ پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

مسلمانوں کی موجودہ حالت کے متعلق آنحضرت صلعم کی پیشین گوئی۔

مسلمان جس نازک دَور سے گزر رہے ہیں، اس میں اگر انہوں نے حزم واحتیاط اور دُور اندیشی سے کام نہ لیا، اور بلا امتیاز ہر ایک راہبر کے پیچھے لگ گئے تو نہ صرف یہ کہ اُن کو شدید مشکلات کا سامنا ہوگا۔ بلکہ قوی اندیشہ ہے کہ اُن کی ہستی خطرہ میں پڑ جائے اور وہ صفحۂ دہر میں حرفِ غلط کی طرح محو ہو کر رہ جائیں، روحی فداہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشین گوئی موجودہ مسلمانوں کے حالات کے بالکل مطابق ہو گئی ہے۔

یوشك الامم ان تداعی علیکم کما تداعی الاکلة الی قصعتها فقال قائل ومن قلة نحن یومئذ۔ قال بل انتم یومئذ کثیر ولکنکم غثاء کغثاء السیل ولینزعن اللہ من صدور عدوکم المهابة منکم ولیقذفن فی قلوبکم الوهن۔ قیل یا رسول اللہ وما الوهن قال حب الدنیا وکراهیة الموت

(مشکوٰۃ)

(ترجمہ) عنقریب ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ (غیر مسلم قومیں) بطور دعوت کے لوگوں کو تم پر طلب کریں گی، جیسا کہ کھانے والے ایک دوسرے کو، کھانے کے پیالہ کی طرف مدعو کرتے ہیں، اس پر بعض نے عرض کیا کہ (شاید) اس وقت ہم (مسلمان) تعداد میں کم ہوں گے فرمایا (نہیں) بلکہ اس وقت تم تعداد میں زیادہ ہوگے، لیکن ایسے ہوگے جیسے سیلاب کا کوڑا کرکٹ، اور حق تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دل سے تمہاری ہیبت نکال دیگا، اور تمہارے دلوں میں سستی اور خواری ڈال دیگا، عرض کیا گیا کہ خواری اور سستی کیا؟ فرمایا کہ دنیا کی محبت اور موت سے نفرت واندیشہ (یعنی تمہاری حرص وبزدلی تم کو ذلیل وخوار بنا دے گی)۔

دیکھئے آجکل ٹھیک مسلمانوں کی وہی حالت ہے جیسا کہ مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ باوصف کثرتِ تعداد ان کی ہیبت و جبروت تو درکنار ان کا وزن ان کی وقعت تک غیر مسلموں کے نزدیک باقی نہ رہی، یہی وجہ ہے کہ غیر مسلم قومیں ان کی ملی عزت و مذہبی خودداری پر ایک عرصہ سے مسلسل سنگین ضربیں لگا رہی ہیں لیکن ان پر جمود اس درجہ طاری ہے کہ ان کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا۔ قوموں کے عروج و تنزل، بلکہ ان کے فنا و بقاء کا راز ان کے احساس اور جذبۂ غیرت میں پوشیدہ ہے، زندہ قوم وہی ہے جس میں احساس اور جذبۂ غیرت ہو، اس کا فقدان یا کمی ہے تو وہ قوم مردہ ہے یا اس درجہ پست ہے جس درجہ اس کا احساس اور جذبۂ غیرت پست ہو گیا ہے مردہ قوم اسی کی مستحق ہے کہ اس کو مردہ سمجھ کر اس کے ساتھ وہ کیا جائے جو ایک مردہ کے ساتھ کرنا چاہئے، قصور خود مردہ قوم کا ہے کہ وہ کیوں مردہ ہو گئی۔ ان زندہ قوموں کا کوئی قصور نہیں جو اس کو مردہ سمجھتی ہیں، اور اس وجہ سے اس کی عزتِ نفس اور خودداری پر حملہ کرنے سے باک نہیں کرتیں۔

مسلمانوں کی شکایت حکومت اور ہندوؤں سے فضول ہے۔

یہ شکایت فضول ہے کہ حکومت ہمارے آئینِ مذہب کا احترام نہیں کرتی اور آئے دن اس میں مداخلتِ بیجا کرتی رہتی ہے اور مسلمانوں کی حیات نظر انداز کر کے صریح نصوص کے خلاف قانون وضع کرتی ہے۔ کیونکہ حکومت ہو یا ہماری ہمسایہ قوم، دونوں مسلمانوں کو کوئی زندہ قوم تصور نہیں کرتے، اس لئے دونوں مجبور ہیں کہ مسلمانوں کو ہر ایک معاملہ میں نظر انداز کریں اور ان کی ہستی کو پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہ دیں۔ اگر دونوں کا یہ طرزِ عمل مسلمانوں کو برا معلوم ہوتا ہے، تو مصروفِ شکایات ہونے کے بجائے ان کو اپنی زندگی کا ثبوت پیش کرنا چاہئے۔ لیکن اس محال کے ممکن بنانے کی سعی بالکل ترک کر دیں کہ خود بدستور مردہ رہیں، اور دوسروں سے یہ توقع کریں کہ ان کے ساتھ زندوں کا سا برتاؤ کیا جائیگا، مسلمانوں نے پہلے اپنے کو مردہ بنایا ہے۔ اس کے بعد اگر دوسروں نے ان کو مردہ سمجھ لیا تو پھر یہ نعل در آتش کیوں ہوتے ہیں؟ اگر کسی کا ان کو مردہ سمجھ لینا بری شے ہے تو اس سے زیادہ برا ان کا مردہ بننا ہے، کسی کے مردہ سمجھنے سے اگر ان کو تکلیف ہوتی ہے، تو اس سے زیادہ تکلیف ان کو اپنی مردگی سے ہونا چاہئے، جب اپنی موت کا احساس مسلمانوں کو نہیں رہا اور اس وجہ سے وہ دوبارہ زندہ ہونا نہیں چاہتے تو ان کو چاہئے کہ اس احساس کا بھی خاتمہ کر دیں کہ دوسرے ان کو زندہ نہیں سمجھتے۔ ؎

ز بے تعلقیٔ خویشتن بایں شادم   کہ جاں سپردن اگر ہست دل طپیدن نیست

لا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ کی تفسیر

اس عہد کے مسلمانوں کی اصلی غلطی یہ ہے کہ وہ زندگی کو موت اور موت کو زندگی سمجھ گئے ہیں۔ ان کے نزدیک زندگی کا مفہوم صرف اصلاح مال اور اضافۂ جائیداد ہے۔ اور بس تن پروری کو بھی بعض اوقات وہ زندگی کے مفہوم میں داخل کر لیتے ہیں۔ اعلاء کلمۃ اللہ اور شفقۃ علی الخلق کی خاطر قربانی اور ایثار ان کے نزدیک موت ہے، آیۂ کریمہ (وَلا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ) کی تفسیر بھی وہ اپنے اسی زعم باطل کے موافق کر لیتے ہیں۔ لیکن حق تعالیٰ کا فیصلہ اس کے بالکل خلاف ہے، روایت ذیل سے اس فیصلہ کا بخوبی علم ہو سکتا ہے۔

ہلاکت سے کیا مراد ہے؟

عن اسلم ابی عمران قال کنا بمدینۃ الروم فاخرجوا الینا صفا عظیما من الروم فخرج الیہم من المسلمین مثلہم او اکثر وعلی اھل مصر عقبۃ بن عامر وعلی الجماعۃ فضالۃ بن عبید فحمل رجل من المسلمین علی صف الروم حتی دخل فیہم فصاح الناس وقالوا سبحان اللہ یلقی بیدیہ الی التہلکۃ فقام ابوایوب الانصاری فقال یا ایہا الناس انکم تتاولون ھذہ الآیۃ ھذا التاویل وانما نزلت ھذہ الآیۃ فینا معشر الانصار لما اعز اللہ الاسلام وکثر ناصروہ فقال بعضنا لبعض سرا دون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اموالنا قد ضاعت وان اللہ قد اعز الاسلام وکثر ناصروہ

(ترجمہ) اسلم ابوعمران سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم ملک روم کے ایک شہر میں (بطور قابض کے) تھے، رومیوں نے (ہمارے مقابلہ کے لئے) اپنی عظیم الشان صف لا کھڑی کی، اسی تعداد میں یا اس سے کچھ زائد مسلمان بھی (ان کے مقابلہ کے لئے) نکلے، شہر کے نگران وحاکم عقبۃ بن عامر تھے، اور فوج فضالۃ بن عبید کے کمان میں تھی کہ اتنے میں مسلمانوں میں سے ایک شخص نے رومیوں کی صف پر حملہ کیا، یہاں تک کہ ان کی فوج میں گھس گیا، اس پر لوگ چیخ اٹھے اور تعجب کے ساتھ کہنے لگے کہ اپنی جان کو اس نے ہلاکت میں ڈال دیا۔ (حالانکہ حق تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے) حضرت ابوایوب انصاری نے (جب یہ سنا) تو وہ کھڑے ہوئے اور فرمانے لگے کہ اے لوگو! تم اس آیۂ کریمہ (وَلا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ) کے یہ معنی سمجھے ہو؟ حالانکہ یہ آیت ہم انصاریوں کے حق میں نازل ہوئی ہے اس وقت جبکہ اسلام قوی ہو گیا تھا اور اس کے مددگار بہت ہو گئے تھے، ایسی حالت میں خفیہ طور پر ہمارے افراد میں سے ایک نے دوسرے سے یہ بات کہی تھی۔ کہ ہمارے مال اور جائیدادیں برباد ہو گئے ہیں حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اسلام کو قوی اور مضبوط کر دیا ہے اس کے مددگار زیادہ ہو گئے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ اب ہم اپنے مال وجائیداد کی درستی اور اصلاح میں لگ جائیں تاکہ تلافی مافات ہو سکے، اس پر ہمارے

فلوا تمنا فی اموالنا فاصلحنا ما ضاع منها فانزل
الله تعالیٰ علیٰ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم یرد علینا ما
قلنا وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی
التھلکۃ فکانت التھلکۃ الاقامۃ علی الاموال
واصلاحھا وترکنا الغزو فما زال ابوایوب شاخصاً
فی سبیل اللہ حتی دفن بارض الروم
(رواہ الترمذی فی کتاب التفسیر)

قول اور رائے کے خلاف حق تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی کہ انفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ یعنی راہ خدا میں صرف کرو اور اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ آیت کریمہ کا شان نزول بیان کرکے حضرت ابوایوب فرماتے ہیں کہ آیۃ کریمہ میں ہلاکت سے مراد ترک جہاد اور اپنے مال وجائیداد کی حفاظت اور اصلاح میں منہمک ہو جانا ہے۔
چنانچہ حضرت ابوایوب ہمیشہ راہ خدا میں نکلے رہے یہاں تک کہ ارض روم میں دفن ہوئے۔

اس فیصلۂ الٰہی سے معلوم ہو گیا کہ ہالک اور مردہ وہی ہے، جو مجاہدانہ زندگی سے کنارہ کش ہو گیا، اور یہ ظاہر ہے کہ مسلمانان ہند نے عرصۂ دراز سے اپنی مجاہدانہ زندگی کا کوئی ثبوت نہیں دیا، بلکہ اس کا خاتمہ کر دیا ہے، ایسی حالت میں حسب فیصلۂ الٰہی ان کے مردہ اور ہالک ہونے میں کیا شبہ رہا۔ اب اگر دوسری قومیں ان کو کم وزن اور بے وقعت سمجھتی ہیں، یا ان کے مشورے کے بغیر کوئی اہم کام شروع کر دیتی ہیں۔ یا ان کے مذہب میں مداخلت کرتی ہیں، تو اس پر تعجب کرنے کی کوئی وجہ نہیں، جو حالات بد سے بدتر ان کے حق میں آج رونما ہو رہے ہیں۔ ان کے جمود و غفلت کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ بہت پہلے رونما ہو جاتے جب سے کہ مسلمانوں کی بے حسی اور تعطل کا آغاز ہوا ہے۔ تعجب اس پر نہ ہونا چاہئے کہ یہ نازک عہد مسلمانوں پر کیوں آیا بلکہ اس پر ہونا چاہئے کہ اس قدر دیر اور تعویق کے ساتھ کیوں آیا۔

شاردا ایکٹ [SARDA ACT] کی بلا مسلمانوں کے جمود کا لازمی نتیجہ ہے۔

اصل یہ ہے کہ مسلمانوں کی کامل بے حسی اور جمود کا علم پہلے دوسروں کو اس قدر نہ تھا، جتنا کہ اب مختلف تجربوں کے بعد ان کو حاصل ہو گیا ہے۔ وقتاً فوقتاً جس قدر ان کو علم ہوتا گیا، اسی قدر وہ مسلمانوں کو کم وزن اور ہلکا سمجھنے لگے، اور ان کے ساتھ جو کچھ مراعات پہلے روا رکھی جاتی تھیں ان کا سد باب کرتے گئے۔ آزمائش کی صورت انہوں نے یہ قائم کی کہ پہلے مسلمانوں کا ایک خفیف مذہبی حق سلب کرکے، ان کے احساس اور غیرت ملی کا اندازہ کر لیا۔ کہ یہ بدستور خاموش اور ساکن ہیں۔ تو پھر دوسرے حق پر ہاتھ صاف کیا، اسی طرح تدریجاً مسلمانوں کے احساس اور غیرت کی آزمائش کرتے رہے۔
جب ابتدائی تمام مراحل آزمائش طے کر چکے تو آخری آزمائش شاردا ایکٹ [SARDA ACT] کی صورت میں نمودار ہو گئی۔ انہوں نے جو کچھ کیا، وہ اصول امتحان اور آزمائش کے ماتحت کیا، تعجب مسلمانوں سے ہے کہ وہ شاردا ایکٹ [SARDA ACT] کو ایک بلائے ناگہانی سمجھنے لگے، حالانکہ جب یہ بے حسی اور بے احساسی کے امتحان میں بدستور پاس

ہوتے چلے آئے تھے اور حکومت کے تمام احکام کے سامنے انہوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا تھا، تو اب وہ شاردا ایکٹ [SARDA ACT] کے نزول کو ایک بلائے ناگہانی کیوں سمجھتے ہیں؟ یہ مصیبت اور بلا جو ان پر نازل ہوئی ہے، یہ بالکل برمحل اور عین موقع پر نازل ہوئی ہے کہ جس ترتیب کے ساتھ اس کو نازل ہونا چاہیے، اس کی توضیح کے لئے اس کی ضرورت ہے۔ کہ تاریخ کے ان معاہدات پر ایک اجمالی نظر ڈالی جائے جو حکومت دہلی کے اقتدار کی نمائندگی کرنے والے مسلمان حکمرانوں کے ساتھ کئے گئے۔

انگریزی حکومت کی جانب سے شرعِ محمدی کی بتدریج تنسیخ اور تبدیلیاں:-

یہی معاہدات برطانوی ہندوستان کی بنیاد ہیں۔ بنگال، بہار، صوبہ شمال مغربی، کرناٹک کے مسلمان سلاطین نے (جو خود مختار ہو چکے تھے اور برائے نام شاہانِ مغلیہ کے نائب یا وائسرائے تھے) انگریزوں کو کچھ اختیارات تفویض کئے ۱۷۶۵ء کے فرمان شاہ عالم کی رو سے بنگال میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو (جو ۱۸۵۸ء تک حکمران رہی) صرف دیوانی اختیارات تفویض کئے گئے، اور فوجداری معاملات کا انصرام نواب ناظم کے ہاتھوں انجام پاتا رہا۔ اختیاراتِ دیوانی میں بھی کمپنی پوری آزاد نہ تھی، بلکہ اس کو شرعِ محمدی اور قوانینِ سلطنت کا لحاظ کرنا ضروری تھا، اگرچہ بعد میں اس معاہدہ کی دفعات میں سے یہ جملہ حذف کر دیا گیا، تاہم اس کا اثر ایک عرصہ تک قائم رہا۔

تبدیلی دوم:- ۱۷۷۲ء میں مقدمات دیوانی شرع کی قید سے آزاد ہو گئے، البتہ مذہبی رسوم میں شرع کا لحاظ کیا جاتا تھا، وارن ہیسٹنگز [WARREN HASTINGS] نے ریگولیشن نمبر ۲ ۱۷۷۲ء پاس کیا تھا۔ اس کی دفعہ ۲۷ کا خلاصہ حسب ذیل ہے:-

"تمام مقدمات میں جن کا تعلق میراث، جانشینی، نکاح اور دوسرے مذہبی رسوم سے ہو مسلمانوں کے لئے احکام قرآن، اور ہندوؤں کے لئے قوانین شاستر پر عمل درآمد کیا جاتے گا۔"

تبدیلی سوم:- ۱۷۹۰ء میں نواب ناظم سے فوجداری اختیارات لے لئے گئے، اور اب رفتہ رفتہ اسلامی قانون فوجداری میں انگریزی قوانین نے دخل دینا شروع کیا۔

تبدیلی چہارم:- ۱۸۶۲ء میں قانون تعزیرات ہند اور ضابطہ فوجداری کا نفاذ ہوا، اور ۱۸۷۲ء میں قانون شہادت جاری ہوا، جس سے شرعِ محمدی کے قوانین شہادت منسوخ ہو گئے، اسلامی شریعت کی رو سے مرتد وارث نہیں ہو سکتا ایکٹ ۱۸۵۰ء میں مرتد کی وراثت تسلیم کی گئی، اور یہ قرار دیا گیا کہ تبدیلِ مذہب سے حقوقِ وراثت پر کوئی اثر نہیں پڑتا اسی طرح بعض دوسرے خود ساختہ قوانین کی رو سے قانون شفعہ اور وقف وغیرہ میں تبدیلی عمل میں آئی اور بیع و شراء اور رہن وغیرہ دیوانی معاملات میں بھی شرعِ محمدی کی جگہ انگریزی قوانین نے لے لی، یہ تبدیلیاں نہایت اہم ہیں، لیکن بادیٔ

ان تبدیلیوں کے بعض معاملات میں اب تک وہی طرزِ عمل قائم رہا جو وارن ہسٹینگز [WARREN HASTINGS] کے ریگولیشن نمبر ۲ ۱۷۷۲ء میں مذکور ہے یعنی توریث، جانشینی، نکاح، وغیرہ مسلمانوں کے لئے شرع محمدی اور ہندوؤں کے لئے ہندو لا یعنی شاستر کے قوانین پر عملدرآمد ہوتا رہا۔ اور ان معاملات کو زمانہ غدر ۱۸۵۷ء تک مفتی اور ہندو پنڈت فیصل کرتے رہے۔

تبدیلی پنجم:۔ مذہبی رسوم کے متعلق وہی قانون مرتبۂ وارن ہسٹینگز [WARREN HASTINGS] نافذ رہا لیکن مسلمان مفتیوں اور ہندو پنڈتوں کی جگہ انگریزی ججوں نے لے لی، اور وہی مذہبی قوانین کے اجراء و نفاذ کے لئے کافی سمجھے گئے، نیز قوانینِ وراثت بھی بعض جگہ رسم و رواج کے تابع کردیئے گئے اور رسوم کو شریعت پر ترجیح دینے کی وجہ سے غیر اسلامی قوانین کا مسلمانوں کو پابند بنایا گیا اور اس وجہ سے اسلام کی ایک سب سے بڑی اصلاح یعنی عورتوں کے حقوقِ وراثت کو پامال کیا گیا۔

ان پانچ تبدیلیوں کے بعد ظاہر ہے کہ مذہبی رسوم اور دینی امور کا نمبر باقی رہ گیا تھا۔ جب مراحل بالا تبدریج طے ہوگئے، اور مسلمانوں نے ان پر لب کشائی نہ کی، بلکہ از خود اپنے مذہب کے خلاف احکام صادر کرائے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس کے بعد ایک ایکٹ ایسا نافذ ہو جس کی رو سے براہ راست مذہبی رسوم اور دینی امور میں مداخلت کا راستہ صاف ہوجائے۔ چنانچہ شاردا ایکٹ [SARDA ACT] ٹھیک اپنے وقت پر نافذ ہوا اور اسی ترتیب کے ساتھ جس ترتیب کے ساتھ اُس کو نافذ ہونا چاہیئے۔

شاردا ایکٹ [SARDA ACT] کے نفاذ سے منصبِ افتاء مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل رہا ہے

اب تک مسلمانوں کی جان و مال قانونِ الٰہی سے نکل کر قانونِ حکومت کے ماتحت ہوگئے تھے لیکن نکاح، میراث و دیگر مذہبی مراسم و دینی امور قانونِ حکومت کی زد سے محفوظ تھے، اب وقت آگیا ہے کہ شاردا ایکٹ [SARDA ACT] کے ذریعہ مذہبی رسوم اور دینی امور تک قانونِ حکومت کے ماتحت آجائیں۔ شاردا ایکٹ [SARDA ACT] گو بظاہر صرف نکاح صغر سنی پر حاوی ہے، لیکن اس کی تہ میں جو چیز کام کررہی ہے وہ تمام اسلامی احکام کا خاتمہ کرنے والی ہے وہ صرف ناموسِ شریعت ہی کو نہیں بلکہ اہل شریعت کا استیصال کرنے والی ہے۔ عرصہ دراز ہوا کہ مسلمانوں سے منصب قضاء سلب کرکے برطانوی ججوں کو دیدیا گیا تھا۔ صرف منصبِ افتاء مسلمانوں کے پاس باقی رہ گیا تھا، شاردا ایکٹ [SARDA ACT] کے ذریعہ منصبِ افتاء بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر اسمبلی کے قبضہ میں چلا جائے گا۔

فرمائیے! اس کے بعد جبکہ قاضی بھی حکومت ہوگئی، اور مفتی بھی، مسلمانوں کے ہاتھ پلّے کیا باقی رہا؟ افسوس زیادہ تر اس کا نہیں ہے کہ نکاح صغر سنی ناجائز ہوگیا، بلکہ ماتم اور مرثیہ اس کا ہے کہ رے دے کر صرف منصب افتا مسلمانوں

کے پاس محفوظ رہ گیا تھا، وہ بھی اُن کے قبضہ سے نکل گیا۔ یہاں درحقیقت بکری کا مرثیہ نہیں ہے، بلکہ اصلی ماتم اس کا ہے کہ ملک الموت نے گھر دیکھ لیا، شاردا ایکٹ [SARDA ACT] کی اصولی خرابی یہ ہے کہ خود اربابِ مذہب اپنے مذہب میں آزاد نہ رہے، اور مذہبی فتویٰ اس کے ہاتھ میں آگیا جو مذہب سے بالکل آزاد ہے، باقی رہیں اس ایکٹ کی جزوی و فروعی خرابیاں وہ حدِ حصر سے خارج ہیں، علمائے کرام نے عموماً اور جناب مولانا کفایت اللہ صاحب نے خصوصاً اس کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے ان کو تفصیل وار لکھنے کی ضرورت نہیں، البتہ اس ایکٹ کی بعض نمایاں خرابیاں نمبروار بطور اشارات تلمیذہ کی جاتی ہیں تاکہ اس بوالعجب ایکٹ کے تمام پہلو روشنی میں آجائیں۔

شاردا ایکٹ [SARDA ACT] کا نفاذ مذہبِ اسلام کی اکملیت پر حملہ ہے +

۱۔ مسلمانوں کے لئے یہ ناقابلِ برداشت ہے کہ اُن کے مذہبی اور شرعی احکام میں کسی قسم کی کوئی مداخلت کی جائے، وہ مجبور ہیں کہ اپنی زندگی کے جملہ شعبوں کا دستور العمل اس آیۂ کریمہ لن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلا کے ماتحت مرتب کریں۔ ان کا اعتقاد ہے کہ ان کا مذہب ہر حیثیت سے مکمل مذہب ہے، وہ جس طرح عبادات کے تمام اقسام و انواع کو حاوی ہے۔ اسی طرح معیشتِ دُنیا کا کوئی شعبہ اس کے احاطۂ احکام سے خارج نہیں۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا (قرآن کریم)
(ترجمہ) آج کے دن میں نے تمہارے دین کو مکمل کردیا اور اپنی (مخصوص) نعمت سے پورے طور پر تم کو سرفراز کیا، اور تمہارے لئے اسلام جیسا دین پسند کیا۔

یہی وجہ ہے کہ مسلمان اپنے جماعتی نظام اور اسلامی تمدن و معاشرت میں دوسروں کے مشورے یا اُن کی معاونت و اصلاح سے قطعاً بے نیاز ہیں، وہ دنیا کے تمام دوسرے قوانین و اصلاحات کو ناقص اور غیر مکمل خیال کرسکتے ہیں، لیکن قانونِ الٰہی کے ناقص یا غیر مکمل ہونے کا خطرہ اپنے دل میں نہیں لاسکتے۔

اپنے مذہب میں ترمیم یا اصلاحات وہ قوم قبول کرسکتی ہے جو اپنے مذہب کو ناقص یا غیر مکمل سمجھتی ہے لیکن مسلمان ایسا نہیں سمجھتے، مسلمانوں کے حق میں اس ایکٹ کے نفاذ کا صاف مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کا مذہب بھی مثل ہندوؤں کے قابلِ اصلاح اور لائقِ ترمیم ہے، اور ان کو بھی ہندوؤں کی طرح اپنے مذہب کو ناقص اور غیر مکمل سمجھنا چاہئے۔ یہ درحقیقت نہایت ناقابلِ برداشت حملہ ہے، جو مسلمانوں کو کمزور اور کم وزن سمجھ کر ان کی مذہبی خودداری پر کیا گیا ہے۔

شاردا ایکٹ [SARDA ACT] سے اگرچہ نکاح صغرسنی ممنوع ہو جاتا ہے لیکن زنا کا دروازہ کھل جاتا ہے اور زنا بالرضا قانونِ حکومت میں جائز ہے -

۲ :- بعض حلقوں میں شاردا ایکٹ [SARDA ACT] کی مقبولیت اس بناء پر ہے کہ اس کے ذریعہ نکاح صغرسنی کا سدِباب ہوگیا، اور چونکہ عام طبائع نکاح صغرسنی کو بے ضرورت سمجھتی ہیں اور اس کو پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھتیں۔ اس وجہ سے اس ایکٹ کو ایک کوتاہ بین جماعت کی حمایت حاصل ہوگئی ہے۔ اس جماعت میں ہمارے تعلیم یافتہ نوجوان خصوصیت کے ساتھ شامل ہوگئے ہیں لیکن وہ نہیں سمجھتے کہ یہ تصویر کا ایک رُخ ہے اس ایکٹ کی رُو سے جس طرح نکاح صغرسنی ممنوع ہوگیا ہے اُسی طرح نکاح کبرسنی بھی ناجائز قرار پاگیا ہے۔ ؎

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ میں — تڑپے ہے مرغِ قبلہ نما آشیانہ میں

یہ ظاہر ہے کہ سن بلوغ اسمبلی کے قبضہ میں نہیں ہے۔ کہ ٹھیک چودہ سال کی لڑکی اور اٹھارہ سال کے لڑکے کو بلوغ عطا کردے، اور اس سے کم عمر والے لڑکے اور لڑکی کو نابالغی کے درجہ میں رکھے جب یہ حالت ہے تو وہ لڑکے اور لڑکیاں جو اسمبلی کے مقررہ سن وسال کے پیشتر بالغ ہو جائیں۔ اُن کے لئے کیا حکم ہے؟ کیا ان بالغوں کو نابالغین کے ساتھ ملحق کر دیا جائیگا؟ کیا نابالغ کی طرح بالغ کا نکاح بھی بے ضرورت سمجھ کر اس کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائیگا؟ درآں حالیکہ اس قسم کے بالغین بھی دُنیا میں ہزاروں سے گزر کر لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ زمانہ انتظار کو کم سمجھ کر صبر کر لیا جاتا، لیکن مصیبت یہ ہے کہ ایسی مثالیں بھی بکثرت موجود ہیں کہ لڑکی ۹ برس میں بالغ ہوگئی اور لڑکا ۱۳ یا ۱۴ سال میں سن رشد و بلوغ کو پہنچ گیا، اس ایکٹ کی رُو سے ایسے لڑکے اور لڑکیوں کے لئے بالغ ہونے کے بعد ۴ یا ۵ سال تک تجرد کی زندگی گزارنا ناگزیر ہوگا، اس قدر طویل عرصہ میں بالغ لڑکے اور لڑکیوں کا مبتلائے زنا ہونا یا اُن کا امراض تجرد میں مبتلا ہونا کوئی بعید امر نہیں، لطف یہ ہے کہ اس ایکٹ کی رو سے مقررہ میعاد سے پیشتر نکاح تو ناجائز ہے، لیکن اس مقررہ میعاد کے پیشتر بالغ ہونے والے لڑکے اور لڑکیاں رضامندی کے ساتھ مبتلائے زنا ہو جائیں تو اس کا کوئی بند و بست نہیں۔

ممکن ہے یہ کہا جائے کہ تعزیرات ہند میں رضامندی کے لئے بارہ برس کے بجائے لڑکی کی عمر ۱۴ سال کر دی گئی ہے، اس لئے قانونِ فوجداری کے ماتحت ان لوگوں کو سزا دی جا سکتی ہے جو چودہ سال سے کم عمر والی لڑکی کے ساتھ مجامعت کریں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ فوجداری قانون کے ہوتے ہوئے نکاح جیسی ایک معاشرتی (سول) شئے کو کیوں جرم قرار دیا جائے، اگر قانونِ فوجداری اس وجہ سے ناکافی ہے کہ رضامندی سے مجامعت کے واقعات علانیہ

کے سامنے نہیں آسکتے، تو اب بھی شاردا ایکٹ [SARDA ACT] کے بعد رضامندی سے زنا کے واقعات عدالت کے روبرو کب آسکیں گے! معاملہ صاف ہے کہ شاردا ایکٹ [SARDA ACT] سے آپ نکاح پر قیود عائد کراتے لیکن فطرت جو آپ کے قوانین کی تمام پابندیوں سے بالاتر ہے، اس کا بندوبست آپ کے بس میں نہیں، اور آپ صراحۃً زناکاری کو عام کردینے کا دروازہ کھول رہے ہیں۔

شاردا ایکٹ [SARDA ACT] مسلمانوں کے حق میں مضر اور ہندوؤں کے حق میں مفید ہے۔

۳:۔ نکاح صغرسنی کو قبیح ترین اشیاء کی فہرست میں داخل کرنے والے حضرات سے استفسار ہے کہ محض نکاح میں آپ نے کیا ہرج محسوس کیا ہے جس کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ گواہوں کی موجودگی میں ادائیگی ایجاب وقبول کے وقت چند الفاظ بولے جاتے ہیں، جو چیز مضرت رساں ہے، وہ اور ہے، یعنی بحالتِ نابالغی مجامعت اور شوہر کی وفات پر نکاحِ ثانی کا عدم جواز، شریعت اسلامی دونوں امور کے خلاف فتویٰ دیتی ہے۔ وہ اس حالت میں مجامعت بلکہ لڑکی کی تفویض وسپردگی تک کو ناجائز قرار دیتی ہے اور نکاحِ ثانی کی شدت کے ساتھ حمایت کرتی ہے، ایسی حالت میں مضرت کا پہلو بالکل ساقط ہے اور بعض خصوصی حالات کی بنا پر اس نکاح سے جو فوائد حاصل ہوسکتے ہیں ان کا دروازہ بند نہیں البتہ بعض اقوامِ ہند کے رسوم وقانون چونکہ تفویض ومجامعت کے مانع نہیں اور نکاحِ ثانی کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ اس وجہ سے جو نکاح مسلمانوں کے حق میں مفید ہے وہ ان اقوام کے حق میں سخت مضرت رساں بلکہ عذابِ الٰہی ہے اسی وجہ سے مسٹر شاردا نے خاص ہندوؤں کے لئے اس ایکٹ کا مسودہ پیش کیا تھا لیکن حکومت کی پالیسی دوسری تھی، اس وجہ سے اس نے اس ایکٹ کو عام کرکے گو ہندوؤں پر کرم کیا، لیکن مسلمانوں کو بے ضرورت مبتلائے مصیبت کردیا۔

شاردا ایکٹ [SARDA ACT] جس جذبہ کے ماتحت پیش کیا گیا ہے وہ ناخوشگوار ہے۔

۴:۔ مسٹر ہربلاس شاردا نے دیانند کالج لاہور کے طلباء کے خیر مقدم کے ایڈریس کے جواب میں تقریر کرتے ہوئے اس ایکٹ کے پیش کرنے کا دلی مقصد خود ظاہر فرمادیا ہے کہ "انہوں نے سوامی دیانند کی تعلیم کے اتباع میں ایسا کیا ہے اور جب تک وہ زندہ رہیں گے سوامی جی کے اصول وتعلیم کی تائید اور پرچار میں ساعی رہیں گے۔" گویا شاردا صاحب نے یہ ایکٹ پیش کرکے اپنے سماجی دھرم کا ایک کام انجام دیا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ اسلام اور سماجی دھرم کے اصولوں میں نہایت سخت آویزش اور اختلاف ہے، اور مسلمان سماجی دھرم کے اصول پر نہیں چل سکتے، مثلاً اگر کل کے روز شاردا صاحب اپنی آبادی بڑھانے کے لئے شدھی کے

(جس کی رو سے خاوند والی عورت خاوند کی موجودگی میں بھی اولاد پیدا کرنے کے لیے غیر مردوں کے پاس جا سکتی ہے) اسمبلی سے پاس کرائیں تو کرا سکتے ہیں، اور دیانند سوامی کے مذہب کی اتباع اپنے ہم قوم افراد سے کرا سکتے ہیں، لیکن اسلام اس کا متحمل نہیں اور نہ مسلمان اس کو گوارا کر سکتے ہیں، لہٰذا وہ جذبہ جس کے زیر اثر یہ ایکٹ پیش کیا گیا ہے بذاتِ خود مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنے والا ہے۔ اس اختلاف تمدن و معاشرت کی بنا پر ہم مسٹر شاردا، ان کے ہم خیال افراد اور حکومت سے استدعا کرتے ہیں کہ ہمیں ان اصلاحات سے معاف کیا جائے اور ہمارے معاملات کو غیر اسلامی ذہنیت اور جذبات کی دستبرد سے محفوظ رکھا جائے۔

شاردا ایکٹ [SARDA ACT] آنحضرت صلعم کے نکاح کو حضرت عائشہؓ سے مستحق سزا و جرمانہ قرار دیتا ہے۔

۵:۔ وہ حضرات جن کو احکامِ شریعت سے محض ناآشنائی ہے وہ اس ایکٹ کو خلافِ شرع تسلیم نہیں کرتے، اور اس وجہ سے اس ایکٹ کے نفاذ کو مذہبی مداخلت تصور نہیں کرتے اِن حضرات کا یہ خیال کتنا ہی ناقابلِ التفات اور غلط سہی کہ شاردا ایکٹ [SARDA ACT] سن نکاح اور عمر ازدواج معین کرتا ہے اور شریعت نے اس کے متعلق کوئی تحدید نہیں کی ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح شریعت اسلامیہ کی رُو سے نہ صرف جائز، بلکہ اس کا عقیدہ فرض و واجب لیکن شاردا ایکٹ [SARDA ACT] کی رُو سے نہ صرف ناجائز بلکہ مستحق جرمانہ و سزا، باوصف اس کے ان حضرات کی خدمت میں باادب عرض کیا جاتا ہے کہ یہ تمام ہنگامہ آرائیاں اس پر نہیں ہیں کہ شاردا ایکٹ [SARDA ACT] کا مسئلہ موافق شرع ہے یا خلاف شرع، نزاع صرف حکومت سے ہے کہ وہ اس معاشرتی مسئلہ کو جو سیاست سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، اپنے ہاتھ میں کیوں لیتی ہے۔ معاشرتی اور فقہی مسائل میں دست اندازی حکومت کا کام نہیں ہے۔ آپ حضرات اگر اس کے حامی ہیں تو اس کی ترویج میں بجد خود سعی کیجیے، اپنی مخالف جماعت کو دلائل سے مطمئن کیجیے، لیکن برائے خدا حکومت کو اپنے معاشرتی اور مذہبی معاملات میں دست اندازی کا موقع نہ دیجیے۔ آج اگر آپ اس مسئلہ پر مطمئن ہیں تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ کل حکومت ایسے معاشرتی اور مذہبی مسئلہ کو اپنے ہاتھ میں لے، جس سے آپ حضرات بھی سراسیمہ ہو جائیں، اس وقت آپ کی صدائے احتجاج محض بیکار ہو گی، جبکہ حکومت کے ہاتھ میں نظیر آ گئی۔ نماز سے بڑھ کر موافق شرع اور متفق علیہ کون سا مسئلہ مسلمانوں کے نزدیک ہو سکتا ہے۔ لیکن اسمبلی کو یہ حق قطعاً حاصل نہیں ہے۔ کہ وہ بہ جبر مسلمانوں پر اس کا نفاذ کرائے، نماز جبکہ مسلمانوں پر فرض ہے، لیکن اس کا احتساب و اجراء خود مسلمانوں کے ذمہ ہے۔ وائسرائے یا اسمبلی کو قطعاً یہ حق نہیں کہ وہ اس میں دخل دے۔

نکاح ایک مخصوص مذہبی مسئلہ ہے صرف معاشرتی معاہدہ نہیں ہے -

۶ :- شاردا ایکٹ [SARDA ACT] کے ذریعہ جو نا واجب مداخلت کی گئی ہے یہ نہ صرف اسلامی نقطۂ نظر سے ناقابلِ برداشت ہے، بلکہ زمانۂ حال کے تمدن اور تہذیب کی رو سے بھی ناجائز ہے جناب مولانا محمد علی صاحب کی سرکردگی میں جو وفد وائسرائے ہندلارڈ ارون [LORD IRWIN] سے ملاقی ہوا ہے اس کو وائسرائے مسلمانوں کے تمدن و معاشرت اور قومی اخلاق کی حفاظت کا یقین دلایا تھا، اب سوال یہ ہے کہ تمدن، معاشرت اور قومی اخلاق سے کیا مراد ہے؟ یہی مجموعۂ قوانین جن کی پابندی کوئی قوم اپنے اجتماعی اور معاشرتی معاملات میں کیا کرتی ہے، کون نہیں جانتا کہ مسلمانوں کی جماعت کا نظام خواہ وہ عبادات سے تعلق رکھتا ہو یا جماعتی اور انفرادی معاملات سے اس کی تمام تر بنیاد، قرآن، حدیث، اجماع، اور قیاس پر ہے اور یہی مسلمانوں کا دین و مذہب ہے۔ اس روشن حقیقت کے باوجود یہ کہنا کہ نکاح مذہبی چیز نہیں ہے، محض تجاہل عارفانہ، مسلم کشی اور دل آزاری کا ایک نہایت مکروہ اور خلافِ تہذیب طریقہ ہے، شرع محمدی کی کوئی کتاب جو انگریزی یا کسی دوسری زبان میں ہو، اٹھا کر دیکھ لی لتے، صاف معلوم ہو جائے گا کہ نکاح بھی ایک مذہبی چیز ہے اور وہ مخصوص مسئلہ ہے جس کا اثر جماعت ہی تک محدود رہتا ہے اور حکومت کے فرائض میں دخل انداز نہیں ہوتا۔ اور اس وجہ سے اس بات کا مستحق ہے کہ حکومت اس کی حفاظت کرے، خود انگلستان میں یہودی اور کویکر جماعت کے لئے نکاح کا قانون ملک کے عام قانون کے خلاف ہے جس کا مطلب صاف یہ ہے کہ تمدنی معاملات میں تمام اقوام کے لئے جو کسی ملک میں بستی ہیں۔ یہ لازمی نہیں کہ ایک ہی عام قانون کی پابند بنائی جائیں، بلکہ مہذب قانون وہی ہے جس میں ہر قوم کا خواہ وہ کم تعداد ہو یا کثیر تعداد تمدن و معاشرت محفوظ رہے۔ جب خود انگلستان اس اصول پر کاربند ہے اور وہاں یہ اختلاف موجود ہے، تو اسی بنا پر شاردا ایکٹ [SARDA ACT] سے مسلمانوں کا استثنا کوئی ایسی کسرِ شان نہیں ہے کہ حکومت اس کو برداشت نہ کر سکے، اور نہ یہ عہدِ حاضر کی ضروریات اور رفتار و واقعات کے منافی ہے۔

اسلامی اصول بجائے خود مکمل ہیں، دوسری قومیں ان پر عمل کر رہی ہیں مسلمان اپنی جماعتی اصلاح کے لئے کسی ایکٹ کے محتاج نہیں -

۷ :- ہم کو جماعتی نظام قائم رکھنے کے لئے نہایت ضروری ہے کہ اپنے شرعی قوانین و احکام کا اجرا کرائیں، اور اس کی ضرورت و اہمیت تمام دنیا سے منوائیں۔ فقیر کو نہایت افسوس کے ساتھ اظہار واقعہ پر مجبور ہونا پڑتا ہے

کہ آج نہ صرف غیر اسلامی بیرونی ممالک میں اسلام کے خلاف تعصب موجود ہے، بلکہ خود ہندوستان میں اسلام کی مخالفت میں اخبارات کے ذریعہ ایسی فضاء پیدا کی جا رہی ہے، جس کا مقصد اسلام کی ہر چیز سے نفرت پیدا کرانا اور اسلامی خوبیوں کو بُرے رنگ میں ظاہر کرنا ہے شاردا ایکٹ [SARDA ACT] بھی ان اشیاء کی فہرست میں داخل ہے۔ جن سے مقصد یہی ہے۔ لطف یہ کہ خود اسلام سے اس طرح چوری کی جا رہی ہے کہ دُنیا کو خبر نہ ہو، ہمیں یہ تو خوشی ہے کہ اسلامی اصُول ہندوستان کی دیگر اقوام میں مقبول ہو رہے ہیں۔ لیکن افسوس صرف اس کا ہے کہ نعال اقوام باوصف نقالی کے اسلام کو بدنام کرنے میں منہمک ہیں آج (۱) شادی بیوگان (۲) ذات پات کے امتیازات کو محو کرنا (۳) عورت کے لئے حقوقِ وراثت حاصل کرنا۔ (۴) طلاق کا جواز پیدا کرنا اصلاحات کے نام سے موسوم کیا جا رہا ہے۔ اور نہایت سرگرمی کے ساتھ ان اصلاحات کے حاصل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، لیکن دُنیا پر روشن ہے کہ اسلام ساڑھے تیرہ سو برس پہلے ایسی ہی اور ان کے علاوہ اور بہت سی جماعتی اصلاحات نافذ کر چکا ہے، اور اسلامی جماعت کا نظام اس حقیقت کا شاہد ہے کہ مسلمانوں کا ان سب باتوں پر عمل ہے اور مسلمان ان اصلاحات کے لیے کسی ایکٹ یا قانونی امداد کے محتاج نہیں ہیں۔ ان اصلاحات کے لئے قوانین وضع کر کے اس کے نفاذ میں مسلمانوں کو شامل کرنا اسلام اور اسلامی جماعت کی سخت ترین توہین ہے اور متمدن دنیا میں مسلمانوں کو یہ دکھا کر خواہ مخواہ بدنام کرنا ہے۔ کہ ان میں یہ خرابیاں موجود ہیں، حالانکہ اسلام اور مسلمانوں کا دعویٰ یہ ہے کہ ان کا دین اس قسم کی برائیوں سے ساڑھے تیرہ صدی پیشتر نجات حاصل کر چکا ہے یہ دلیل پیش کرنا کہ مسلمانوں کے ہاں تو یہ باتیں پہلے ہی سے موجود ہیں ایسے قوانین سے ان کا کیا نقصان ہوتا ہے؟ محض طفل تسلی ہے! یہ چیزیں اور قوانین قطعاً اسلام اور جماعت مسلمین کی سخت توہین ہیں اور ہرگز مسلمان ان کو برداشت نہیں کر سکتے۔

شاردا ایکٹ [SARDA ACT] بھی اسی قبیل سے ہے۔ اسلامی زندگی اور اسلامی قوانین میں اس کی قطعاً ضرورت نہیں اور خواہ مخواہ یہ ناجائز جوا مسلمانوں کی گردن پر رکھا جاتا ہے۔

واضعانِ تعزیرات ہند (ایکٹ ۱۸۶۰ء) نے ہندوستان میں بیوگان کی کثرت کو بغیر خاوند والی بالغ عورتوں کے ساتھ زناکاری کے انسداد کے لئے کوئی قانون وضع نہ کرنے کا سبب بتلا کر ہندوستان کی کافی توہین کر لی ہے اور مسلمان جن کا دامن اس بے ہودگی سے پاک اور جن کا شرعی قانون بیوگان کی شادی کا حامی ہے وہ بھی ضمناً اس توہین میں شریک ہو چکے ہیں۔ اب شاردا ایکٹ کے ذریعہ "ہندِ نازیبا ایک اور تازیہ" کی تاب باقی نہیں ہے، قانونی ذریعہ سے جماعتی اصلاح اور وہ بھی غیر ملکی نظام حکومت کے ماتحت بعض ہندوستانی قوم پرستوں کے نزدیک گو مستحسن ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سے نامذہبی اور بے غیرتی کی دوسری مثال نہیں مل سکتی، جماعتی اصلاح کے لیے ایثار نفس، ترغیب اور امتثال امر کا طریقہ زیادہ موزوں ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ تعلیم اور روحانی

اثر سے (نہ کہ واضعان قوانین کے جبر سے) مسلمان ساڑھے تیرہ سو برس پیشتر ان تمام مزخرفات سے پاک ہو چکے ہیں، فللّٰہ الحمد والمنۃ۔

وائسرائے ہند کا قول پارلیمنٹ کے اصولِ قانون سے ٹکراتا ہے۔

مولانا محمد علی صاحب کو جواب دیتے ہوئے وائسرائے ہند لارڈ اروِن [LORD IRWIN] ارشاد فرماتے ہیں کہ "اسمبلی کو تمام اقوامِ ہند کے لئے وضع قوانین کے کامل اختیارات حاصل ہیں" وائسرائے کے اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اپنے یہاں کے قانون و آئین کی بھی اطلاع نہیں ہے۔ ان کے یہاں اب بھی ایسے قوانین موجود ہیں جن کی رو سے اجتماعی اور خاندانی معاملات و اختیارات اسمبلی کو وضع قوانین کے اختیارات نہیں ہیں شرعی حیثیت سے تو مسئلہ صاف ہے کہ غیر مسلم کو مسلم پر اجتماعی قانون رائج کرنے کا کوئی حق نہیں ہے (اس کو گزشتہ کئی نمبر میں تفصیل بیان کر دیا ہے۔) اب قانونی حیثیت سے بھی اس پر نظر ڈالیئے اس حیثیت سے بھی اسمبلی کے اختیارات وضع قوانین کے بارے میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی رو سے محدود ہیں۔

شاردا ایکٹ [SARDA ACT] پارلیمنٹ کے ایکٹ کی رُو سے بھی ناجائز و کالعدم ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی ایکٹ ۱۷۸۱ء کی دفعہ ۱۸ کی تصریح یہ ہے:۔

"اہلِ ملک (ہند) کے تمدنی شہری و معاشرتی اور مذہبی دستور کا واجبی احترام ملحوظ رکھتے ہوئے یہ قرار دیا جاتا ہے کہ خاندانوں یا خاندانوں کے دیبوں کے حقوق و اختیارات اِن کے خاندانوں کے اندر اسی طرح محفوظ کئے جائیں۔ جس طرح وہ بحیثیت ہندو یا مسلم ان حقوق و اختیارات سے کام لیتے ہیں، اور ان کا کوئی فعل جو وہ اپنے خاندان کے ممبران کے متعلق اپنی ذات کے قانون با قاعدہ کی بناء پر کریں جرم نہیں قرار دیا جا سکتا، اگرچہ وہ فعل انگلستان کے قانون کے بموجب حق بجانب نہ بھی ہو"

اسی طرح ایسٹ انڈیا ایکٹ ۱۷۹۷ء کی تصریح ملاحظہ ہو۔

"اہلِ ملک کے تمدنی، معاشرتی اور مذہبی دستور کا واجبی احترام ملحوظ رکھتے ہوئے یہ قرار دیا جاتا ہے کہ خاندانوں کے باپ اور دیبوں کے حقوق و اختیارات جو ان کو ہندو لا اور شرع محمدی کی رو سے حاصل ہیں وہ ان کے خاندانوں کے دائرہ کے اندر ان کے لئے محفوظ رکھے جائیں گے، اور ان عدالتوں کی کارروائیوں میں جن کا تعلق اس ایکٹ سے ہے نہ ان اختیارات

و حقوق کی خلاف ورزی کی جائیگی اور نہ ان میں مداخلت، اور نہ ذات کے قانون وقواعد کی بنا پر جو فعل خاندان کے ممبران کے متعلق کیا جائے گا، وہ جرم نہیں خیال کیا جائے گا۔ اگرچہ وہ ملک کے قوانین کی رُو سے حق بجانب نہ ہو"

پارلیمنٹ کے ان ہر دو قوانین کی مذکورۂ بالا دفعات کی رو سے یہ واضح ہو گیا کہ خاندانی دائرہ کے اندر باپ اور ولی کے وہی حقوق جو اس کو شرعاً حاصل ہیں محفوظ کئے گئے ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا اسمبلی کوئی ایسا قانون پاس کر سکتی ہے جو پارلیمنٹ کے ان ہر دو ایکٹ کی مذکورہ بالا واضح دفعات کے خلاف ہو۔ اس کے لئے ہمیں گورنمنٹ آف انڈیا کی دفعہ ۸۴ کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے اس دفعہ کا منشا یہ ہے کہ:-

"کوئی قانون ہندوستان میں کسی اختیارات کی بنا پر وضع کیا جائے، اور پارلیمنٹ کے اس ایکٹ یا کسی دوسرے ایکٹ کی کسی دفعہ کے خلاف ہو تو وہ اس خلاف کی حد تک کالعدم ہوگا ورنہ نہیں"۔

اسمبلی کو وضع قوانین کے اختیارات پارلیمنٹ نے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی رو سے تفویض کئے ہیں اور یہ حق نہیں دیا ہے کہ وہ کوئی ایسا قانون وضع کرے جو خود پارلیمنٹ کے نافذ و رائج قوانین کی دفعات کے خلاف ہو۔ شاردا ایکٹ [SARDA ACT] کی رُو سے وہ باپ اور ولی جو اپنے اُن اختیارات و حقوق کی بنا پر جو اس کو بموجب شرع اسلامی اپنی اولاد اور ممبران خاندان کے نکاح کے متعلق حاصل ہیں۔ ان اختیارات سے کام لینے کی صورت میں جرم کا مرتکب قرار پاتا ہے۔ لہٰذا شاردا ایکٹ پارلیمنٹ کے مذکورہ بالا دو ایکٹوں کی دفعات ۱۸ و ۱۲ کے خلاف ہونے کی وجہ سے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی دفعہ ۸۴ کی رو سے قطعاً کالعدم ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ یہ ایکٹ مروجہ قوانین و آئین کی رو سے بھی کالعدم اور محض مردہ نقش ہے، اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ اسمبلی کو پارلیمنٹ کے ایکٹ کو فسخ یا اس کی خلاف ورزی کا حق نہیں ہے، پارلیمنٹ کے ان دونوں ایکٹ کی مذکورہ بالا دفعات ۱۸ و ۱۲ کے متعلق گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی دفعہ ۱۲۰ کو جدول ۴ کے ساتھ پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ یہ دفعات منسوخ نہیں کی گئی ہیں۔ بلکہ اب تک بدستور نافذ و رائج ہیں۔

الغرض شاردا ایکٹ [SARDA ACT] کے نفاذ نے تو بالکل حقیقت کو طشت از بام کر دیا، کہ یہ غیر ملکی حکومت ہماری تمام مذہبی، معاشرتی خصوصیات کو فنا کرنے کا تہیہ کر چکی ہے اور اس کی تائید حال میں اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے۔ کہ ریاست حیدرآباد میں سر ولیم مارٹن [SIR WILLIAM MARTIN] سابق رزیڈنٹ کی قائم کردہ کونسل جدید نے جس عہدہ کو غیر ضروری سمجھا، وہ وہی عہدہ تھا جو ایک اسلامی ریاست کی خصوصیت کا برقرار رکھنے والا تھا، اور جس عہدہ کی وجہ سے شاہانِ دکن کا امتیاز و تفوق عہد حاضر میں تمام اسلامی ریاستوں پر تھا۔

یعنی عہدہ شیخ الاسلامی و صدر الصدوری، چنانچہ یہ ہمیشہ کے لئے تخفیف میں آگیا۔ یہ ظاہر ہے کہ محکمہ جات متعلق رفاہِ عام و مالگذاری و کرور گیری اور تعلیمی محکمے اور ان کے سوا دوسرے صدہا بیشمار شعبے خواہ کتنے ہی مفید اور ضروری ہوں، لیکن حقیقی طور پر اسلامی خصوصیت نمایاں کرنے والا نہ ان میں سے کوئی محکمہ ہے، اور نہ کوئی شعبہ۔ جس عہدہ سے اسلامی خصوصیت نمایاں ہوتی تھی، وہی ایک انگریز کی نظر میں خار کی طرح کھٹکا اور بالآخر اسی کا خاتمہ ہو کر رہا۔ اس قسم کے صدہا واقعات ہیں جن سے برائی العین مشاہدہ ہو رہا ہے کہ اس کی ہر ایک ادا مذہبی خصوصیات کی قاتل اور اس کی ہر حرکت مذہبی ڈھانچے کے حق میں ایک سنگین ضرب ہے۔

ایسی حالت میں مسلمانوں کے حق میں جو حکم الٰہی عائد ہوتا ہے وہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں سنئے۔

من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان (رواہ مسلم)

ترجمہ: جو کوئی تم میں سے کسی منکر (امر بدی) کو دیکھے تو اس کو چاہیے کہ اپنے ہاتھ (کی قوت) سے اسکی تبدیلی (اور مدافعت) کرے۔ اسکی اگر استطاعت نہیں ہے تو زبان (کے ذریعہ) سے (اسکی تبدیلی) اگر استطاعت نہیں ہے تو (کم از کم) دل سے (اس کو برا سمجھے) اور یہ (پچھلا درجہ) ایمان کا ضعیف ترین (اور آخری درجہ ہے) یعنی اس کے بعد ایمان کا خاتمہ ہے۔

یہ نہ صرف مشورہ ہے، بلکہ ہدایت ہے، معمولی خیر خواہ کی جانب سے نہیں، بلکہ رحمۃ للعالمین کی بارگاہ سے یہ فرمان صادر ہوا ہے۔ حالات مشاہدہ فرمائیے اور ان تین درجوں میں سے اپنے حق میں جو چاہے درجہ اختیار کیجئے۔ جمود و تعطل انسان کو ایمان کی آخری حد پر لے آتا ہے۔ بلکہ درحقیقت ایمان کی آخری حد کا دوسرا نام جمود و تعطل ہے۔ ممکن ہے عہد حاضر کے مسلمان مصلحت شناسی کی بنا پر جمود و قعود کو ترجیح دیں، لیکن اُن کے مالک و خالق اللہ جل جلالہٗ نے ہر حالت میں مجاہدانہ زندگی کو (خواہ وہ زمانہ کے لحاظ سے کسی شکل میں ہو) جمود اور قعود پر ترجیح دی ہے۔ سنئے اس کا ارشاد۔

لا یستوی القاعدون من المؤمنین غیر اولی الضرر والمجاہدون فی سبیل اللہ باموالہم وانفسہم فضل اللہ المجاہدین باموالہم وانفسہم علی القاعدین درجۃ (قرآن کریم)

ترجمہ:- (یا تقدیر پر ہاتھ دھر کے) بیٹھنے والے مسلمان جن کو کوئی عذر (ضعیف البصری وغیرہ) نہیں اور وہ مسلمان جو اللہ کی راہ میں اپنے جان و مال سے لڑنے والے ہیں دونوں برابر نہیں (بلکہ) اللہ (تعالیٰ) نے ان مسلمانوں کا (جو اپنی جان و مال سے لڑنے والے ہیں) ان پر درجہ بڑھا دیا ہے جو بیٹھ رہنے والے ہیں۔

ارحم الراحمین خدائے برتر اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پیغمبر سے بڑھ کر مسلمانوں کا کون خیر خواہ اور مصلحت شناس ہو سکتا ہے، ان کے فیصلوں کے سامنے مسلمانوں کو سر جھکانا، اور ان کے مطابق عمل

پیرا ہونا ان کی حیات ہے، ان کی آزادی ہے، ان کی ترقی ہے، ان کے اسلامی شعائر کا دوام ہے، ان کی مذہبی خصوصیات کی بقا ہے، اس سے روگردانی کرنا، اور اپنی مصلحت شناسیوں کو اور وہمی خیالی انجام بینیوں کو ان فیصلوں پر ترجیح دینا اور درحقیقت ان کی موت و ہلاکت ہے، ان کے تنزل اور غلامی کا سبب ہے، ان کے شعائر اسلامیہ کا تدریجی زوال ہے لہٰذا معاملہ صاف ہے، مسلمانوں کے لئے مناسب بلکہ ضروری حرکت و نہضت ہے نہ کہ تعطل، وجود ان کی ایمانی غیرت اور مذہبی خودداری اور حمیت کا یہ تقاضا ہونا چاہئیے کہ وہ تحریک آزادی میں سب کے پیش پیش اور اس کے اولین علمبردار ہوں

حالاتِ حاضرہ پر ایک سرسری نظر
اور
مسلمانوں کے لئے لائحہ عمل

حضرات مذہبی اسباب و وجوہ کی روشنی میں یہ امر واضح ہو چکا کہ مسلمانوں کے لئے حرکت و نہضت اور آزادی ایک نہایت اہم اور ضروری فریضہ ہے، حصولِ آزادی کی راہ میں تمام قوموں سے انہیں پیش پیش ہونا چاہئیے۔

خالص مذہبی وجوہ کے علاوہ ملکی اور وطنی حیثیت سے بھی مسلمانوں کا سب سے اوّل یہ فریضہ ہے کہ ہندوستان کو برطانوی اقتدار سے آزاد کرایا جائے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ آج سے تقریباً دس سال پیشتر جمعیت علماء ہند نے ہندوستان کی مکمل آزادی کو اپنے مقاصد میں داخل کیا اور دیگر اسلامی جمعیتوں کے علاوہ انڈین نیشنل کانگریس نے بھی آزادی کامل کو اپنا نصب العین قرار دیا اور یہ ایک حقیقت مسلّمہ ہے کہ اگر جمعیت علماء ہند اور عامہ مسلمین تحریکِ خلافت کے سلسلہ میں اگر کانگریس میں مجموعی حیثیت سے شریک نہ ہوتے تو کانگریس اس قدر جلد اس مرتبہ پر نہیں پہنچتی جہاں آج وہ نظر آ رہی ہے، مسلمانوں کے حب الوطنی اور شوقِ آزادی کا یہ ایک کرشمہ ہے کہ آج پھر کانگریس نے ایک نئی کروٹ لی ہے۔

نہرو رپورٹ اور مسلمانانِ ہند:۔ علمائے کرام اور اعیانِ ملت! اس وقت میں گزشتہ ناگوار واقعات کا ذکر کر کے آپ حضرات کا وقتِ عزیز ضائع کرنا نہیں چاہتا مگر اختصار کے ساتھ اس قدر عرض کرنے کی اجازت دیجئے کہ ۱۹۲۳ء کے بعد سے ہندو مہاسبھائی ذہنیت نے ملک کی آزادی کی راہ میں جس قدر روڑے اٹکائے ہیں حد درجہ تکلیف دہ ہے۔ اور اس سلسلہ میں ہندو مہاسبھا کے رہنماؤں کا طرزِ عمل خواہ کسی قدر افسوسناک ہو چنداں قابلِ شکایت نہیں لیکن افسوس اس امر کا ہے کہ کانگریس کے ذمہ دار ہندو برادرانِ وطن جن کو قوم پروری کا زیادہ ادعا ہے وہ بھی مہاسبھائی ذہنیت کے شکار ہونے سے محفوظ نہ رہے۔

یہی وجہ ہے کہ نہرو کمیٹی جو ہندوستان کی قومی حکومت کا خاکہ تیار کرنے بیٹھی تھی جمہوریہ ہند کے لئے ایک

ایسی رپورٹ تیار کی جس میں ہندو سبھائی اسکیم غالب ہے، اور مسلمانوں کو حیثیت قوم دستوری حکومت سے نکال باہر کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ اس لئے تقریباً تمام مسلمانوں نے اس سے بیزاری کا اظہار کیا۔

تھوڑے مسلمان بلا شبہ اس کے مؤید تھے، مگر وہ بھی چند ترمیموں کو ضروری سمجھتے رہے، لیکن تمام اسلامی جمعیتیں بغیر تحفظات اس رپورٹ کے خاکہ کو ایک لمحہ کے لئے قبول کرنے کو تیار نہیں تھے۔

اس سلسلہ میں جمعیت علماء ہند کی کارگزاری تمام اسلامی جمعیتوں سے سب سے زیادہ اہم ہے۔ کہ انہوں نے اس رپورٹ پر ایک مکمل تنقیدی رپورٹ تیار کر کے ملک میں شائع کر دی اور نہرو رپورٹ میں جس قدر خامیاں تھیں اور مسلمانوں کے جن تحفظات کو نظر انداز کر دیا گیا تھا، سب اس میں درج کر دی گئیں۔ تاکہ آل پارٹیز کنونشن اس پر غور کرے اور نہرو رپورٹ میں مناسب ترمیمات کر کے ان لوگوں کی طرف سے برطانیہ کے سامنے رکھ دے جو اس وقت تک برطانیہ کے زیر سایہ آزادی کے خواہش مند ہیں۔ اس قسم کی مکمل تنقید نہرو رپورٹ کے متعلق کسی اسلامی جمعیت کی طرف سے شائع نہیں ہوئی۔

اس تنقید کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے آئندہ جمہوریہ حکومت میں مسلمانوں کے واجبی قومی حقوق کے اصول کی وضاحت کے ساتھ خالص مذہبی امور کے تحفظ کے لئے دستور حکومت میں چند اہم دفعات کے اضافہ کا مطالبہ کیا ہے جس سے عموماً سیاسی زعماء غفلت برتتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ کنونشن نے ان تمام اسلامی مطالبات پر غور کر کے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ اور قبل اس کے کہ نہرو رپورٹ میں مناسب ترمیمات کر کے مسلمانوں کی شکایات کو دور کیا جائے انڈین نیشنل کانگریس نے سب سے بڑی غلطی یہ کی کہ اس نے نہرو رپورٹ کو ایک سال کے لئے قبول کر لیا۔

اگرچہ کانگریس کے پہلے اجلاس میں اس کی شدید مخالفت کی گئی۔ اور جوانانِ ہند اس رپورٹ کو تو صرف اس بنا پر کانگریس کے پلیٹ فارم سے رد کرنا چاہتے تھے، کہ یہ رپورٹ مکمل آزادی کے نصب العین سے کانگریس کو پیچھے کی طرف دھکیل رہی ہے۔ اگر گاندھی جی کی شخصیت نہ ہوتی یا کانگریس کے اجلاس میں ۱۹۲۰ء کی طرح مسلمانانِ ہند شریک ہوتے تو یقیناً یہ رپورٹ کلکتہ کے اجلاس ہی میں مردود ہو جاتی ہے۔

بہرحال گاندھی جی نے اس رپورٹ کو کانگریس کے پلیٹ فارم سے ۱۹۲۸ء میں منظور کرا کے سخت غلطی کا ارتکاب کیا۔ ایک طرف مسلمانوں کو بجا طور پر کانگریس سے ان رہنماؤں سے نفرت پیدا ہو گئی، دوسری طرف کانگریس کو آگے بڑھانے کے بجائے انہوں نے پیچھے ہٹا دیا اور پورا ایک سال اس منحوس رپورٹ کی وجہ سے ضائع کیا گیا۔

کانگریس اور مسلمان:۔ الغرض ہندو رہنماؤں کی کانگریس کی ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے کانگریس کو ایک شدید نقصان پہنچا اور اس نے عامہ مسلمین کی ہمدردی ضائع کر دی۔ یہ ظاہر ہے کہ اس سے ظاہر ہو گیا کہ کانگریس رہنما بھی ہندو مہا سبھا سے مرعوب ہو گئے اور اب ان میں اتنی جرأت نہیں رہی کہ ہندو مہا سبھا کے خلاف کوئی قدم آگے بڑھا سکیں۔ لیکن اب جبکہ ۳۱ دسمبر ۱۹۲۹ء کو کانگریس نے نہرو رپورٹ کو تقویم پارینہ قرار دے دیا ہے اور اب اس کے بجائے

غرض کانگریس نے مکمل آزادی کی تجویز منظور کر لی ہے اور اس وقت ملک کے سامنے کوئی دستور بنانے کا سوال وہ نہیں اٹھاتی ہے تو ان حالات میں مسلمانانِ ہند کے لئے یہ معاملہ نہایت غور و فکر کا محتاج ہے کہ وہ کیا طرزِ عمل اختیار کریں۔

یہ امر بالکل صاف ہے کہ آج ہندو رہنماؤں میں انصاف اور رواداری کے وہ جذبات موجود نہیں ہیں جو سلطنتِ مغلیہ میں وہ ظاہر کرتے رہے تھے اور گزشتہ چند سالوں میں اُنہوں نے اپنے طرزِ عمل سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ بھی مسلمانوں کے لئے ایک فریق کی حیثیت رکھتے ہیں اور وہ یہ نہیں چاہتے کہ مسلمان اپنی قومی اور مذہبی روایات کے مطابق ہندوستان میں ایک نمایاں حیثیت سے باعزت زندگی بسر کریں۔

مگر اس حقیقت کے اعتراف کے باوجود غور طلب یہ ہے کہ ہمارا سب سے بڑا دشمن برطانیہ ہے جو ہندوستان پر جابرانہ قبضہ کر کے ہندوستان کی قوت سے تمام ممالکِ اسلامیہ کے لئے تباہی کا باعث بنا ہوا ہے اور خود ہندوستان میں ہماری تباہی و بربادی کا سبب اسی کا اقتدار ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جب تک اس کا اقتدار ہندوستان میں موجود ہے ہم کو ہر طرح پامال کیا جائے گا۔ انہیں وجوہ سے مسلمانانِ ہند ہندوستان کی آزادی کے بابت صرف ایک ہی نصب العین رکھتے ہیں کہ جس طرح ہو ہندوستان کو برطانیہ سے مکمل طور پر آزاد کرا لیا جائے۔

ان امور کو پیشِ نظر رکھ کر مسلمانوں کے لئے یہی راہِ عمل ہو سکتی ہے کہ وہ بھی آزادی کے لئے متفقہ طور پر میدانِ عمل میں اُتر آئیں کیونکہ مکمل آزادی نصب العین ہے اور اس مقصد کے لئے جب اور جس وقت فضا اور موسم مناسب پیدا ہو۔ فوراً عملی کارروائی شروع کر دینی چاہیے۔

جس طرح کانگریس یا ہندوؤں کو سمجھتے ہیں ان کے لئے بھی یہی راہِ عمل ہے کہ ان کو دشمن سمجھتے ہوئے برطانوی اقتدار پر ضربِ کاری لگانے کے لئے آمادہ ہو جائیں کیونکہ برطانیہ کی یہ خصوصیت ہے کہ جو قوم اس پر جس قدر ضربِ کاری لگاتی ہے اسی کے آگے وہ جھکتی ہے۔

اس لئے اگر اس وقت مسلمانانِ ہند ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہے اور اپنی وفاداری کے صلہ میں مراعات پانے کے امیدوار رہے تو انہیں یقین کرنا چاہیے کہ وہ سخت دھوکہ میں رہیں گے کیونکہ جو قوم جنگ کرتی ہے اسی کو راضی کرنے کی کوشش کی جاتی ہے

پس اس وقت جبکہ ہندو قوم برطانوی اقتدار کے خاتمہ یا اس کو کمزور کرنے کے لئے آمادۂ جنگ ہے تو مسلمانوں کی امنگ کا تقاضا یہ ہونا چاہیے کہ اپنے مقاصد کی تکمیل میں اس وقت کو غنیمت سمجھ کر وہ بھی اپنے بڑے دشمن کے مقابلہ میں میدانِ کارزار میں آتر آئیں تاکہ مکمل آزادی سے پہلے اگر برطانیہ صلح پر آمادہ ہو۔ تو وہ اس وقت کس مپرسی کی حالت میں نہ رہیں۔ اور مالِ غنیمت میں ان کی جاں نثاری کے مطابق ان کو حصہ ملے۔ اور کسی کو یہ کہنے کی جرأت نہ ہو کہ وہ دوسروں کی قربانی کے صلہ میں بے حمیتی سے شریک و سہیم ہونا چاہتے ہیں۔ پھر اس دور کے بعد اگر خدانخواستہ ہندو قوم مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہوں، یا حقوق کی جنگ چھڑے اور برطانیہ سے جنگ ختم ہو جائے تو مسلمان اس وقت اس قوم سے جنگ کرنے میں بھی حق بجانب ہوں گے۔

الغرض آزادی اور حفاظتِ حقوق دونوں کے لئے مسلمانوں کو جنگ کرنی چاہیے اور اس جہاد میں ہی حیات و

زندگی مضمر ہے۔ اس لئے اس سے کسی وقت گھبرانا نہیں چاہیئے۔

بہرحال اس وقت جب آزادی کی جنگ درپیش ہے۔ تو مسلمانوں کا اس میں پیچھے رہنا سخت نقصان دہ ہوگا، جو لوگ ہندؤوں سے بیزاری کی وجہ سے کانگریس میں شریک ہو کر آزادی کی جد و جہد میں حصہ لینا گوارا نہیں کر سکتے۔ ان کے لئے بھی تعطل کسی طرح مناسب نہیں ہے انہیں چاہیئے کہ اگر جمعیت علمائے ہند برطانیہ کے خلاف جنگ کا جو پروگرام تیار کرے اس پر عمل کریں اور جمعیت علمائے ہند کے جھنڈے کے نیچے جہاد میں شریک ہو جائیں اور ہمیں توقع ہے کہ جمعیت علمائے ہند کے معزز ارکان غور و خوض کے بعد اس کی بابت فیصلہ کریں گے کیونکہ شاردا ایکٹ [SARDA ACT] کے سلسلہ میں وہ حکومت سے جنگ کا اعلان کر چکے ہیں اور مکمل آزادی ان کا غیر متبدل نصب العین پہلے سے موجود ہے۔ اس لئے اس وقت جمعیت علمائے ہند کو جدید اعلان جنگ کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ جنگ کے مقاصد میں صرف توسیع کی حاجت ہے کہ مذہبی مداخلت کے تدارک کے علاوہ نفس آزادی کو بھی مقصد جنگ قرار دیا جائے۔

باقی رہا جنگ کا لائحہ عمل کیا ہونا چاہیئے، یہ ایک ایسا سوال ہے جس پر حضرات علمائے کرام غور کر کے کوئی مؤثر لائحہ تیار کر سکتے ہیں، میں صرف اس قدر عرض کر سکتا ہوں کہ مقاومت مجہول اور غیر متشدد سول نافرمانی ضعفاء اور کمزوروں کا ایک قدیم حربہ ہے جس سے بڑے بڑے سرکشوں کو زیر کیا گیا ہے اور اسلامی تاریخ کے صفحات پر اس قسم کے حربہ کے اہم واقعات آج تک درخشاں ہیں اور یقیناً آج ہندوستان میں اسی اصول سے جنگ کی جا سکتی ہے۔ اب ان کی تفصیل میں قانون نمک کی خلاف ورزی ہو یا کسی اور قوانین کی جو مناسب ہو وہ اختیار کیا جائے مگر اس سلسلہ میں ملک کے مفاد کو پیش نظر رکھ کر ایک اہم چیز کی طرف میں اشارہ کرنا چاہتا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ آج یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ ہندوستان نہایت غریب ملک ہے ہمارے مزدور و زراعت پیشہ طبقات جو ہندوستان کی آبادی کا ۸۰ فیصدی عنصر ہیں تباہ و مفلوک الحال ہیں۔ ہندوستان کی حقیقی ترقی ان طبقات کی اقتصادی اصلاح پر منحصر ہے اور ایک چرخہ و نمک جو کچھ تحریکات ملک میں داخل کیا گیا ہے بعض پروگرام کے نام اور ان کی فلاح کے لئے بتلایا گیا ہے۔ چرخہ کا کافی تجربہ ملک کو ہو چکا ہے اور اعداد و شاہد ہیں کہ اس نے ملک کا افلاس دور کرنے میں کوئی قابل ذکر حصہ نہیں لیا ہے۔ نمک کا اثر ابھی دیکھنا باقی ہے میں سمجھتا ہوں کہ ملک کے قابل ہمدردی طبقات کا دکھ درد جاننے والے حضرات اس خیال میں میری تائید کریں گے۔ کسان لوگوں کے حقیقی افلاس کا سبب نمک کا محصول اور مانچسٹر کا کپڑا اس درجہ نہیں ہے، جتنا کہ وہ سود ہے جو قرضہ پر ان سے وصول کیا جاتا ہے۔ اور جس کی بدولت مزدور اور کسان کی گاڑھی کمائی اور محنت کا پیدا کیا ہوا روپیہ اور اناج مہاجن کے خزانہ اور کھاتہ میں جمع ہو جاتا ہے اور اس کے کچھ کام نہیں آتا۔ مزدور اور کسان باوجود محنت و جانفشانی کے بھوکے اور ننگے ہی نظر آتے ہیں۔ وہی سرمایہ داری جو تمام دنیا کی اقتدار پسند جابر اور طالب حکومتوں پر مسلط ہے اور محنت و مزدوری کی قدر گھٹا کر محنت کرنے والوں کو کچل رہی ہے اور جس کے خلاف نہ صرف ہندوستان بلکہ خود انگلستان و دیگر ممالک یورپ میں آوازیں

بلند ہو رہی ہیں۔

آج ہمارے ملک کے افلاس اور تباہی کا حقیقی سبب ہے:-

آج محنت کش اقوام کی مظلومیت کی ہمدردی اور سرمایہ داری کے ظلم و تعدی کے خلاف ہندوستان کو تمام دنیا کی اخلاقی ہمدردی حاصل ہو سکتی ہے۔ اور میرے خیال میں اگر مسلمان اور دیگر قومیں اپنا تمام زور و قوت ان قوانین کو منسوخ کرانے میں صرف کریں۔ جن کی رو سے سود کی ڈگریاں دی جاتی ہیں۔ اور غریب مزدور کسانوں کی تنخواہیں قرق اور جائیدادیں نیلام کرائی جاتی ہیں۔ تو یہ نہ صرف ہندوستان بلکہ انسانیت کی آزادی کی سب سے بڑی خدمت ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ میں اس حقیقت سے بھی چشم پوشی نہیں کرنا چاہتا کہ کسان اور مزدوروں کی ضروریات بغیر قرض کے پوری نہیں ہو سکتیں اور سود کا سدباب قرضہ لینے میں مشکلات حائل کر سکتا ہے کم سود سے بنک جن کو کو اپریٹو سوسائٹیوں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان کے کارناموں کی رپورٹیں خواہ کتنے ہی غور و احتیاط کے ساتھ شائع کی جائیں غریب کسان اور مزدوروں کی جائدادوں کو نیلام سے محفوظ رکھنے سے قاصر رہیں۔ اور محنت کش کو اس کی محنت کے پھل سے محروم کرنے میں معاون ثابت ہوئی ہیں۔ لہٰذا میرے نزدیک ان کا بھی استیصال کیا جائے اور غریب مزدور کسانوں کی امداد کے لئے امراء کے طبقہ پر ایک ٹیکس عائد کیا جائے جو سالانہ ان سے وصول کیا جائے اور اخراجات نکالنے کے بعد جو کچھ بچے اس سے بلا سود غرباء کو روپیہ قرض حسنہ کے طور پر دیا جائے اور ملک کے محتاج، ضعیف، بیوگان لنگڑے لولے، اندھے اپاہج یتیم لاوارثوں کی نگہداشت یا ملک میں انسداد گداگری پر صرف کیا جائے۔ اگر آپ حضرات میری اس تحریک کو قبول فرمائیں اور اس کی تفصیلات سنجیدگی کے ساتھ مسلمانوں کے تمام فرقے اور اگر ضرورت ہو تو ملک کی دوسری جماعتوں کے نمائندہ حضرات کے ساتھ جو اس کو تسلیم کر لیں مشورہ کر کے طے فرمانے میں ساعی ہوں تو میرے خیال میں ہم سب ایک نہایت شاندار راہ عمل پر گامزن ہوں گے، اور ملک کی فلاحیت میں بہت جلد ترقی ہو گی وانتم الاعلون ان کنتم مومنین۔

وما توفیقی الا باللہ العزیز الحکیم

جمعیۃ العلماء اور اس کی قیادت

یہ ظاہر ہے کہ ہر ایک ادنیٰ تحریک کے لئے بھی جبکہ قائد اور رہنما کی ضرورت ہو تو آزادی جیسی عظیم الشان تحریک کے لئے اس ضرورت کو شدید تر ہونا چاہیئے۔ اس وجہ سے سوال قائد کی ضرورت کا نہیں ہے بلکہ قائد کی نوعیت کا ہے۔ جمعیۃ العلماء کی تاسیس اور سیاسی امور میں اس کی قیادت کے حالات کو ملاحظہ کرتے ہوئے بعض مسلم اخبارات نے اس کی ضرورت کو اب محسوس کیا ہے لیکن شریعت اسلامیہ نے تیرہ سو سال قبل اس کی اہمیت اور ضرورت کو یہاں تک تسلیم کیا ہے کہ بحالت سفر تین اشخاص بھی بغیر قائد اور امیر نہ رہیں۔ یعنی ان تین اشخاص میں سے ایک کو اپنا امیر ضرور منتخب کر لیا جائے۔ اس حدیث

بھی قیادت یا امارت کی ضرورت عام طور پر محسوس کی جا رہی ہے۔ نیرنگیٔ زمانہ سے جہاں یہ صورت نمودار ہو گئی ہے کہ مسلم پر غیر مسلم کی حکومت ہے اور الٰہی قوانین کی بجائے انسان کے خود ساختہ قواعد جاری اور نافذ ہیں۔ وہاں یہ بوالعجب اور مسموم فضا پیدا کی جا رہی ہے۔ کہ "مذہب کی باگ نا آشنایانِ مذہب کے ہاتھ دینا چاہیئے۔ یا دوسرے الفاظ میں، "مذہبی قائد وہ ہونا چاہیئے جو مذہب سے غیر جانبدار واقع ہو" لفظ مسلم اگر کوئی قومی عنوان ہوتا تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں تھا کہ قوم مسلمان اور اس کی نسل کا قائد یا لیڈر نا آشنائے مذہب قرار دے لیا جائے جیسا کہ عام طور پر قومی اور وطنی تحریکات کے لیڈر اور علم بردار مذہب سے بالکل بے تعلق اور نا آشنا یا کم از کم غیر جانبدار ہوتے ہیں۔ ان کی اعلیٰ منقبت فخر کے طور پر یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ نہایت روشن خیال یا وسیع الخیال ہیں۔ اور ان کا دامن مذہبی تعصب کی آلائشوں سے بالکل پاک ہے یعنی ان کی نظر میں تمام مذاہب کی حیثیت ایک ہے اور ان کا خصوصی میلان کسی خاص مذہب کی طرف نہیں ہے ان کی حقیقت میں نگاہ تمام مختلف مذاہب کو ایک دیکھتی ہے یا کسی کو بھی قابلِ اعتنا نہیں سمجھتی اسی وجہ سے ان کا زاویہ نگاہ مذہب کے بارے میں بعید وسیع ہوتا ہے لیکن یہی وسیع یا وسیع تر نگاہیں ان کے پیشِ نظر مقاصد کے معاملہ میں بغایت تنگ ہو جاتی ہیں۔ اور ان کے متعلق ان میں اسی شدت کے ساتھ تعصب ہوتا ہے جو مذہب کے بارے میں ایک مذہبی شخص کو ہو سکتا ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں بجز اس کے کہ ایک کو قوم یا وطن کے معاملہ میں تعصب ہے تو دوسرا خدائے قہار کے بارے میں متعصب ہے۔ اگر ایک مذہبی شخص قوانینِ الٰہیہ کی ہر ایک دفعہ پر سختی کے ساتھ پابند ہے اور اس سے ایک انچ بلکہ ایک سر مو انحراف کو کفر یا مرادف کفر سمجھتا ہے تو اس کے بالمقابل ایک قومی انسان اپنے خود ساختہ اختراعی قوانین کا اتنا ہی احترام کرتا ہے اور اس کے نافذ کرانے میں اپنے تمام قوائے علمیہ اور عملیہ کو صرف کر دینے سے باک نہیں کرتا، پہلے کی طرح یہ بھی اپنے خود ساختہ قانون کی خلاف ورزی کو جرم اور شدید ترین معصیت سمجھتا ہے۔ البتہ خلاف ورزی کرنے والوں کو بجائے کافر و فاسق تاریک الخیال اور وحشی کا لقب دیتا ہے۔ یہ صرف لفظی اختلاف ہے جس کا اثر معنوی اتحاد پر نہیں پڑ سکتا۔ لطف یہ کہ باوصف اس اشتراک و اتحاد کے یہ حضرات اپنے کو روشن خیال سمجھتے ہوئے پیروانِ مذاہب کو متعصب، جاہل اور تاریک الخیال باور کر لیتے ہیں اور ان کو اس کا بالکل احساس نہیں ہوتا کہ بعینہ یہی حالت ان کی ہے، صرف مقاصد کا فرق ہے، ہر ایک اپنے پیشِ نظر مقصد میں نہایت سخت اور پورا متعصب ہے اور دوسرے غیر متعلق مقاصد میں دونوں مجتہد اور نہایت روشن خیال ہیں لیکن یہ اپنی اپنی قسمت ہے کہ ایک کے حصہ میں جمود اور تاریک خیالی آئی اور دوسرے کے حصہ میں وسعت نظری اور روشن خیالی "تلک اذاً قسمۃ ضیزیٰ"۔ اصل یہ ہے کہ وسیع النظری اور تنگ خیالی تعلق اور بے تعلقی کی دو خوبصورت تعبیریں ہیں۔ یعنی جس چیز سے انسان بے تعلق ہوتا ہے عموماً اس کے بارے میں وہ وسیع الخیال اور غیر جانبدار ہوتا ہے بعض اوقات وہ اس قدر ترقی کر جاتا ہے کہ اس کی یہ غیر جانبداری اور بے نیازی اس شے کی خصوصیات اور متعلقات تک محدود نہیں رہتی بلکہ خود اس شے کے وجود تک سرایت کر جاتی ہے، برخلاف

اس کے جس رشتے سے انسان کو تعلق ہوتا ہے اس کے ہر ایک پہلو سے وہ بحث کرتا ہے اور اس کی ادنیٰ خصوصیت تک کو وہ ضائع اور برباد ہونا گوارا نہیں کرتا۔ یہی وہ زبردست خلیج ہے جو مذہبی گروہ اور روشن خیال طبقہ کے درمیان حائل ہے۔ ان دونوں میں صلح اسی وقت ممکن ہے جب دونوں کا زاویہ نگاہ مذہب کے معاملہ میں ایک ہو جائے لیکن مشکل یہ درپیش ہو گئی کہ قبل صلح یا اتحاد خیال مسئلہ قیادت درمیان میں آ گیا اس کا فیصلہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ نہایت کشادہ پیشانی اور فراخ حوصلگی کے ساتھ پہلے "اسلام" یا "مسلم" کے متعلق تنقیح قائم کرنا چاہیئے کہ یہ ہے کیا چیز؟ اگر اس کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ وہ ایک قوم یا مخصوص النسل کا نام یا عنوان ہے تو جیسا کہ عرض کیا گیا ہے ہر ایک نا آشنائے مذہب کے ہاتھ میں اسلام یا مسلم کی باگ دی جا سکتی ہے بشرطیکہ وہ اس قوم کا جو مسلمان کہلاتی ہے بحیثیت قوم ہونے کے خیرخواہ اور مخلص ہو لیکن اگر اسلام کا تعلق عقائد و اعمال سے ہے اور ان کے فقدان سے اسلام پر اثر پڑ سکتا ہے تو ایسی حالت میں مسلمانوں کا قائد وہی ہونا چاہیئے جس میں یہ مذہبی روح موجود ہو اور جو کہ غیر ضروری وسیع الخیالیوں کی آمیزش و اختلاط سے کمزور اور فنا نہ ہو گئی ہو ورنہ اس کی قیادت میں جو ترقی ہو گی وہ درحقیقت اسلام یا مسلمانوں کی ترقی نہ ہو گی۔ بلکہ اس کا تعلق قوم یا ملک سے ہو گا جس کی پرستش اس عہد میں اعلیٰ درجہ کی روشن خیالی سمجھی جا رہی ہے۔ ایسی ترقی بعض اوقات اسلام اور مسلمانوں کے حق میں سخت مضر بلکہ عذاب الٰہی کی صورت میں نمودار ہو جاتی ہے"! اس ترقی کی فضا میں فروعی اعمال اور جزئی عقائد بجائے خود رہے اسلام کے اصول اور ضروری شعائر تک کے متعلق غیر ضروری ہونے کا فتویٰ قابو یافتہ جماعت کی جانب سے صادر ہونے میں تامل نہیں ہوتا اور اس طرح بتدریج تمام اسلامی بندشوں کے توڑ دینے کا سلسلہ قائم کر دیا جاتا ہے، اس وقت اس سے بحث نہیں کہ صحیح مسلک کیا ہے اور غلط راہ کیا چیز ہے؟ سوال صرف یہ ہے کہ دنیائے اسلام میں ایسی جماعت موجود بھی ہے یا نہیں جس کے پیش نظر صرف مذہب اور اس کے خصوصیات ہوں اور اس کو مذہب سے اس قدر تعلق اور شغف ہو کہ وہ مذہب کے ادنیٰ شعائر اور خصوصیت کو کسی قیمت پر فروخت کرنا نہ چاہتی ہو۔ اگر ایسی جماعت موجود ہے اور یقیناً موجود ہے تو وہ قطعی طور پر اپنا قائد تلاش کرے گی جس میں مذہبی روح موجود ہو۔ مذہب سے واقف ہو ہر ایک تحریک کو مذہب کے ماتحت چلانے کی اس میں قابلیت ہو۔ اسی مقصد کو مدنظر رکھ کر جمعیۃ العلماء کی تاسیس عمل میں آئی تھی، کہ وہ تحریک کو مذہب کے ماتحت چلائے چنانچہ اس نے اپنے اس فرض کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا۔ ترک موالات کے عہد سے لے کر اب تک جس قدر اس کے کارنامے اور خدمات ظہور پذیر ہوئے ہیں ان کا اعتراف تقریباً تمام اسلامی حلقوں نے کیا۔ سب سے بڑھ کر یہ بات ہوئی کہ جو جماعت سیاسیات میں حصہ نہ لینے کی وجہ سے ناقابل اعتبار قرار پا چکی تھی اور اپنی عزلت اور گمنامی کی بدولت مستحق خطاب تک نہ تھی اب اس کا دائرہ اثر نہ صرف اسلامی حلقوں میں وسیع ہو گیا تھا بلکہ اس کی آواز کا انتظار غیر مسلم اقوام بھی کرنے لگی تھیں، نہایت

عرصہ میں اُسکی یہ ہمہ گیر مقبولیت اور کارنامے ظاہر ہونے کے بعد اس امر کی کامل توقع تھی کہ قومی حضرات یا روشن خیال طبقہ اپنے اس مشہور اعتراض کو واپس لے لے گا جو علماء پر من حیث الجماعۃ کیا جاتا تھا "کہ یہ سیاسیات میں حصّہ نہیں لیتے اور مذہب کو محض نماز روزہ میں محدود سمجھتے ہیں ان کے اس خوفناک طرزِ عمل سے مذہب کا دائرہ تنگ ہوتا جاتا ہے حالانکہ مذہب زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے جس میں سیاسیات بھی داخل ہیں" یہ اور اس قسم کے صدہا، اعتراضات کی بوچھاڑ اس غریب جماعت پر تحریر و تقریر کے ذریعہ کئے جاتے تھے اور عام طور پر ان کو کاہل، مقلد جامد تنگ خیال جیسے باعزت القاب سے یاد کیا جاتا تھا۔ سب سے زیادہ طرفہ یہ امر تھا کہ "مصلحانہ خیر خواہی اور کامل ہمدردی ظاہر کرتے ہوئے ان کو حجروں سے نکلنے کی تاکید کیا تھا قیادت مسلمین کا معزز عہدہ ان کے سامنے پیش کیا جاتا تھا اور نہایت دل آویزی اور دلکشی کے لہجہ میں یہ الفاظ ادا کئے جاتے تھے کہ "آپ حضرات کو اپنے فرض کا بالکل احساس نہیں ہے قوم تباہ ہو رہی ہے اور آپ حضرات اس کی تباہ حالت کی جانب بالکل متوجہ نہیں ہوتے"۔ لیکن یہ کس قدر مقام تعجب ہے کہ جب علماء نے بطور خود اپنے فرض منصبی کا احساس کرکے یا اُن حضرات کی خیر خواہانہ تلقین سے متاثر ہو کر سیاسیات میں دخل دینا شروع کیا تو اعتراض واپس لینے کی بجائے دخل در معقول کا جدید الزام علماء پر قائم کرنے لگے کہ سیاست سے علماء کو کیا علاقہ اور مذہب کو سیاست سے کیا تعلق۔ اخبارات میں انکی قیادت کے متعلق مستقل مقالات شائع ہونے لگے۔ اور بالآخر روزنامہ "ہمدم" نے اپنے ایک مقالہ افتتاحیہ میں حکیمانہ انداز کے طور پر نہایت صفائی کے ساتھ یہ فیصلہ سنا دیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "علماء میں قائد ہونے کی صلاحیت نہیں۔ ان کو چاہیئے کہ وہ سیاسی امور میں دخل نہ دیں۔ یہ کام دوسرے حضرات کا ہے کیونکہ مذہب اور سیاست میں فرق ہے علماء مذہب جانتے ہیں سیاست سے واقف نہیں" اس فیصلہ کے بعد علماء کی مشکلات ملاحظہ فرمایئے کہ اگر وہ اس ارشاد پر عمل پیرا ہو کر بدستور سابق حجرہ نشین ہو جائیں تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ پہلا الزام عود نہ کر آئے کسی کروٹ آرام و چین نہ ہونا اسی کو کہتے ہیں کہ ہر ایک صورت میں علماء مورد الزام۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اعتراض درحقیقت جماعت علماء کے افعال و کردار پر نہیں ہے بلکہ اس کی اصلی زد اس جماعت کے وجود پر ہے کہ اس روشن عہد میں یہ موجود کیوں ہے۔ ع وجودک ذنب لایقاس بہ ذنب دانشمندی کے ساتھ ان کے وجود کو جرم قرار دینا اسی صورت سے ممکن ہے کہ علماء کی زندگی کے ہر ایک پہلو کو مورد الزام بنا دیا جائے۔ ان کی یکسوئی اور علیحدگی کی حالت میں مذہب کو سیاست پر حاوی تسلیم کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ تاکہ یہ اعتراض قائم ہو سکے کہ یہ جماعت اپنے فرائض سے غافل ہے۔ سیاسی امور میں دخل دینے کی صورت میں یہ ضرورت پیش آتی ہے کہ مذہب اور سیاست دو جداگانہ چیزیں بن جائیں۔ تاکہ علماء پر نااہلیت اور دخل در معقول کا الزام قائم ہو سکے گویا سیاست ایک آلہ دار خنجر ہے جو اس جماعت کے ذبح کے لئے ایجاد ہوا ہے کبھی مذہب کے غلاف میں رکھ کر اس سے کام لیا جاتا ہے کبھی اس سے برآمد کرکے نتیجہ کے لحاظ سے دونوں صورتوں میں ایک ہی بس جبکہ ایک طبقہ یا قوم کا اصلی جرم یہ ہو کہ وہ دنیا میں موجود کیوں ہے ایسی قوم

کی قیادت یا سیادت دنیا میں کیونکر تسلیم کیجا سکتی ہے۔ اصل حقیقت تو یہ ہے۔ باقی رہا سیاست کا کبھی جزو مذہب ہونا اور کبھی اس سے خارج ہوجانا اس اصلی مقصد حاصل کرنے کا ایک خوبصورت حیلہ ہے ورنہ مذہب اسلام وہ مکمل مذہب ہے جو زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے نہ تنہا سیاست بلکہ عقائد وعبادات تزکیۂ نفس، اخلاق معاملات اقتصادیات اپنوں کے ساتھ رحم ورافت غیروں کے ساتھ حسن سلوک و روا داری اقرباء کے ساتھ صلۂ رحمی و اعدائے دین کے ساتھ حالات کے ماتحت صلح وجہاد خراج سب کچھ مذہب کے وسیع دامن میں آگیا ہے۔ اس میں نہ صرف کتاب الایمان، کتاب الصلوٰۃ پر انحصار ہے بلکہ کتاب البیع، کتاب الوکالت، کتاب الدعویٰ وغیرہ بھی اس میں موجود ہیں جن کے لحاظ سے زندگی کا کوئی شعبہ خارج نہیں ہے۔ اس کے مقابلہ میں جدید نظام اور کتب قانون نہایت غیر مکمل اور ناقص ہیں لیکن کوئی شے خواہ وہ کتنی ہی ناقص کیوں نہ ہو اگر حکومت اس کی پشت پر ہے تو وہ ضرور مقبول اور رائج ہوگی اس کے مقابلہ میں اگر دوسری شے اپنے اندر بے شمار خوبیاں رکھتی ہے۔ تو وہ سکۂ غیر رائج کی طرح محض بیکار ہے اگر حکومت کی امداد اس کو حاصل نہیں ہے۔ علماء کی سیاست یا سیاست دانی میں اگر کوئی نقص ہے تو وہ صرف یہی ہے کہ حکومت غیر ہونے کی وجہ سے کوئی کام ان کے ہاتھ میں نہ رہا حکومت نے نہ خود کسی کام پر ان کو لگایا نہ ایسا موقعہ دیا کہ وہ بطور خود کچھ کام کرسکتے۔ اس طرح ان کو مجبور و بے دست و پا کرکے جب امور سیاسی سے بیگانہ بلد کردیا تو وہ لوگ جو حکومت کے کل اور پرزے بلکہ صحیح معنوں میں حکومت کے مظاہر قدرت ہیں۔ علماء پر زبان طعن دراز کرنے لگے کہ یہ گروہ سیاست سے ناآشنا ہیں بلکہ مذہب خود سیاست سے بیگانہ ہے۔ حکومت کا جو مقصد تھا اس کو حکومت کے ان مظاہر قدرت نے خوب پورا کیا۔ اس پر طرفہ یہ کہ مشائخ اور علماء کی ایک سادہ لوح جماعت نے اس پروپیگنڈے سے مرعوب اور متاثر ہوکر قولاً وعملاً اس کی تائید بھی کردی کہ مذہب کو سیاست سے کوئی علاقہ نہیں گویا انھوں نے اپنے قول اور طرز عمل سے مذہب کو غیر مکمل تسلیم کرانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور اپنے جمود وتعطل کو بہترین تقدس تصور کرنے لگے، اس میں انھوں نے اس قدر غلو کیا کہ بلا استثنا ہر ایک تحریک ان کے نزدیک ناجائز اور منافی تقدس مخالف شان علم وزہد قرار پاگئی اور بجز خلوت نشینی اور چند عبادات و اوراد و وظائف کے باقی تمام امور دائرہ مذہب سے نکل گئے اور اس طرح وہ مذہب" جو نہایت مکمل اور زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی تھا اور جو قوائے عملیہ کو ہیجان میں لانے والا تھا" محدود ہوتے ہوتے اور گھٹتے گھٹتے مثل ایک نقطہ کے رہ گیا اور اس کی تمام تشریحات اور دفعات جو جہاد وسیر صلح جنگ امارت قضا تربیت تیامیٰ امداد بیوگان و دیگر معاملات پر مشتمل تھیں، وہ وظائف و اوراد کی شکل میں تبدیل ہوگئیں۔ جن کی تکرار اور بار بار کی تلاوت سے ایصال ثواب کا کام لیا جانے لگا اور اس طرح قوائے عملیہ پر دائمی موت طاری کردی گئی۔ اس سے حکومت کا مقصد خود انہیں کے ہاتھوں پورا ہوگیا۔ اور وہ اپنے اصلی حریف کو شکست دینے بلکہ اس کو موت کے گھاٹ اتار دینے میں کامیاب ہوگئی۔ ایسی حالت میں جماعت علمائے کرام

دوسروں کی نظر سے کیا خود اپنوں کی نظر سے گر گئی۔ اور وہ ان کو بیکاروں کی فہرست میں داخل کرکے ان پر زبان طعن دراز کرنے لگے، نظام دنیا سے دست بردار ہونے کے بعد نظام دین بھی ان کے قبضہ میں نہ رہا۔ بیکاری اور بیچارگی کی انتہا تھی، جو ان کے حریف کی اعلیٰ حکمت عملیوں کی بدولت ان کو نصیب ہوگئی لطف یہ کہ ان کو اس کی خبر تک نہیں ہوئی کہ جس تیر سے کہ یہ مجروح ہوئے ہیں۔ اس کی کمان کس کے ہاتھ میں ہے بلکہ اپنے مجروح اور مردہ ہونے کا بھی ان کو علم نہ ہوا۔ ادبار کی حد ہوگئی کہ جس ہتھیار سے ان کو شہید کیا گیا تھا (کہ مذہب وسیاست دو علیحدہ چیزیں ہیں)۔ اسی ہتھیار کو یہ خود اپنے اوپر استعمال کرنے لگے اور یہ نہ سمجھے کہ انھیں کی جماعت میں قاضی ابن شرمہ، قاضی یحییٰ اندلسی، قاضی شریح، قاضی ابن ابی لیلیٰ، قاضی یحییٰ ابن اکثم تھے، جن کے ہاتھ میں مذہب کے ساتھ سیاست کی باگ بھی تھی، انھیں کے زمرہ میں امام ابو یوسف امام محمد تھے، جن کے اختیارات اس عہد کے شیشن جج سے بدرجہا زائد وسیع تھے، انھیں میں مولانا ضیاءالدین سٹامی گزرے ہیں جو تقریباً کل سرزمین ہند کے مرکز احتساب تھے آج جو حکومت کی حکمت عملیوں سے متاثر ہوکر صوفیائے کرام کا ایک طبقہ ترک دنیا کا حیلہ کرکے آسائش وآرام کے ساتھ خلوت نشین ہوگیا ہے۔ اور ہر ایک تحریک کو مذہب وتقدس کے خلاف سمجھکر اپنے دائرہ مصالح واحتیاط سے یک سرمو قدم باہر نکالنا نہیں چاہتا وہ یقیناً ان اکابر ملت (حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی، حضرت خواجہ معین الدین چشتی، حضرت نظام الاولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ) سے تقدس وتقویٰ وخشیت میں بڑھکر نہیں ہے۔ لیکن ان بزرگان ملت نے جہاد فی سبیل اللہ کا جو نمونہ پیش کیا وہ تمام دنیا پر روشن ہے۔ انہوں نے مصالح کا خیال نہ کرتے ہوئے ہمت سے کام لے کر تمام ارباب سیاست کی مصلحتوں کو پامال کردیا۔ اور اس وجہ سے دنیا میں ایک انقلاب عظیم برپا ہوگیا۔ اگر یہ انقلابی تحریکات آج کی طرح مذہب سے نکل کر سیاست کا جز تسلیم کی جاتیں تو ان اکابر ملت کی تاریخ زندگی ان عظیم الشان کارناموں سے خالی نظر آتی۔ آج جو علماء ومشائخ پر حالت مرگ طاری ہے اس کا اصلی راز یہی عقیدہ ہے کہ "مذہب کو سیاست سے کوئی تعلق نہیں"، اس خطرناک عقیدہ کی تلقین ھیئتِ حکومت اور اس کے مظاہر قدرت مسلمانوں کی جانب سے ہوتی رہتی ہیں۔ اس میں سب سے بڑی مصلحت یہی ہے کہ وہ طبقہ جو اس منتر سے شہید کیا گیا ہے۔ کہیں زندہ نہ ہوجائے حکومت اسی طبقہ کو اپنا اصلی حریف سمجھتی ہے کیونکہ یہی طبقہ اس کی تہذیب وآئین میں اس کو سد راہ معلوم ہوتا ہے، پس قدرتی طور پر اس کی نظر عنایت اسی پر مبذول بھی ہونا چاہیے کہ اس کے خیال میں اپنا اقبال اس طبقہ کے ادبار کے ساتھ وابستہ ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر ایک طرف حکومت کا آفتاب اقبال تمام ارتقائی منازل طے کرکے نصف النہار تک پہنچ چکا ہے۔ تو دوسری طرف تنزل کے تمام مدارج طے ہوچکے ہیں۔ حد ہوگئی کہ آج مسلمانوں کا ایک گروہ معاملات مذہب میں بھی حکومت کو دخیل بنا رہا ہے اور اپنی بہبودی اس میں سمجھتا ہے کہ مذہب کی باگ بھی حکومت کے دست قدرت میں دیدی جائے۔ یہی گروہ علمائے کرام سے اس قدر مستغنی اور بے نیاز ہے کہ وہ خالص مذہبی معاملات میں بھی علمائے کرام کی ضرورت محسوس نہیں کرتا گویا ان کے خیال میں حکومت مسلمانوں کے سر

ایک کام اور ان کے ہر مقصد کی تحصیل کے لئے گرباد ھرتا قرار پا گئی ہے اور علمائے کرام کی طرف ان کو مذہبی معاملات میں بھی احتیاج نہ رہی، یہ اقبال و ادبار کی انتہا ہے جس کا ہولناک منظر آپ کے سامنے ہے کہ ایک الیہ ترجع الامور کا مصداق ہے تو دوسرا محض بے ضرورت، جب اس طبقہ کی حالت یہاں تک پہنچا دی گئی کہ مسلمان اس کو بے ضرورت سمجھنے لگے۔ اور وہ تہذیب و آئین مسلمانوں میں رائج کر دیا گیا جس کی رو سے احکام اسلام سکہ غیر رائج کی طرح ہو گئے تو اس کے جاننے والوں کے لئے یقیناً وہ وقت آنا چاہئیے جس کی نسبت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی ہے :-

یاتی علی الناس زمان الصابر فیہم علی دینہ کالقابض علی الجمر (رواہ الترمذی)

ترجمہ :- لوگوں پر ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ ان میں جو دین و مذہب پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہے وہ اس کی طرح ہوگا جس کے ہاتھ میں انگارا ہو (جس کی سوزش ہر لحظہ بڑھتی ہے اور ہاتھ کی تکلیف میں اضافہ کرتی ہے)

یہ وقت آگیا تھا کہ علماء اپنے حالات کے ساتھ دین و مذہب کے انجام پر غور کرتے چنانچہ انھوں نے غور کیا، اور ان کی موت و ہلاکت کا جو اصلی سبب تھا اس کو دریافت کر لیا اور اس کے اصلی حریف کو بھی پہچان لیا جو دوسروں کے کندھوں پر بندوق رکھ کر شکار کھیل رہا تھا۔ انھوں نے اپنی زندگی اور مذہب کی آزادی کے لئے جمعیتہ العلماء کی بنیاد ڈالی اور اس رمز سے واقف ہو گئے کہ کام کی نااہلیت کام نہ کرنے کی وجہ سے ہے نہ اس وجہ سے کہ سیاست مذہب سے خارج ہے یا مذہب غیر مکمل ہے۔ یہ ان کا پہلا قدم تھا جو میدان زندگی میں اٹھا۔ ان کا قدم اٹھنا تھا کہ حکومت کے تمام سازوں سے (جو گو باہم بہت کچھ مختلف تھے) ایک آواز نکلنا شروع ہو گئی کہ (مذہب کو سیاست سے تعلق نہیں اور نہ علماء میں سیاست کی صلاحیت ہے) اس فرسودہ اور کہنہ آواز پر جب کوئی اثر نہ لیا گیا تو اس گروہ نے (جس کی سادہ لوحی پر غیر ملکی حکومت کی بنیاد قائم ہے اور جو اپنے قصد و تعمد کی بنا پر نہیں بلکہ نادانستہ حکومت کے حق میں مفید ہو جاتا ہے) یہ آواز بلند کی کہ "جمعیتہ العلماء میں توسیع ہونا چاہئیے" یعنی مجلس علماء میں غیر علماء بھی بطور عہدہ کے شامل کئے جائیں۔ تاکہ ان کی اس امتیازی شرکت سے سیاست کی کسر پوری ہو جائے۔ ان آواز بلند کرنے والوں کی نیت پر حملہ نہیں کیا جا سکتا لیکن نتیجہ کے لحاظ سے یہ ضرور عرض کیا جائے گا کہ یہ آواز وہی آواز قدیم ہے جس کے ذریعہ اس گروہ کو مردہ اور بیکار بنایا گیا تھا۔ یہ توسیع نہیں ہے بلکہ اس کے ذریعہ مجلس علماء کی مذہبی روح نکالنے کا سامان پیدا کیا جا رہا ہے۔ تجربہ اس کا شاہد ہے کہ جس خصوصی مجلس میں دوسرا عنصر شامل ہوا تو اس مجلس کی اصلی روح فنا ہو کر رہ گئی، غالباً علی گڑھ کالج نے اسی خیال کو مدنظر رکھ کر اپنی سالانہ کانفرنسوں میں اس عہد تک کوئی عالم دین صدر اجلاس قرار نہیں دیا۔ اور نہ اس کے مخصوص

ٹرسٹیوں میں کوئی عالم دین ہے اگر اس کے ارباب بند وکشاد ایسا نہ کرتے تو کیا عجب ہے کہ علی گڑھ کالج دیوبند یا ندوہ ہو جاتا۔ اصل یہ ہے کہ ہر ایک مجلس اپنا ایک مقصد رکھتی ہے اس مقصد کے لحاظ سے وہ شرکت اغیار کی کسی طرح متحمل نہیں ہو سکتی۔ ورنہ وہ مقصد فوت ہو جائے جس کی خاطر اس کا انعقاد ہوا ہے۔ اس کا لحاظ تمام ملکی اور قومی انجمنوں نے رکھا ہے پس وہ امر جو ہر جگہ ناقابل تسلیم اور ناقابل عمل رہا ہے اس کا مشورہ غریب علماء کو کیوں دیا جا رہا ہے۔ اور اگر اس مشورہ پر انہوں نے عمل نہیں کیا اور اپنی ہستی اور نظام کو محفوظ رکھنے کے لئے اپنے دستور اساسی میں کسی قسم کا تغیر عمل میں نہیں لائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ان کو بدنام اور مطعون کیا جائے کہ سے

این گناہے است کہ در شہر شما نیز کنند۔ علماء کو اگر مذہبی آزادی اور اپنی زندگی مطلوب ہے تو ان کو چاہیئے کہ اس قدر تلخ تجربوں کے بعد اب کسی آواز سے متاثر اور مرعوب نہ ہوں اور اغیار کی طعن و ملامت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے دستور اساسی پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہیں۔ ان کا کام اعلاء کلمۃ اللّٰہ اور نشر دین متین ہے۔ اس میں منہمک ہو جائیں اور اس عہد کے مصائب و آلام و مطاعن برداشت کرتے ہوئے اس ارشاد پر مطمئن ہوں جو آقائے نامدار صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے جماعت اہل حق کے لئے فرمایا ہے :۔

لا تزال طائفۃ من امتی امۃ قائمۃ بامر اللّٰہ لا یضرھم من خذلھم ولا من خالفھم حتی یاتی امر اللّٰہ وھم علی ذلک (مشکوٰۃ شریف)	ترجمہ :۔ میری امت میں سے ایک گروہ دین الٰہی پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہیگا۔ اسکی رسوائی کرنے والے اور اسکی مخالفت کرنے والے کوئی ضرر اس کو نہ پہنچا سکیں گے۔ وہ قیامت قائم ہونے تک امر حق پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہے گا۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد و آلہ واصحابہ اجمعین ١٢

فقیر معین الدین کان اللّٰہ لہٗ۔

ماخذ : علامہ شاہ معین الدین احمد اجمیری، خطبۂ صدارت، اجلاس نہم، جمعیت علمائے ہند منعقدہ ۳تا۶ مئی ۱۹۳۰ بمقام امروہہ، دہلی، ت ن، ۳۸ ص۔

۲۵

تجاویز۔

تجویز نمبر ۱۔

جمیعۃ العلماء ہند کی مجلس مرکزیہ کا یہ جلسہ پشاور کے شیدایانِ حریت کی جرأت و بسالت کا پورا اعتراف کرتا ہے اور یقین کرتا ہے کہ جن فرزندانِ توحید نے اپنے سینوں پر گولیاں کھائیں اور آزادئ ملت و وطن کی راہ میں اپنی جانیں قربان کردیں وہ احکام شریعت کے ماتحت شہید فی سبیل اللہ ہیں۔ اور خدائے تعالیٰ کی خاص رحمت کے مستحق ہیں۔

انگریزی حکومت کی فوج کا نہتے اور پُرامن مجمع پر بغیر اس کے کہ ان کی طرف سے کسی قسم کی تشدد آمیز کارروائی ہو۔ مشین گن چلا دینا اور سینکڑوں فرزندانِ توحید کو جام شہادت پلا دینا بربریت کا ایسا ہولناک مظاہرہ ہے جس کی جنگِ آزادی کے سلسلہ میں نظیر نہیں ملتی اور جس کا علاج استخلاص وطن کی کامل جدوجہد اور آزادئ وطن کے حصول کے سوا اور کچھ نہیں اور جو مظلوم یا شہید کہ زخمی ہوئے یا مقدمات کی مصیبت میں گرفتار ہوئے ان سے اور ان کے اہل و عیال سے اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔ اور تجویز کرتا ہے کہ تمام ہندوستان میں ۳۰ رمئی کو بعد نمازِ جمعہ شہداء کے لئے دعائے مغفرت کی جائے اور عام جلسے منعقد کرکے مظلومین پشاور سے اظہارِ ہمدردی کی تجاویز پاس کی جائیں۔

محرک: مولانا محمد نعیم صاحب۔

مؤید: مولانا حفظ الرحمٰن صاحب۔

تجویز نمبر ۲/۴ -

(الف) : چونکہ نیشنل کانگریس نے اجلاس لاہور میں مکمل آزادی کا اعلان کر دیا ہے جو جمعیۃ العلماء کا پہلے سے نصب العین ہے اور نہرو رپورٹ کو جس سے جمعیۃ نے شدید اختلاف کیا تھا (جیسا کہ جمعیت کی تنقیدی رپورٹ سے ظاہر ہے) کالعدم کر دیا ہے اور ایک تجویز میں یہ بھی طے کر دیا ہے کہ آئندہ کوئی دستورِ اساسی اُس وقت تک کانگریس قبول نہ کرے گی جس سے متعلقہ اقلیتیں پورے طور پر مطمئن نہ ہو جائیں ۔

اس لئے جمعیۃ العلماء کے اس اجلاس کے نزدیک بحالاتِ موجودہ مسلمانوں کے لئے کانگریس سے علیحدہ رہنے کی کوئی وجہ نہیں ہے ۔

(ب) مسلمانوں کے مذہبی و قومی مفاد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ اجلاس اس امر کو واضح کر دینا چاہتا ہے ، کہ کانگریس کا کوئی آئندہ عمل پروگرام اس وقت تک مسلمانوں کے لئے آخری فیصلہ نہ ہوگا جب تک جمعیت العلماء ہند اس کی تصدیق نہ کر دے ۔

(ج) چونکہ شاردا ایکٹ [SARDA ACT] مجلّٰ اہلِ اسلام صریح مداخلت فی الدین ہے اور اسلامی پرسنل لاء پر شدید حملہ ہے اور حکومتِ ہند نے انتہائی احتجاج و تنبیہ کے بعد بھی مسلمانوں کو آج تک اس سے مستثنیٰ نہیں کیا ، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح اس حکومت نے ملک پر جابرانہ قبضہ کر کے تمام اہلِ وطن کو غلام اور مفلس و بے کس بنا دیا ہے اور ظالمانہ قوانین کے وضع و نفاذ اور اخلاق و معاشرت کی تخریبی حکمتِ عملی پر اسے اصرار ہے ، اسی طرح وہ اب اسلامی پرسنل لاء کے واجب الحفظ قلعہ کو بھی مسمار کر کے دین و ملت کو بھی برباد کر دینا چاہتی ہے ۔ جو تمام اہلِ ملک اور خصوصاً مسلمانوں کے لئے ناقابلِ برداشت ہے اور ان تمام مفاسد کے سدِ باب اور ناموسِ شریعت کی حفاظت کے لئے آخری صورت یہ ہے کہ ملک و ملت کو حکومت متسلطہ کی گرفت سے مکمل طور پر آزاد کر لیا جائے ۔

اس لئے یہ اجلاس مسلمانوں سے اپیل کرتا ہے کہ ملک و ملت کی آزادی اور اپنے پرسنل لاء کی حفاظت کے لئے پورے جوش اور کامل استقلال سے احکام شرعیہ کے موافق کانگریس کے ساتھ اشتراکِ عمل کرتے ہوئے سرفروشانہ جنگِ آزادی کی راہ میں گامزن ہوں ۔

(د) یہ اجلاس حسبِ ذیل تین حضرات کی کمیٹی منتخب کرتا ہے جو مخصوص ملی نظام کے ماتحت حصولِ آزادی اور تحفظ پرسنل لاء کے واسطے مفصلہ ذیل امور کا تعمیری لائحہ عمل اور سول نافرمانی کا پروگرام مرتب کرے اور مسلمانوں کو اس پر عمل کرنے کی دعوت دے ۔

(۱) ضبط شدہ فتاویٰ و لٹریچر کی اشاعت ۔

(۲) شراب اور دیگر مسکرات کے استعمال و تجارت پر احتساب۔
(۳) ولایتی مال کا عموماً اور کپڑے کا خصوصاً مقاطعہ اور دیسی مال و کپڑے کے استعمال و ترویج کی سعی بلیغ اور ہر ممکن جگہ پر انتظام۔
(۷) جمعیۃ العلماء کو امید ہے کہ اگر انڈین نیشنل کانگریس اس شک و شبہ کا بھی ازالہ کر دے جو بعض مسلمانوں کے قلوب میں اس کی طرف سے پیدا ہو گیا ہے اور ان کو پورا اطمینان دلا دے تو پھر متفقہ جد و جہد کے بروئے کار آنے میں کوئی مانع باقی نہ رہے گا اور کامیابی بھی سریع اور یقینی ہو جائے گی۔

ارکان کمیٹی۔

(۱) مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند (۲) مولانا محمد نعیم صاحب لدھیانوی
(۳) مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری امیر الشریعت صوبہ پنجاب۔
محرک:۔ مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب مدرس جامع عربیہ ڈابھیل۔
مؤید:۔ مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی۔ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی۔ مولانا ابو المحاسن سید محمد سجاد صاحب۔ مولانا عبد الحلیم الصدیقی صاحب۔ مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی مونگیری، مولانا احمد علی صدر جمعیت العلماء پنجاب۔ مولانا عبد اللہ صاحب ٹیالوی، مولانا عبد الرحمٰن صاحب جالندھری وغیرہم۔

تجویز نمبر ۳۔

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس حکام ضلع مراد آباد کی اس ظالمانہ کارروائی پر اظہار ملامت و نفرت کرتا ہے کہ انہوں نے موضع مونڈھے مانڈھے کی مسجد پر دفعہ ۱۴۴ نافذ کر کے اذان و نماز کو بند کر دیا ہے۔ اور اس ظالمانہ حکم کے ازالہ و تنسیخ کے لئے جمعیۃ العلماء ضلع مراد آباد کو توجہ دلاتا ہے کہ فوراً مناسب کارروائی کرے اور اگر سول نافرمانی کی مہم شروع کرنے کی ضرورت لاحق ہو تو پہلے صدر جمعیۃ العلماء ہند سے مشورہ و ہدایت لے کر سول نافرمانی شروع کی جائے

تجویز نمبر ۴۔

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس وائسرائے ہند کے نافذ کردہ پریس آرڈیننس کو حکومت برطانیہ کے جبر و استبداد کا بدترین مظاہرہ خیال کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ لارڈ اروِن [LORD IRWIN] نے تمام ہندوستان کے

اخبارات کی آزادی کو اپنے اختیاراتِ خصوصی بیک جنبشِ قلم سلب کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس ملک پر جو حکومت مسلط ہے اس کی بنیاد ایک شخص واحد کی انفرادی قوت پر قائم ہے۔ جو تمام متمدن و مہذب ممالک کے دستور کے خلاف جس وقت چاہے رائے عامہ کو کچل سکتا ہے لیکن اس کے باوجود جمعیت کا یہ اجلاس لارڈ اِروِن [؟] اور ان کی حکومت کو یہ بتا دینا چاہتا ہے کہ اس وقت ہندوستان میں جو پُرامن تحریک جاری ہے وہ اس قسم کے متشددانہ قوانین سے نہیں روکی جا سکتی۔

تجویز نمبر ۵/۱۱ ۔

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس حکومتِ دہلی کی اس کارروائی کو کہ اس نے اخبار الجمعیۃ سے پریس آرڈیننس کے ماتحت پانچ سو روپیہ کی ضمانت طلب کر لی ہے ۔ اس کے جبر و استبداد کا کھلا ہوا مظاہرہ تصور کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اس کارروائی کا مقصد ہندوستان کے مسلمانوں کی واحد مذہبی جماعت کی آواز کو دبانے اور اسے حق و صداقت کے اعلان سے باز رکھنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے ۔

جمعیۃ العلماء ہند حکومت کو بتا دینا چاہتی ہے کہ اس کی اس قسم کی کارروائیوں سے جمعیۃ اظہارِ حق کے فریضہ کی ادائیگی سے باز نہیں رہ سکتی ۔

تجویز نمبر ۶/۱۲ ۔

واقعات و شواہد سے معلوم ہوا ہے کہ بعض مقامی کانگریس کمیٹیوں میں مہاسبھائی اور آریہ سماجی ذہنیتوں کا پورا مظاہرہ کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے مسلمان مخلص کارکن بد دل ہو جاتے ہیں اور یہ امر استخلاصِ وطن اور حصولِ آزادی کے لئے مضر ہے ۔ اس لئے جمعیۃ کا یہ اجلاس آل انڈیا کانگریس کمیٹی کو توجہ دلاتا ہے کہ وہ مقامی کمیٹیوں کے نام ہدایت نامے جاری کرے کہ کانگریس کمیٹی کو اس قسم کی فرقہ وارانہ ذہنیت سے قطعاً محفوظ رکھا جائے ۔

تجویز نمبر ۷/۱۳ ۔

چونکہ نہرو رپورٹ مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے مطمئن نہ ہونے کی وجہ سے کالعدم قرار پا چکی ہے اور اس کا کوئی حل اور کوئی حصہ بطور فیصلہ شدہ امر کے پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے جب تک ہندوستان کے لئے کوئی ایسا دستورِ اساسی مرتب نہ کر لیا جائے جس پر مسلمان اور دوسری اقلیتیں پورے طور پر مطمئن ہو جائیں۔ اور وہ متفقہ طریقہ سے راؤنڈ ٹیبل کانفرنس [ROUND TABLE CONFERENCE] میں پیش کیا جا سکے ۔ اس وقت

لہٰذا اس اجلاس کی رائے میں راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں شرکت کسی طرح مفید نہیں ہے ۔

محرک: مولانا سید محمد سجاد صاحب

مؤید: مولانا عثمان غنی صاحب

مفتی محمد میاں: جمعیت علماء کیا ہے؟ حصہ دوم، دہلی ۱۹۴۶ء ص ۱۶۰ - ۱۶۲ -

باب دہم

اجلاس دہم، کراچی، ۳۱ مارچ تا یکم اپریل ۱۹۳۱ء

(۱۱، ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۴۹ھ)

زیرِ صدارت

مولانا ابوالکلام آزاد

۲۶

خطبۂ استقبالیہ از مولانا محمد صادق

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للہ وحدہٗ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہٗ

اما بعد: بزرگان ملت، و برادرانِ دین! اول میں اُن اکابر و علمائے اُمت کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں جو مسافتِ بعیدہ طے فرما کر جمعیۃ العلمائے ہند کے اس اجلاس میں تشریف فرما ہوئے ہیں۔ نیز ان مخلصین حضرات کی خدمت میں مسلمانانِ سندھ کی طرف سے اظہارِ تشکر و امتنان پیش کرتا ہوں جو جذبۂ ملیہ سے متاثر ہو کر شریکِ اجلاس ہوئے ہیں۔

ثانیاً میں ان تمام فروگذاشتوں کے لئے عفو و سامحت کا خواستگار ہوں جو ادائے مراسمِ ضیافت میں ظہور پذیر ہوئی ہوں یا بعد ازیں ہوتی رہیں۔ اُمید ہے کہ معذرتِ صادقانہ کو "العذر عند کل ما الناس مقبول" قبول فرمایا جائے گا۔

بابُ الاسلام سندھ کی تاریخی و اسلامی اہمیت

ایہا الکرام! چونکہ اب کے سال جمعیۃ علمائے ہند کا یہ اہم اجلاس سرزمینِ سندھ کے مرکزی مقام

کراچی میں ہو رہا ہے۔ لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند حروف اِس سرزمین اور اس مقام کی تاریخی و اسلامی اور تمدنی اہمیت کے متعلق عرض کروں۔

صوبہ سندھ کو اسلام کے قدومِ میمنت لزوم کی سابقیت اور مسلمان آبادی کی اکثریت کی وجہ سے ہندوستان بھر کے صوبجات میں ایک ناقابلِ انکار تفوق و امتیاز حاصل ہے۔ سندھ کسی زمانہ میں تاریخی عظمت، سیاسی اہمیت، اسلامی تہذیب، علمی و فنی تعلیم، روحانی و ربانی تلقین کی وجہ سے ایک مرجع خلائق صوبہ تھا۔ علم و عرفان کے مرکز و منبع علماءِ دین و عارفانِ حق کے مولد و منشا ہونے کا بھی اس سرزمین کو افتخار حاصل ہے جس میں مولانا محمد حیات سندھی ثم مدنی، مولانا ابوالحسن سندھی شارح صحاح ۔۔۔ جیسے استاد المحدثین بزرگ پیدا ہوئے۔ مگر آج بصد ہزار حسرت کہنا پڑتا ہے کہ انقلابِ زمانہ کی وجہ سے سندھ کے وہ سب فضائل اور خصوصیتیں تقویمِ پارینہ ہو چکیں اور جو کچھ کہ تھا خواب یا افسانہ ہو گیا۔

اس شکستہ بال و خستہ حال صوبہ کا مرکزی مقام کراچی ہے جس میں جمعیۃ علمائے ہند کا انعقاد ہو رہا ہے۔ سندھ کا یہ صدر مقام کراچی موجودہ وقت کے لحاظ سے کچھ اہم خصوصیات کا جامع ہے یہ مقام قبل ازیں اگرچہ ماہی گیروں کی ایک چھوٹی سی بستی تھی جو تمدن و حضارت کے ارتقائی منازل طے کر کے اب اس درجہ کو پہنچ گیا ہے کہ تجارت کی ایک زبردست منڈی اور عظیم الشان بندرگاہ ہے۔ اس شہر کو اب یہ بھی فخر حاصل ہے کہ اطراف و اکنافِ ہند و جوارِ ہند سے زائرینِ بیت اللہ زادہ اللہ شرفاً و تعظیماً و عازمینِ دیگر بلادِ مقدسہ کے لئے قریبی گذرگاہ بحری ہے۔ بنا بر ایں جمعیۃ العلماء ہند کا انعقاد اس مقام پر نہایت مناسب و موزوں کہا جائے گا۔

رئیس الاحرار مولینا محمد علی کا وصالِ بحق

برادرانِ اسلام! اس دور قحط الرجال میں بعض رجال اللہ کا اسلامیانِ ہند کے لئے خصوصاً و اہالیانِ ہند کے لئے عموماً ایک عطیہ الٰہی و نعمتِ ربانی ہے۔ ملک و ملت کی یہ انتہائی بدقسمتی اور کم بختی ہے کہ اس دورِ نازک میں اُن کے زعماء و رہنما رحلت و مفارقت اختیار کرتے جاتے ہیں رئیس الاحرار مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات مجمع الحسنات مسلمانوں کے لئے مایۂ حیات اور وطنِ عزیز کے لئے باعثِ نازش تھی آج ہم سے ہمیشہ کے لئے جُدا ہو گئی ہے انا للہ وانا الیہ راجعون ۞

ہندوستان اور ممالکِ اسلامیہ کے لئے مرحوم نے جو بے نظیر ایثار اور قربانیاں کیں اور حکومتِ غیر نگ

کے ہاتھوں آپ نے جو اذیتیں اور مصیبتیں برداشت کیں اُن کی حقیقت اور واقفیت سے دنیا جہاں کا بچہ بچہ واقف ہے۔ اس دورِ انقلاب اور نازک کش مکشِ موت وحیات میں ایسے جری اور شجاع مدبر و بہادر اور فرزندِ اسلام کی اشد ضرورت تھی مگر چونکہ کل من علیھا فان ۹ ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام ارشادِ باری اور انک میت وانہم میتون ۰ حکم احکم الحاکمین ہے۔ لہٰذا اہالی ملک کو صبر اختیار کر کے بارگاہ ایزدی میں مستقبل کے لئے خیر و برکت کا مستدعی ہونا چاہیئے۔ دعا ہے کہ خداوند قادر توانا مرحوم کو جوارِ رحمت میں جگہ دے کر قوم و ملک کے لئے کوئی نعم البدل پیدا کریں۔ آمین

پنڈت موتی لال صاحب نہرو کی وفات حسرت آیات

جس وقت کہ قومیت متحدہ کے لئے ہندوستان کے ہندو مسلم اکابر کی سخت ضرورت تھی عین اس وقت ایک طرف تو مولانا ئے مرحوم کی جدائی نے ہندوستان کو ناقابلِ تلافی صدمہ پہنچایا۔ دوسری طرف متحدہ قومیت کے بہترین علمبردار پنڈت موتی لال صاحب نہرو چل بسے۔ اگرچہ تحریکاتِ ملیہ و وطنیہ خاص شخصیتوں کی محتاج نہیں ہونی چاہئیں مگر پھر بھی ایسی شخصیتوں کا فوت ہو جانا نقصانِ عظیم ہوتا ہے پنڈت موتی لال صاحب ہندوستان کے اُن مایۂ ناز بزرگوں میں سے تھے جن کے سارے خاندان نے ایثار و فداکاری کا جو نمونہ پیش کیا ہے وہ نہ فقط ہندوستان کی تاریخ میں زریں اور نمایاں حرف کے ساتھ لکھے جانے کے قابل ہے بلکہ دنیا بھر میں ایک نادر مثال سمجھا جائیگا میدانِ سیاست میں قدم رکھتے ہی پنڈت جی کی کوشش یہ رہی کہ ہندوستان کی سب قومیں ایک ہو جائیں اور قوموں کا تفرق اتصال سے بدل جائے میں پنڈت صاحب کے خلف الرشید پنڈت جواہر لال صاحب نہرو اور ان کے تمام خاندان کے ساتھ خصوصاً اور ہندوستان کی متحدہ قومیت کے ساتھ عموماً غمخواری و ہمدردی کرتے ہوئے دعا کرتا ہوں کہ قادرِ مطلق پنڈت جی کے لائق فرزند پنڈت جواہر لال صاحب کو پیش از پیش اس بات کی توفیق عطا فرمائے کہ وہ اپنے والدِ محترم کا حصہ بھی اپنی قوتِ عمل سے پورا کریں۔

سردار بھگت سنگھ کی افسوسناک موت

ہندوستان میں اگرچہ آج کل عدم تشدد کی لڑائی کا پروگرام زیرِ عمل ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے تشدد پسند مجاہدین کے اعمال کو اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ تاہم کسی طالبِ آزادی اور مجاہدِ قوم کو ایسے افراد کی قربانی

ملے میں کبھی بھی دریغ نہیں ہوسکتا جو عزیز وطن کے لئے اپنی عزیز جان ہتھیلی پر رکھ کر سُولی پر لٹکنے
ناجاوید سمجھتے ہوں۔ بھگت سنگھ نے جس دلیری اور پامردی سے سولی کی رسّی کو چوم کر آزادئیِ وطن
طر جانِ عزیز بجانِ آفرین سپرد کی۔ یقیناً آزادی وطن کے لئے اُن کی یہ قربانی رنگ لائے گی۔
ت سنگھ کی مظلومیت اور ہمتِ مردانہ سے متاثر ہو کر اُن کے والد اور عزیزوں کے ساتھ تعزیت
تے ہوئے ان کو مبارکباد بھی دیتا ہوں کہ اُن کے فرزند ارجمند نے اپنی قربانی سے ہندوستان کی
میں ایک نہ مٹنے والی عزّت اور عظمت حاصل کر لی اور ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ میں دُعا کرتا
ہ خداوند عالم ان پروانہائے قوم کی قربانیوں کا اثر جلد ظاہر فرمائے اور ہندوستان کو جلد آزاد
۔ آمین

شہداء پشاور و اسیرانِ فرنگ

ایہاالاخوان! اب اس میں کسی کو کلام نہیں کہ وقت اظہارِ ایثار و فداکاری اور زمانِ قربانی و
ثاری ہے۔ جب کہ دُنیا بھر کی مخلوقِ خدا نے پنجۂ استبداد و تظلم سے تنگ آ کر جان چھڑانے اور
اد سے نجات حاصل کرنے کا تہیّہ کر لیا ہے اور ہر ملک میں یہی تحریک پھیل رہی ہے کہ کسی قوم کو کسی
قوم و ملک پر کسی بہانہ سے بھی قبضہ و استبداد و تسلط جمانے کا کوئی حق نہیں بلکہ کوئی فرد مخلوق
الق پاک کے کسی اپنے ہم جنس کی غلامی بخوشی اختیار نہیں کر سکتا۔ لہذا برّ اعظم ہندوستان کے
باشندے بمصداق "تنگ آید بجنگ آید" غلامی سے گلو خلاصی حاصل کرنے کے لئے میدانِ عمل میں کود
۔ چنانچہ تازہ تحریک عدم تشدّد کے علمبردار گاندھی جی کے اقدام نے ملک میں بجلی کی سی ایک رَو
ی اور ہندوستان بھر کے باشندے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے چونکہ مسلمان مذہباً و مشرباً قدرتاً
ناً شمع قربانی کے پروانے اور گلشنِ آزادی کے عندلیب واقع ہوئے ہیں اور ساتھ ساتھ تدبر و
ندیشی کے بھی اہل ثابت ہو چکے ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں نے کچھ دیر اس تحریک عدم تشدد میں وہ حصہ لیا
خ حوادث حالیہ میں جس کا ذکرِ خیر نہایت ہی آب و تاب اور شان و شوکت سے کیا جائے گا۔ پانچ
ہداء پشاور اور بارہ ہزار سے زائد مسلمان فداکاروں کی اسیری و تحمل مصائب مسلمانانِ ہند کے
ادی کی نعمت سے متمتع ہونے کا ایک اہم و بہترین دستاویز ہے۔

مذکورہ بالا قربانیوں اور فداکاریوں کو دیکھ کر اب کوئی بھی اپنا و پرایا اور یگانہ و بیگانہ ہم مسلمانوں

کونسل و کانگرس قعود و جمود کا طعنہ نہیں دے سکتا ہے۔ ہاں یہ امر دیگر ہے کہ جہاد سے جی چرانے والے اصحاب ہمارے فداکاروں کے فدیہ اور قربانی کرنے والوں کی قربانی کی قدر نہ کریں اور زبانِ طعن و انکار دراز کریں مگر دانائے کل عالم السرائر والمخفیات اور اس کے عرشِ معلیٰ کے حامل، عالمِ قدس کے فرشتے اور اشرف المخلوقات کے کراماً کاتبین مسلمانانِ ہند کی سرفروشی کے شاہد و شہید ہیں۔ پس مسلمانانِ سندھ بلکہ مسلمانانِ عالم کی طرف سے ان شہیدانِ ملک و ملت کے مزارات پر فاتحہ کے پھول اور قل کے گل چڑھاتا ہوں اور جملہ اسیران کی مظلومی پر ان کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ بارگاہِ رب العزت سے دعا ہے کہ خداوند اکبر ان کی قربانیوں اور فداکاریوں کے طفیل غلام ہندوستان کے جملہ بسنے والوں کو نعمتِ آزادی و برکاتِ حریت سے سرفراز فرما دے۔ آمین

اسلام سیاست اور جمعیۃ العلماء ہند

معاشر المسلمین! وجماعۃ الحاضرین! عام طور پر کہا جاتا ہے کہ مذاہبِ عالم کو سیاسیات سے کچھ بھی واسطہ اور تعلق نہیں ہیں یہ فقرہ اپنے مذہب اسلام کے حق میں قبول کرنے کے لئے تیار نہیں اسلام کی وضع و قطع ہی اس نظریہ کی تردید کرنے کے لئے کافی ہے۔ اگر کوئی کور چشم آفتاب کی تابانی اور ماہتاب کی نورانیت سے انکار کرے تو فی الواقع آفتاب بے تاب اور ماہتاب بے نور نہیں کہا جا سکتا میں دلائل و براہین کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ اسلام روحانیت و عبادات، دینیات، و دنیویات یا سیاسیات و سیاسیات کا مجموعہ ہے۔

اسلام کے احکام و قوانین اسلام کے مقدس پیغمبر کا اسوۂ حسنہ اور خلفائے راشدین و دیگر حضرات اولوالامر کی زندگیاں بصارت و بصیرت والوں کے سامنے آکر میرے دعویٰ کو ثابت کرتی ہیں دیکھئے اور غور کیجئے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے اجزاء یہ تھے۔ عبادت و ریاضت فقر و مسکنت، تلقین طہیت و تلقین روحانیت، تعلیم عدم تشدد و تعلیم جہاد، تعلیم فصل خصومات و تعلیم الاخلاق تعلیم تمدن و تہذیب۔ تعلیم معاش و معاشرت۔ تعلیم آزادی و حریت، تعلیم حقوق اللہ و حقوق العباد، تعلیم حفاظتِ وطن و حفاظت خلق، تعلیم عساکر و جیوش، تعلیم نظام، خلافت و حکومت۔

ان ہی اجزاء اسوۂ حسنہ نبوی پر خلفائے راشدین اور خیر القرون کا عمل پھر شریعتِ اسلامیہ کی ان سب امور کے متعلق قانون بندی اس بات کے لئے دلائل ساطعہ و براہین قاطعہ ہیں کہ اسلام کے ہیولے کی ترکیب اکثر و بیشتر سیاسیات کے اکسیر سے ہے۔ بالفاظ دیگر اسلام کے نسخہ کا جزو اعظم سیاست ہی

ہے۔ شریعتِ اسلامیہ میں قوانین فوجداری، دیوانی۔ قوانین بلدیات و دیگر ضروریات دنویہ سب کچھ موجود ہیں۔ ہاں یہ بات علیحدہ ہے کہ آج کل مسلمانوں کی بعض ممتاز ہستیاں موجودہ جگمگاہٹ اور موجودہ سیاسیات سے مسحور و متنور ہو کر اسلام کی سیاست سے بے خبر ہوں جو مسلمانِ اسلامیات کا کماحقہ عارف ہوگا، ناممکن ہے کہ سیاست سے اپنے تئیں الگ رکھ سکیں۔

جمعیۃ علمائے ہند چونکہ اسلامی تعلیم کے ماہرانِ خصوصی کا مجموعہ ہے۔ اس لئے اس دورِ سیاست میں سیاست کے پیچیدہ مسائل کے حل کرنے کے وقت مسلمانوں کے لئے بہترین مشیر و صلاحکار اور اسلامی نقطۂ نظر کے لحاظ سے بہترین رہنما و رہبر ہو سکتا ہے۔

العلماء ورثۃ الانبیاء کے مصداق وہی ہو سکتے ہیں جو مسلمانوں کے دینی و دنیاوی مہمات میں اسلامی مفاد کے مطابق اور ارشاد باری و تصریحاتِ نبوی کے موافق ان کو بلا خوف لومۃ لائم حل کر سکیں۔

سندھ میں جمعیۃ العلماء ہند کو دعوت دینے کی ضرورت اور علت

برادرانِ محترم! میں مسلمانانِ سندھ کے متعلق شرمندگی کے ساتھ اقرار کرتا ہوں کہ انہوں نے اس جنگ آزادی میں معتد بہ حصہ نہیں لیا جب مسلمانانِ سندھ کی یہ حالت دیکھی گئی تو کراچی میں بعض حریت کیش و آزادی کوش اصحاب نے ایک جمعیت نظام المسلمین کی بنیاد ڈالی جو جمعیۃ علماء ہند کے ماتحت رہ کر تحریکِ حاضرہ میں شامل ہونے کے لئے مسلمانانِ سندھ میں روح پھونکنے کا کام کرنے لگی۔ باوجودیکہ روزِ اولین سے آج تک جمعیۃ نظام المسلمین کو ناکامیاب بنانے کی کوششیں ہوئیں۔ مگر بفضلہ تعالےٰ وہ اپنی بساط کے مطابق کام کرتی رہی اور اپنے چند مجاہدین کو قربان کر کے مسلمانانِ سندھ کی طرف سے کفایہ کے طور پر فرض ادا کیا۔

چونکہ مسلمانانِ سندھ میں جذبۂ حریت پیدا کرنے اور اس بجھی ہوئی آگ کو سلگانے اور سیاسیاتِ حاضرہ سے آگاہ کرنے کی سخت ضرورت تھی اس لئے کارکنانِ نظام المسلمین نے ہمارے ساتھ مل کر جمعیۃ علماء ہند کو دعوت دینے کی جرأت کی اور اکابرِ ملت کو سندھ میں تشریف لانے کی زحمت دی۔

شکر کا مقام ہے کہ آج اس پنڈال میں علماء ہند و سندھ خصوصاً اور مسلمانانِ سندھ و ہند عموماً سیاسیاتِ حاضرہ کے متعلق مبادلہ خیالات کرنے کو جمع ہیں۔ امید ہے کہ اس کا اثر مسلمانانِ سندھ کی ذہنیت پر اچھا پڑے گا۔

جمعیۃ علمائے ہند کا عملی پروگرام اور شرکت کانگریس

محبانِ ملک و ملت! اگر لوگ جمعیۃ العلماء ہند کے ان کاموں پر نظرِ غائر ڈالیں جو اُس نے اپنے یوم تاسیس سے لے کر اب تک انجام دیئے ہیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اسلامیانِ ہند کے لئے اس کے وجودِ مقدس کی کس قدر ضرورت ہے میں یہاں پر صرف ایک دو مثالیں پیش کر کے ثابت کروں گا کہ سیاسی میدان میں جمعیۃ علماء ہند کا کام من حیث الجماعت دیگر اسلامی انجمنوں اور جماعتوں کے مقابلہ میں بسا بہتر اور برمحل رہا ہے۔ نہرو رپورٹ جس کی وجہ سے مسلمانوں میں ایک انتشار اور اختلال پیدا ہو گیا تھا اور جس میں مسلمانوں کے بعض حقوق کو تسلیم نہیں کیا گیا تھا جمعیۃ علماء ہند نے اس پر ایک مفصل تبصرہ لکھا جس میں نہایت جامعیت سے رپورٹ مذکور کی خامیاں دکھلائی گئیں اور مسلمانوں کے مسائل مخصوصہ کی حمایت زور کے ساتھ کی گئی۔

نیز شاردا ایکٹ [SARDA ACT] جیسے مردود ایکٹ کو منسوخ کرانے میں بھی جمعیت کی مساعی جمیلہ کسی سے مخفی نہیں۔

اس کے بعد ہندوستان نے ایک زبردست پلٹا کھایا اور سول نافرمانی کی تحریک جاری ہو گئی۔ اُس وقت ہندوستان کے مسلمان سخت کشمکش میں مبتلا اور پریشان تھے۔ جمعیۃ نے آزادی کی اس تحریک اور اس کے متعلق جملہ تحریکات کا خیر مقدم کیا اور مسلمانانِ ہند کے مشترکہ مفاد کو مدِنظر رکھتے ہوئے کانگریس کو شرکت کی دعوت دی۔ برادرانِ من! کیا یہ اِسی جماعت کے کارنامے کہے جا سکتے ہیں جو سیاسیات سے نابلد سمجھی جاتی ہے؟

یاد رکھو۔ اگر جمعیۃ العلمائے ہند ایسا نہ کرتی تو مسلمانوں کی عزت ہرگز وہ نہ ہوتی جو آج ہے اور فداکاروں کی فہرست سے اُن کا نام ہمیشہ کے لئے کاٹ دیا جاتا لیکن خدا کا شکر ہے کہ جمعیۃ علمائے ہند کے مقدس ارکان نے اپنی دور اندیشی اور سیاست دانی کا ثبوت دے کر حربِ حریت میں حصہ لیا اور مسلمانانِ ہند کو حکم فرمایا جس کی وجہ سے نہ صرف ہندوستان میں بلکہ ممالکِ اسلامیہ میں بھی مسلمانانِ ہندوستان کی لاج رہی۔ شرکتِ کانگریس محض مقاصدِ مشترکہ کی وجہ سے کی گئی اور کرنی چاہیئے تھی۔ مشترکہ مقاصد میں شرکت کے مسئلہ پر قرآنِ مقدس نے متعدد مقامات میں دنیا کو دعوت دی ہے۔ ارشادِ باری ہے:-

یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم۔ اے اہلِ کتاب آؤ ہم اور تم ایک ایسی بات پر متفق ہو جائیں جو تمہارے اور ہمارے درمیان برابر برابر ہے۔

خود امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہمارے سامنے ہے جن حضرات نے فتح مکہ کے اسباب و علل پر نظر ڈالی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ اس جنگ کی حقیقی علّت غیر مسلموں کی ایک جماعت کو قریش کے حملوں سے بچانا تھا۔ سنہ ۶ھ میں قریش سے معاہدہ ہوا کہ دس سال تک جنگ نہ ہوگی۔ بنوخزاعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرفدار تھے اور بنوبکر قریش کے حامی اور پشت و پناہ۔ معاہدہ کے دو سال بعد بنوبکر نے بنوخزاعہ پر حملہ کر دیا اور قریش نے اس معاملہ میں بنوبکر کی مدد کی۔ اس لئے قریش اور پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں جو معاہدہ ہوا تھا وہ ٹوٹ گیا اور مسلمانوں کی جانب سے سنہ ۸ھ میں مکہ مکرمہ پر بنوخزاعہ کی امداد کے لئے فوج کشی کر دی گئی۔ جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے بنوخزاعہ کا بدلہ لینے کے لئے مکہ مکرمہ پر فوج کشی کی تو مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اُس وقت بنوخزاعہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے (دیکھو سیرۃ ابن ہشام صـ۳۱۱) اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ خود داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غیر مسلموں کو ظالموں کی گرفت سے چھڑانے کے لئے دشمنوں سے جنگ کی اور مظلوموں کی حمایت میں آپ میدان میں نکل آئے۔ اگر کانگریس کی شرکت سے صرف برادرانِ وطن کا ہی فائدہ ہوتا تب بھی اس اسوۂ حسنہ پیغمبری کے اعتبار سے ہمیں اُن کی ہر امکانی مدد کے لئے تیار ہونا چاہیئے تھا۔ مگر صورتِ حال یہ ہے کہ کانگریس کی شمولیت اور جنگِ آزادی کی شرکت نہ صرف اسلامیانِ ہند کے لئے سودمند اور ممالکِ اسلامیہ کے لئے بھی بغایت مفید اور نافع ہے بلکہ مستقلاً خود مسلمانوں کے فریضہ کی ادائی کا بھی موجب ہے۔

مذکورہ بالا تصریحات سے واضح ہوا کہ جمعیۃ علماء ہند اسلامی تعلیم کی دی ہوئی بصیرت سے کام لے کر سیاسیات میں قدم اٹھاتی رہی ہے۔ جمعیۃ اسی بنا پر کانگریس سے لڑ بھی چکی ہے اور شرکت بھی کر چکی ہے اور یہی عین مقتضا سیاست دانی ہے۔ آج مصر، فلسطین اور شرق واردن کے مسلمان برطانیہ سے برسرِ پیکار ہیں اور وہ غلامی کی زنجیریں توڑ کر حریت اور استقلال کی نعمت سے بہرہ اندوز ہونا چاہتے ہیں۔ فلسطین کے مسلمان اپنے وطنی عیسائیوں سے برطانیہ اور یہود کے مقابلہ میں ایک ہو گئے ہیں۔ اگر ہم نے بھی برطانیہ کے مقابل میں ہنود سے اتحادِ عمل کیا تو کون سی قیامت آگئی؛ ہمارا عمل تو قرآن کریم کی اس آیت پر ہے:۔

وان جنحوا للسّلم فاجنح لھا وتوکل علی اللہ انہ ھو السّمیع العلیم ہ وان یریدوا ان یخدعوک فان حسبک اللہ ھو الذی ایدک بنصرہٖ وبالمؤمنین ہ

اگر غیر مسلم تو بین صلح و آشتی کی طرف مائل ہوں تو تم بھی ان کی طرف مائل ہو جاؤ اور خدا پر اعتماد رکھو اگر وہ اس صلح سے تم کو دھوکہ دینا چاہیں تو (اس کا خیال بھی نہ کرو) اللہ تعالیٰ تم کو کافی ہے

اسی نے اپنی طرف سے مسلمانوں کے ذریعہ سے تمہاری
مدد کی ہے۔

اس وقت برادرانِ وطن کا ہاتھ صلح و آشتی اور اتفاق کے لئے بڑھا ہوا ہے اس لئے ہم کو بھی اُن کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھانا چاہیئے۔ بالخصوص ایسی صورت میں جبکہ اس اتحاد سے ایک دشمنِ اسلام حکومت کا زور ٹوٹتا اور اس کا سرِ غرور نیچا ہوتا ہو، اس قسم کی آشتی مسلمانوں پر لازم ہو جاتی ہے۔

اس آیۂ کریمہ سے ان حیلہ جو اور غلامانہ ذہنیت کے لوگوں کا یہ اعتراض بھی باطل ہوگیا جو وہ ہندو مسلم اتحاد کے سلسلہ میں برادرانِ وطن کے عذر و بے وفائی کے متعلق کیا کرتے ہیں۔ اگر ہندو صلح کے بعد دھوکہ دیگا تو خدا ہمارا مددگار رہے۔ مگر ہم کو اس قسم کے شیطانی وسواس سے قرآن حکیم نے روکا ہے۔

غرض ہندوستان کی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا ہے اور ایک زبردست اور یقینی انقلاب کے آنے کی تیاریاں کی جارہی ہیں اس حالت میں مسلمانوں کا خاموش رہنا ان کے مستقبل کے لئے سخت خطرناک ہوگا۔

مسلمانوں کے حقوق اور مطالبات

بھائیو! یاد رکھو۔ کانگریس میں جمعیۃ علماء کی شرکت مشترکہ مفاد کے لئے ہے لیکن اگر کانگریس مسلم حقوق کو نظر انداز کرے گی تو یہی جمعیۃ ہوگی جو سب سے پہلے کانگریس کے مقابلے کے لئے نکلے گی، جیسا کہ نہرو رپورٹ کے وقت اُس نے اپنے عمل سے ظاہر کر دیا ہے۔ جمعیۃ علماء ہند اپنے یوم تاسیس سے برابر مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کر رہی ہے اور وہ کسی وقت بھی اپنے اس فرضِ منصبی سے غافل نہیں رہ سکتی۔ البتہ جمعیۃ علماء ان اُمور میں مداخلت سے ابا کرتی ہے جو محض ذہنی اور اعتباری چیزیں ہیں۔ جمعیۃ علماء کہتی ہے کہ پہلے میدان کو فتح کرلو، پھر مالِ غنیمت کی تقسیم پر جھگڑ لینا یہی وجہ ہے کہ اُس نے اُن لوگوں کا ساتھ نہیں دیا جو قبل از وقت حقوق کے لئے شورش پیدا کرکے مسلمانوں کے قومی عمل کو مفلوج بنا کر اِن کو بھیک مانگنے کی ترغیب دے رہے ہیں۔ ان حضرات نے شاید یہ سمجھ رکھا ہے کہ سیاست اور حقوق بھیک کے ٹکڑے ہیں، جو کسی کے سوال کرنے پر یوں ہی تقسیم کر دیئے جاتے ہیں۔ حالانکہ مسلمانوں کو تحریکِ خلافت کے زمانے سے اس کا خوب تجربہ ہو چکا ہے اور اب اس بارے میں کسی پردے کے ہٹنے کا انتظار باقی نہیں رہا ہے۔ میں تو صاف کہتا ہوں کہ اگر برادرانِ وطن حقوق کا فیصلہ قبل از وقت کر بھی دیں تاہم یہ حضرات پھر کوئی دوسرا بہانہ تلاش کریں گے۔ ان کی یہ شترمرغ والی چال ختم ہی نہ ہوگی۔

برادرانِ محترم! ہندوستان کے مسلمان جب تک بھیک مانگنا نہ چھوڑیں گے اور اپنے نفس پر کامل اعتماد کرکے اپنے قوتِ بازو سے اپنے حقوق حاصل نہ کریں گے اُس وقت تک اُن کی بقاء کی کوئی ضمانت نہیں لیجاسکتی جو چیز مسلمانوں کو دی جاسکتی ہے وہ واپس بھی لی جاسکتی ہے لیکن جو چیز اپنی قربانیوں کے بعد حاصل کی جائے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اُس کو نہیں چھین سکتی۔

کانگریس سے ہمارا اشتراکِ عمل حقوقِ مشترکہ عامہ میں ہے جن کا تعلق ہندوستان کی تمام قوموں سے مساوی ہے لیکن حقوقِ ذاتیہ مخصوصہ میں جمعیۃ علماء اپنی ذاتی قوت پر بھروسہ کرتی ہے اور سمجھتی ہے کہ ہماری قربانیاں خود ہمارے حقوق کی ضامن ہیں اور کوئی قوم اُن کو دبانے کی جرأت نہیں کرسکتی۔

جداگانہ یا مخلوط انتخاب

جو حضرات مسلمانوں کے "الحقوق والفرائض" جتلا کر مقاصدِ عمومی کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا رہے ہیں گو اُن کی نیت صحیح ہو، مگر اس میں شک نہیں کہ وہ بڑی چیزوں کو چھوٹی چیزوں پر قربان کر رہے ہیں مثلاً جداگانہ انتخاب پر زور دینا ان لوگوں کے بلند پایہ مقاصد میں داخل ہے۔ حالانکہ اگر دقتِ نظر سے اس کی جوہریت کو پرکھا جائے تو اس کی حقیقت بالکل منقلب ہوجاتی ہے۔ جداگانہ انتخاب سے جہاں مسلمانوں کو قدرے فائدہ ہے وہاں اس کے مضار بہت زیادہ ہیں۔ جداگانہ انتخاب فرقہائے ہند میں نفاق و شقاق کا موجب ہے۔ میری رائے میں مخلوط انتخاب نشستوں کے تعین کے ساتھ نہ صرف نفاق دور کرنے کا سبب بنے گا بلکہ اکثریتوں کو اقلیتوں کے سامنے جھکانے کا ایک بڑا ذریعہ ہوگا۔ ہمیں جداگانہ انتخاب کے بعض معمولی منافع سے بھی انکار نہیں ہے مگر اس کے مضار سے بھی جو فوائد سے کئی گنے زائد ہیں انکار نہیں کیا جاسکتا۔

لندن اور ہندوستان کی گول میز کانفرنسیں

مناسب ہے کہ یہاں چند الفاظ میں لندن کی گول میز کانفرنس پر بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا جائے نیز آئندہ گول میز کانفرنس کے متعلق چند اُمور کی توضیح کردی جائے۔ اس میں تو شک ہی نہیں کہ گول میز کانفرنس منعقدہ لندن میں ہندوستان کا کوئی نمائندہ شریک نہیں ہوا، بلکہ حکومت نے خود اپنی طرف سے اپنے ڈھب کے لوگوں کو منتخب کرلیا۔ الا ماشاء اللہ کانگریس اور جمعیۃ علمائے ہند نے متفقہ طور پر اس

کانفرنس کا بائیکاٹ کر دیا اور صاف صاف کہہ دیا کہ یہ کانفرنس ہندوستانی معاملات کے تصفیہ کا کوئی حق نہیں رکھتی لیکن حکومت نے ہندوستان کی مرضی کے خلاف اس کا انعقاد ضروری سمجھا اور کانفرنس منعقد کرکے ہندوستانی مسائل پر گفت وشنید کی جس کا نتیجہ جو کچھ نکلا وہ سب پر روشن ہے اور جو کچھ ملا وہ بھی ظاہر ہے لیکن یہ اتنا بھی کس لئے ہوا. کیا برطانیہ ازخود ہندوستانی مسائل پر غور کرنے کے لئے آمادہ ہوئی؟ اس کا جواب صاف یہ ہے کہ اگر ہندوستان کی تحریک آزادی نے برطانیہ کی شہ رگ پر کاری ضرب نہ لگائی ہوتی اور سول نافرمانی اور بدیشی مال کے بائیکاٹ نے مانچسٹر اور لورپول میں زلزلہ نہ ڈال دیا ہوتا تو شاید برطانیہ ایک صدی تک بھی اس طرف متوجہ نہ ہوتی اور نہ اتنا نرم اور روادارانہ رویہ اختیار کرتی جو اس کی تاریخ میں ہندوستان کے لئے سب سے پہلا واقعہ ہے. آج گول میز کانفرنس کے مندوبین جس فخریہ لہجے میں اپنی کامیابی کا نعرہ بلند کر رہے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ سب کچھ تحریک سول نافرمانی کا صدقہ تھا جس نے برطانیہ کے تجارتی غرور کا سر نیچا کر دیا. اب ہندوستان کا قومی شعور اتنا بیدار ہو چکا ہے کہ وہ اس قسم کی باتوں میں اپنا وقت ضائع نہیں کر سکتا، اس کا تو ایک ہی نصب العین ہے آزادی یا موت!!

لندن کی کانفرنس کے بعد اب ہندوستان میں بھی ایک کانفرنس منعقد ہونے والی ہے جسکی شرکت کی تائید غالباً کانگریس کرے. مسلمانوں کو ہمارا مشورہ ہے کہ اس کانفرنس میں اگر موقعہ مناسب دیکھیں تو شریک ہوں. جہاں تک اصولی باتوں کا تعلق ہے مسلمانوں کو کانفرنس میں اقوام ہند کے ساتھ اتفاق کرنا چاہیئے اور فروعی حقوق کے لئے نہایت استقلال کے ساتھ لڑنا چاہیئے مگر اس طریق پر کہ اصول کی بربادی تک نوبت نہ پہنچے۔

آئندہ گول میز کانفرنس [ROUND TABLE CONFERENCE] کی شرکت کے سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ اس میں وہی حضرات مسلمانوں کے نمائندے بنکر جائیں جنہوں نے ابتک جنگ آزادی میں گوناگوں مصائب اور حکومت کے ظلم اور استبداد کو نہایت شجاعت اور استقلال سے برداشت کیا ہے کانفرنس میں ایسے لوگوں کا جانا جنہوں نے تحریک آزادی سے کنارہ کش رہ کر اپنی عافیت پسندی اور حکومت پرستی کا ثبوت دیا ہے مسلمانوں کے لئے سخت مہلک ہوگا اور نہ ایسے حضرات سے مسلمانوں کو کوئی اُمید ہو سکتی ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

کہا جاتا ہے کہ ہندو مکمل آزادی چاہتے ہی نہیں بلکہ وہ داخلی آزادی اور ساتھ ساتھ برطانیہ کے سایہ

عاطفت کے حامی ہیں اس لئے مسلمان ان کے ساتھ شامل نہیں ہو سکتے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ ایک شتر مرغ کی چال ہے یہ بہانہ اکثر ان مسلمان بھائیوں کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے جو سوا سایۂ عاطفت برطانیہ خود اُن کے لئے بھی کچھ اور مطلوب و محبوب نہیں۔ اچھا بھائی جس حد تک ہمارے ہندو بھائی اصول آزادی کے لیے کام کریں اسی حد تک تو ساتھ ساتھ رہیں۔ باقی جو کسر بچے اُس کے واسطے آپ علم جہاد اٹھانا اور مکمل آزادی حاصل کرنا چونکہ آپ کا مقصد مکمل آزادی ہے تو کیا بشرکت برادرانِ ہنود نیم آزادی حاصل کرنے سے مکمل آزادی کی جدوجہد میں تخفیف نہ ہوگی؟ اور اس طرح تمہارے مقصد کا ایک حصہ حاصل نہ ہوگا؟ کیا اگر ہندو مکمل آزادی دل سے نہیں چاہتے ہوں گے تو آپ جو مکمل آزادی کا دعوے کرتے رہتے ہو۔ لفظاً آزادی، آزادی پکارنے، اور آزادی کے لئے جدوجہد کرنے والوں پر اعتراضات کرنے، پھبتیاں اُڑانے اور اُن کی نیتوں میں شک اور شبہ پیدا کرنے کے لیئے ہی ہو؟ باقی عمل کا کچھ بھی احساس نہیں۔ جب عمل کا احساس تک نہیں تو پھر کامل آزادی کا دعوی چہ معنے دارد؟

قال اللہ تعالیٰ لم تقولون ما لا تفعلون کبر مقتاً عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون

کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں۔ خدا کو ناراض کرنے کے واسطے بہت بڑی بات ہے کہ کہو، اور کرو نہیں۔

اقلیت اور اکثریت

ہندوستان میں جہاں اور مسائل زیر بحث ہیں وہاں اقلیتوں اور اکثریتوں (مینارٹی و مجارٹی) کا مسئلہ بھی ہے۔ جس کو کسی حالت میں نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ افسوس ہے کہ بعض تنگ نظر لوگوں نے اس مسئلہ کو نہایت پیچیدہ بنا دیا ہے اگر ہندوستان میں مسلمان اکثریت میں ہوتے اور دیگر اقوام اقلیت میں۔ تو میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ مسلمان اقلیتوں کے مقابلہ میں نہایت فراخ حوصلگی اور سیر چشمی کا ثبوت دیتے اور کسی اقلیت کو شکایت کا موقعہ نہ ملتا مصر میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور قبطی، عیسائی اور یہودی اقلیت میں ہیں لیکن اُن کو کبھی مسلمانوں سے شکایت نہیں ہوئی۔ انہوں نے جس بات کا مطالبہ کیا مسلمانوں نے اس کو تسلیم کیا۔ کیونکہ اقلیت خواہ کتنے ہی حقوق لے لے لیکن وہ اکثریت میں تبدیل نہیں ہو سکتی میں اپنے ہندوستانی مسلمانوں سے کہتا ہوں کہ وہ اکثریتوں سے ہراساں اور پریشان نہ ہوں اقلیت کو اکثریت سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ اس قسم کی ذہنیت قوم میں بزدلی اور خوف پیدا کرنے

کا موجب ہوگی۔ خصوصاً مسلمانوں کو تو اکثریت کا خیال قطعاً اپنے دماغ سے نکال دینا چاہیئے کیونکہ اُن کا مذہب اس ذہنیت کا سخت مخالف ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:۔

کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ
اللہ کے حکم سے قلیل جماعت کثیر جماعت پر غالب آتی ہے۔

تم خواہ کتنے ہی قلیل ہو لیکن جب تک ایمان سے متصف ہو، تمہارا غلبہ یقینی ہے۔

انتم الاعلون ان کنتم مومنین
اگر تم مومن ہو تو یاد رکھو تمہاری سربلندی یقینی ہے

مسلمانوں کی تمام تر زندگی اسی قسم کے مظاہرے پیش کرتی ہے اور انہوں نے ہمیشہ قلیل ہو کر کثرت پر فتح پائی ہے:۔

البتہ مسلمان اپنے خصوصی امتیازات کو مٹا دیں اور اپنے اندر ضعف و جبن پیدا کر کے موت سے خائف ہونے لگیں تو پھر اُن کی کثرت بھی ان کو ہلاکت اور تباہی سے نہیں بچا سکتی۔ داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

یوشک الامم ان تداعی علیکم کما تداعی الاکلۃ الی قصعتہا فقال قائل ومن قلۃ نحن یومئذ قال بل انتم یومئذ کثیر ولکن انتم غثاء کغثاء السیل ولینزعن اللہ من صدور عدوکم المہابۃ منکم ولیقذفن فی قلوبکم الوھن۔ قال یارسول اللہ وما الوھن قال حب الدنیا وکراھیۃ الموت۔
(ابوداؤد وبیہقی)

عنقریب قومیں تم کو تقسیم کرنے کے لئے ایک دوسرے کو اس طرح بلائیں گی جس طرح کھانے کے طباق پر ایک دوسرے کو بلاتے ہیں۔ ایک شخص نے دریافت کیا کہ کیا اُس وقت ہم قلیل ہوں گے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ اُس وقت تم بہت زیادہ ہو گے مگر تمہاری حیثیت کوڑے کرکٹ سے زیادہ نہ ہوگی۔ خدا تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکال ڈالے گا اور تمہارے دلوں میں وھن (ضعف) کو ڈال دے گا۔ ایک شخص نے پوچھا، یا رسول اللہ وھن کیا چیز ہے۔ آپ نے فرمایا کہ دنیا سے محبت اور موت سے نفرت۔

برادران عزیز! آج ہم میں وہن اور کراہتہ الموت کی بیماری پیدا ہو چکی ہے ہماری ہیبت اور رعب مخالفوں کے دلوں سے نکل گیا ہے۔ ہم کوڑے کرکٹ ہیں کہ جس کو پانی جہاں چاہے بہا لے لئے

جاتا ہے۔ ہم میں خودداری اور خود اعتمادی نہیں ہے۔ یہی سبب ہے کہ ہم اکثریت سے گھبراتے ہیں اور اپنے نفس پر اپنے جہاد پر اور اپنی قربانیوں پر بھروسہ نہیں رکھتے۔ حالانکہ ہندوستان کے حدود اربعہ میں ہندوستان کی ریاستیں اور سلطنتیں اسلامی اقلیت کی فن محنت کے لئے کافی ضمانت ہیں اگرچہ ہمیں خود اپنے نفس پر اعتماد کرنا چاہیئے مگر گرد و پیش کی اسلامی حکومتوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا مسلمانوں کو نہ انگریز سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت ہے اور نہ ہندوستان کی اکثریتوں سے کیونکہ یہ خوف تو بخود ہماری تباہی کا موجب ہوگا جو ہمارے اندر غلامی کے عناصر بہت زیادہ پیدا کر دے گا۔

صوبہ سندھ کی علیحدگی

محترمین! اب ایک اور اہم مسئلہ بھی ہمارے سامنے ہے جس کو صوبہ سندھ کی علیحدگی کا مسئلہ کہا جاتا ہے آج سے دس بارہ سال پیشتر یہ مسئلہ سندھ کے ہندو مسلمانوں کا متفقہ مسئلہ تھا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ صوبہ سندھ کی علیحدگی پر ہمارے ہندو بھائی زیادہ مصر تھے اور ان کی متفقہ خواہش تھی کہ اس صوبہ کو مستقل حیثیت دی جائے اور بمبئی سے اس کا کوئی تعلق نہ رکھا جائے۔ آج مسلمان سندھ کی علیحدگی پر جو دلائل و شواہد پیش کر رہے ہیں وہی دلائل کسی زمانہ میں ہندوؤں کی جانب سے پیش کئے جاتے تھے لیکن جب سندھ کے مسلمانوں نے اس مسئلہ کو اپنا نصب العین قرار دے لیا تو برادران ہنود نے مسلم اکثریت سے بے معنی خوف کھا کر اس کی مخالفت شروع کر دی اور اس کو ہندو مسلم سوال بنا کر باہمی پیچیدگیوں میں ایک اور پیچیدگی کا اضافہ کر دیا۔ حالانکہ سندھ کے جغرافیائی، لسانی، تہذیبی اور تمدنی حالات اس امر کے متقاضی ہیں کہ اس کو بمبئی سے کوئی تعلق نہ رکھنا چاہیئے۔ قدرت کے ہاتھوں نے اس کو خود علیحدہ بنایا ہے اور یہاں کی اکثریت بھی اسی کی حامی ہے مگر بعض کوتاہ نظر اور تاریک خیال ہندوؤں کی طرف سے پھر بھی اس کی مخالفت کی جاتی ہے اور مسلمانوں کی سعی میں روڑے اٹکائے جاتے ہیں۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ یہاں کی مسلم اکثریت سے ہندو اپنے کو محفوظ نہیں پاتے اور کبھی مالی و انتظامی عذرات پیش کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ ان عذرات کا واقعات سے کوئی تعلق نہیں۔ ہندو اقلیت کا تحفظ اس سے زیادہ اس وقت ہوگا جبکہ یہ صوبہ اپنی مستقل حیثیت اختیار کر لیگا صوبہ سندھ کے برادران وطن باوجود اقلیت کے تعلیم میں مسلم اکثریت پر فائق ہیں۔ ان کے کالج اور بے شمار درس گاہیں ہیں ان کا پریس مضبوط ہے ان کے انگریزی، ہندی اور سندھی اخبارات تمام صوبہ سندھ کے بڑے مقامات سے نکالے جاتے ہیں اور ان کے اندر تمدنی، سیاسی اور تعلیمی ذہنیت ترقی پذیر ہے اس لئے

ان کو مسلم اکثریت سے کوئی بھی خوف یا اندیشہ نہیں ہو سکتا اور نہ ہونا چاہیئے۔

واقعات سے سندھ کے مسلمان یہ حقیقت واضح کر چکے ہیں کہ سندھ اپنا بار خود برداشت کرنے کے لئے تیار ہے اور اس کو ہرگز کسی دوسرے صوبہ کا دست نگر بننے کی ضرورت نہیں ہے بالخصوص سکھر بیراج کی تکمیل کے بعد تو سندھ اس قابل ہو جائے گا کہ کسی چھوٹے موٹے صوبہ کی وہ خود پرورش کر سکے کیونکہ دریائے سندھ کے پانی سے تمام سندھ سیراب ہوگا اور آمدنی کے ذرائع میں معتدبہ اضافہ ہو جائے گا۔ خدا کا شکر ہے کہ کانگریس کے قوم پرور لیڈروں نے علیحدگی سندھ کی طرف اپنا میلان ظاہر کر دیا ہے اور لندن کی گول میز کانفرنس میں بھی اس کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔ حالات خواہ کچھ ہی ہوں لیکن مسلمان صوبہ سندھ کی علیحدگی کے مسئلہ سے کبھی دست بردار نہیں ہو سکتے۔

سندھ کی علیحدگی پر ان کا سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ وہ ایک چھوٹا سا صوبہ ہے اور ایک علیحدہ حکومت کے مصارف برداشت نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ اعتراض وارد کرتے وقت وہ آسام کی مثال بھول جاتے ہیں جو رقبہ اور آبادی میں سندھ سے زیادہ اور آمدنی میں اس سے کم ہونے کے باوجود ایک مستقل حکومت کے مصارف برداشت کر رہا ہے۔ سندھ کا رقبہ ۴۷،۰۶۶ مربع میل ہے اور آسام کا ۵۶۹۵۹۔ سندھ کی آبادی ۳۲۷۹۳۷۷ ہے اور آسام کی آبادی ۶۶۰۶۲۳۰۔ مگر اس کے باوجود سندھ کی آمدنی تقریباً ۴ کروڑ ہے اور آسام کی آمدنی صرف ۲ کروڑ ۳۴ لاکھ، پھر جب آسام اپنی حکومت آپ چلا رہا ہے تو سندھ کیونکر نہیں چلا سکتا۔ اس تقابل سے مالیات کے متعلق ان معترضین کی عذر لنگ کی حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔

لیکن اس سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ آج جو لوگ سندھ کی علیحدگی کے سب سے زیادہ مخالف ہیں کل وہی اس کی موافقت میں سب سے زیادہ سرگرم تھے مسٹر ہرچند رائے وشن داس آنجہانی نے ۱۹۱۳ء میں کانگریس کے اٹھائیسویں اجلاس منعقدہ کراچی کے صدر مجلس استقبالیہ کی حیثیت سے جو ذمہ دارانہ خطبہ دیا تھا اس میں اسی مسئلہ کے متعلق یہ خیالات ظاہر فرمائے تھے۔

۱۸۴۳ء میں برطانیہ نے سندھ کو فتح کیا تو سر چارلس نیپیئر [SIR CHARLES NAPIER] کی گورنری میں اس صوبہ کا الگ انتظام ہوتا رہا۔ ۱۸۴۷ء میں ان کے بعد اُسے بمبئی کے صوبے سے ملحق کر دیا گیا جو اب تک ہے۔ گو سندھ کے کمشنر کو صوبہ بمبئی کے دوسرے کمشنروں کے خلاف لوکل گورنمنٹ کے بہت سے اختیارات حاصل ہیں۔ صوبہ سندھ اس وقت بھی باعتبار جغرافیہ یا باعتبار اپنے باشندوں کے اس قسم کی تمام خصوصیات رکھتا ہے جو اس کے ایک الگ صوبہ بننے کے لئے کافی ہیں۔ صوبہ پنجاب کی للچائی ہوئی نظریں

ھمیں اور وہ اسے اپنے ساتھ شامل کرنے کا دعویٰ کر رہا ہے۔ دہلی دربار کے بعد سے ورصورت اختیار کر لی ہے لیکن سندھ نے ان تمام مطالبات کی مخالفت کی اور صوبہ بمبئی سے ہنا پسند کیا، تاوقتیکہ اُس کے اچھے دن نہ آجائیں اور وہ الگ ایک صوبہ کے تمام اختیارات کو رلے۔

پھر ۱۹۱۸ء میں ان ہی مسٹر ہرچندرائے نے اسپیشل سندھ پراونشل کانفرنس کے صدر کی حیثیت نیٹگو [MR. E. S. MONTAGU] اور لارڈ چیمسفورڈ [LORD CHELMSFORD] ضداشت بھیجی تھی جس کے دسویں پیراگراف میں انہوں نے سندھ کی علیحدگی کا اس طرح پُرزور یا ہے:۔

ہم یہ محضر پیش کرنے والے آپ کے سامنے اپنے خیال کو پیش کرنے کی جرأت کرتے ہیں کہ اگر ہندوستان ت خود اختیاری کا مفاد ساڑھے تین لاکھ باشندگان سندھ کے لئے جو ستر سال سے ایک ایسی عنان حکومت کے ماتحت ہیں جو صوبہ سرحد اور بلوچستان کے سوا اور کہیں نہیں ہے کوئی حقیقت ہے تو ضرورت ہے کہ اگر اس صوبہ کو ایک آزاد خود مختار صوبہ بنانا اور اُسے ایک مستقل عدالت منظور نہیں ہے تو کم از کم اُسے حکومت بمبئی کے براہ راست ماتحت کر دیا جائے اور ان تمام قواعد جن کی رُو سے کمشنر سندھ کو اختیارات خصوصی حاصل ہیں اس طرح ترمیم کر دی جائے یا انہیں بدل دیا جائے کہ کمشنر سندھ کا درجہ اس صوبہ میں وہی ہو جو صوبہ بمبئی میں دوسرے کمشنروں کا ہے، تیارات انہیں حاصل ہیں وہ کمشنر سندھ کو بھی ہوں نیز گورنر بمبئی سال کا کچھ حصہ کراچی میں بسر ورنر کی مجلس منتظمہ کے ارکان سندھ میں دورہ کرنے کے لئے اب سے زیادہ وقت نکالیں اور بمبئی م از کم ایک اجلاس ہر سال کراچی میں ہوا کرے۔"

الفاظ اپنی تشریح آپ کر رہے ہیں اور ہر شخص خود سمجھ سکتا ہے کہ آج سندھ کی علیحدگی کے خلاف جو آواز ہی ہے اسکی تہ میں کون سا جذبہ کارفرما ہے۔ بہرحال میں اس امر کا صاف طور پر اظہار کر دینا چاہتا سندھ کی ۳۲ لاکھ آبادی کے مفاد سے ہم کو ہرگز غفلت نہ کرنی چاہیئے اور باتفاق یہ مطالبہ کرنا چاہیئے علیحدہ صوبہ کے ماتحت ترقی دینے کا موقعہ دیا جائے۔

صوبہ سرحد میں اصلاحات

گان ملت! حکومت ہند نے اب تک صوبہ سرحد و بلوچستان کو ان کے قدرتی حقوق سے محروم

کر رکھا ہے۔ پہلے تو ہندوؤں کی مخالفت کا بہانہ لے کر حکومت ان صوبوں میں بے آئینی کے کرشمے دکھاتی رہی لیکن اب اُس کے پاس کوئی ایسا عذر نہیں ہے جو اس کی استبدادیت میں کام آسکے۔ تمام ہندوستان کے برادرانِ وطن نے صوبہ سرحد کے اصلاحات کے نفاذ پر اپنی مہر تصدیق ثبت کر دی ہے اور پنڈت جواہر لال نہرو نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ سرحد کے مسلمانوں نے اپنے خون سے اپنے حقوق محفوظ کرائے ہیں جن کو اب کوئی غصب نہیں کر سکتا۔ میں تو کہتا ہوں کہ سرحد کے مسلمان اپنے قلم سے اپنے مطالبات لکھ دیں۔ میں اُن پر دستخط کر دوں گا۔"

اب تک سرحدی مقامات میں بے آئینی اور جبر و تشدد کا دورہ رہا ہے اور اس غیور و صبور قوم کو انتہائی بے دردی سے تباہ کیا گیا ہے جو تمام ایشیاء کے لئے فخر و ناز ہے لیکن اب وہ وقت گذر چکا ہے اور جدید انقلاب نے اس کی جگہ لے لی ہے اس لئے حکومت کو بھی اپنی متشددانہ پالیسی چھوڑ کر ایسا رویہ اختیار کرنا چاہیئے جس سے اس قوم کے حقوق محفوظ ہو جائیں اور کوئی غارت گرانہ پالیسی ان کے اصلاحی کاموں میں اثر انداز نہ ہو سکے۔

حکومت نے تیراہ کے مسلمانوں پر جو ظلم ڈھائے ہیں اور آزاد قبائل کو جس بُری طرح کچلا ہے ہم اس کی اس سفاکی کو نہایت نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور قدرت کے فیصلہ کے منتظر ہیں جو ظالم کو اس کے کیفر کردار تک پہنچائے بغیر نہیں چھوڑتی۔ اللھم انصر عساکر الموحدین واخزل من خذلہم۔

آمین

داخلی اصلاحات

عمائدینِ قوم! ہندوستان کے مسلمانوں کی جو حالت ہے وہ آپ سے پوشیدہ نہیں ہے مسلمانوں کی زندگی کا ہر شعبہ اصلاح و تجدید کا محتاج ہے یہ سچ ہے کہ جب تک نظامِ حکومت میں خاص تبدیلیاں نہ ہوں گی اس وقت تک مسلمانوں کا مذہب اور تمدن محفوظ نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر اُس وقت کا انتظار کیا جائے اور ان کی مکمل اصلاح کے لئے کوئی قدم نہ اُٹھایا جائے۔ تو پھر مسلمانوں کی رہی سہی زندگی بھی ختم ہو جائے گی۔ اسلامیانِ ہند میں جو خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں۔ ان سب کا محور وحدۃ کلمہ کا فقدان اور لامرکزیت کی عالمگیر وبا ہے جو ہمارے ہر شعبۂ زندگی پر مسلط ہو گئی ہے۔ اگر آج ہمارا ایک امام ہوتا اور ہم اطاعت امیر کے فلسفہ سے آشنا ہوتے تو ہم آسمان شہرت پر آفتاب بن کر چمکتے اور ہماری زندگی قدسیوں اور کروبیوں کی سی زندگی ہوتی۔ اس نظامِ شرعی و تمدنی کے فقدان سے ہمارے اندر تقدم و ترقی کا کوئی ولولہ ہے نہ حریت عمل اور استقلال حیات کا کوئی جذبہ ہے اور مدافعتِ وطن اور جہاد فی سبیل اللہ کا کوئی داعیہ موجود ہے۔ نصبِ امام

مسلمانوں کا متفقہ مسئلہ ہے جو کتاب وسنت سے ماخوذ ہے مگر جس قدر یہ اہم ہے اُسی قدر مسلمان اس سے غافل ہیں. ضرورت ہے کہ ہندوستان میں شرعی امارت کا احیاء کیا جائے اور مسلمانوں کو ایک مرکز پر لانے کی کوشش کی جائے۔ مجھے اس تلخ حقیقت کے اظہار میں بھی کوئی باک نہیں ہے کہ مسلمانوں کے اختلال اور انتشار کا سبب مختلف الخیال علمار کی گروہ بندی اور فرقہ پروری بھی ہے. ہر گروہ کا ایک جُدا مطمح نظر اور ہر فرقہ کا ایک جدا قبلہ ہے اگر علماء اپنے ذاتی مفاد اور شخصی منفعت کے خیال کو ترک کرکے وحدۃ کلمہ اور اتحاد بین المسلمین کے کام کو اپنے ہاتھ میں لیں تو اُس کا انجام پاجانا کوئی مشکل اور ناممکن امر نہیں ہے یہ کام صرف علمار کے کرنے کا ہے اور اُن ہی کی ذات پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

آج ہمارے کتنے کام ایسے ہیں جو مخصوص بالشریعت ہونے کے ساتھ انگریزی عدالتوں میں رومن لار کے ماتحت انجام پاتے ہیں. نکاح، طلاق، خلع توریث وغیرہ سب انگریزی قوانین کے رحم وکرم پر موقوف ہیں. حالانکہ انگریزی عدالتوں میں اسلامی احکام کو باطل کیا جاتا ہے اور شرعی وفقہی مسائل پر رومن لار کو ترجیح دی جاتی ہے لیکن اس میں سراسر ہمارا ہی قصور ہے. اگر ہم امارت شرعیہ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں قائم کر دیتے تو یہ مصیبت کبھی کی ختم ہوجاتی اور مسلمان اپنے مذہبی احکام کے اجرار ونفاذ میں بالکل آزاد ہوتے۔

خاتمہ سخن

رہبران قوم! سطور بالا میں جو کچھ عرض کیا گیا وہ اپنے جذبات اور احساسات کی ترجمانی ہے ممکن ہے کہ بعض باتوں سے کسی کو اختلاف ہو مگر اصولاً ہم نے انہیں باتوں کا ذکر کیا ہے جن کے متعلق کسی کو بھی مجال سخن نہیں ہوسکتا۔

یہاں پر میں اپنے رفیق کار مولوی حکیم فتح محمد صاحب سیوہانی صاحب سعادت وسیادت سید شریف حسین صاحب مرچنٹ وحافظ نصیر احمد صاحب ومسٹر حسن علی ہوتی صاحب ومسٹر غلام حسین غفور بھائی صاحب وشیخ عبدالعزیز صاحب ومولوی محمد عثمان صاحب فارقلیط دہلوی. مولوی قاضی احسان احمد صاحب امام ومتولی شاہی جامع مسجد شجاع آباد کا خصوصاً اور دیگر رفقار صالحین کا عموماً شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس عظیم الشان کام میں میری دست گیری فرماکر سارا انتظام حسنِ انجام کو پہنچایا. اللہ تعالیٰ اُن کو جزائے خیر دے اور ایسے نیک کاموں کے ساتھ دلچسپی رکھنے اور سرانجام دینے کی مزید

توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

میرا دل ان کریم النفس ایثار پیشہ حضرات اور کراچی کی اسلامی انجمنوں کے اراکین کو بھی دعائے خیر سے یاد کرتا ہے جن بزرگانِ قوم و محسنانِ ملّت نے اس اہم کام کے لئے مالی و اخلاقی مدد فرمائی ہے۔ اگر یہ حضرات دستِ کرم کشادہ نہ فرماتے تو ہماری کامیابی موہوم رہ جاتی۔ اس کے ساتھ ساتھ میں کراچی کی مسلم پبلک کا بھی ممنون ہوں جو اس کام میں دلچسپی کے ساتھ شریک ہوئے۔ میں اپنے اُن بھائیوں کے حق میں بارگاہِ ایزدی سے دُعا خواہ ہوں کہ الہ العالمین ہمارے ان بھائیوں کو صراطِ مستقیم پر چلا کر ان کو اپنی جناب اور جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک سُرخرو فرمائے۔ آمین

نمقہٗ محمد صادق الکھڈوی الکراصوی
صدر مجلس استقبالیہ اجلاس دہم
جمعیۃ علمائے ہند کراچی سندھ

ماخذ: مولانا محمد صادق، خطبہ استقبالیہ۔ اجلاس دہم جمعیت العلماء ہند منعقدہ ۳۱ مارچ ۱۹۲۱ء بمقام کراچی (سندھ)، کراچی ت ن، ۱۸۲ ص۔

۲۷

خُطبۂ صدارت از مولانا ابوالکلام آزاد

الحمد للہ وحدہٗ۔ حضرات یہ دوسرا موقع ہے کہ آپ نے مجھے اس محترم جمعیۃ کی صدارت کی عزّت عنایت فرمائی۔ آپ نے مجھے بار بار اس عزّت سے مشرف کرنا چاہا۔ مگر صورتِ حال نے مجھے اس عزّت افزائی سے محروم رکھا۔ جس وقت مجھ سے صدارت کے لئے کہا گیا تو مجھے تامل ہوا۔ تامل اس لئے تھا کہ بیک وقت کئی اجلاس پیش آجانے کے باعث مجھے مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ میری فطرت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ میں ہمیشہ صدارت کے منصب سے گھبراتا ہوں۔ اس دفعہ مولانا محمد صادق صاحب (صدر مجلس استقبالیہ) کا تار مجھے دہلی میں ملا اور سندھ کے صوفیاء اور اکابر نے بھی مجھے لکھا۔ اس سلسلہ میں مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب اور مولانا احمد سعید صاحب بھی مجھے ملے لیکن ایک ہفتہ تک میں اس کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ میرے سکوت کے کئی اسباب تھے۔ منجملہ ان کے ایک یہ تھا کہ کانگریس کی مسلسل کارروائیوں میں شرکت کے باعث میرا دماغ اس قابل نہ رہا تھا کہ اس محترم جمعیۃ کی صدارت کے فرائض کو انجام دیتا لیکن جب بار بار مجھے لکھا گیا تو میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے اس پیشکش کو قبول کر لینا چاہیئے۔ ان مسلسل پریشانیوں کے باعث میں خطبۂ صدارت بھی نہ لکھ سکا۔ اب جو کچھ عرض کرونگا وہ صرف زبانی ہوگا اور بجائے طول و طویل تقریر کے صرف میں چند ارشادات کروں گا اور چند مسائل کیطرف دعوتِ

آپ کو یاد دلاؤں گا میں اپنی فہم و بصیرت کے مطابق اپنے چند خیالات بھی پیش کروں گا اس لئے آپ کو کسی شاندار تقریر کی اُمید نہ رکھنی چاہیئے۔

مسلمانوں کی غفلت

اب سے پندرہ سال بیشتر ہندوستان کے مسلمانوں کے سامنے نہ کوئی سیاسی پروگرام تھا نہ راہِ عمل۔ انڈین نیشنل کانگریس اس سے بہت پہلے قائم ہو چکی تھی اور وہ برابر مصروفِ عمل تھی لیکن مسلمان مجلسی اور جماعتی حیثیت سے سیاسی تحریکات سے علیحدہ رکھے گئے۔ اس وقت اُن سے بار بار میں نے کہا کہ اپنے اندر سیاسی بیداری اور احساس پیدا کرو مگر کسی نے شنوائی نہیں کی۔ میں نے پندرہ سال قبل مسلمانوں کو اس بات کی دعوت دی کہ مسلمانوں کی خودکشی اور موت اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی کہ وہ ہندوستان میں سیاسی جدوجہد سے کنارہ کش رہیں۔ الہلال میں بھی بار بار اس حقیقت کا اظہار کیا۔ اِس وقت میرا کوئی ہمنوا نہ تھا اور میری صدا فردِ واحد کی صدا تھی لیکن اس قلیل عرصہ میں غالباً دو سال کے بعد حالات نے پلٹا کھایا اور جو سد کانگریس اور مسلمانوں کے درمیان قائم ہو چکی تھی وہ ٹوٹ گئی اور ۱۹۱۹ء میں وہ انقلاب آیا جس کو خلافت کی تحریک یا ترکِ موالات کی مہم سے یاد کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں نے اس تحریک میں نہایت جوش سے حصہ لیا کیونکہ یہ ایک خالص مذہبی تحریک تھی۔ ہندوؤں کا اگرچہ اس تحریک سے کوئی تعلق نہیں تھا مگر انہوں نے بھی اس میں نمایاں حصہ لیا اور میں کہوں گا کہ گاندھی جی نے اس کو تحریک وطنی کے پروگرام میں شامل کیا۔ لیکن گذشتہ گیارہ ماہ میں مسلمانوں کا جو سیاسی قدم اُٹھا ہے وہ خالص پبلک کی آزادی کے لئے ہے

عقائد و افکار میں استقامت

میرے عقائد و افکار چھپے ہوئے نہیں۔ ۱۹۱۹ء سے آج ۱۹۳۱ء تک ایک لمحے کے لئے بھی میرے خیالات میں کوئی تغیر رونما نہیں ہوا۔ گزشتہ چھ سال کے عرصے میں بڑے بڑے تغیر ہوئے اور سیاسی عقائد میں مختلف موجیں اُٹھیں مگر چونکہ میرے عقائد کی بنیاد بصیرت پر تھی اس لئے ان میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ آزمائش کی گھڑیاں آئیں اور نکل گئیں ہندو مسلم فسادات اور تقابل تحریکیں جاری ہوئیں اور فنا ہو گئیں جن سے لازمی طور پر ملک میں ہیجان پیدا ہوا اور ایسے سیلاب آئے جن میں وہ لوگ پرِ کاہ کی طرح بہہ گئے جن کو اپنی استقامت پر فخر تھا اور بجا فخر تھا لیکن ان حوادث میں آپ نے

نہائت تلخی اور ناگواری سے محسوس کیا کہ میرے عقائد میں جو بصیرت کی روشنی پر مبنی تھے کوئی تنزل واقع نہیں ہوا میں جس مقام پر کھڑا تھا وہیں کھڑا رہا اور پائے استقامت جنبش سے آشنا نہ ہوئے۔ اس انقلاب کے اندر میں محسوس کر رہا تھا کہ میری عالمگیر مقبولیت پامال ہو رہی ہے مگر میں برابر تماشا دیکھتا رہا خصوصاً اس صورت میں جب میں یہ سمجھتا تھا کہ صرف ایک مضمون لکھ کر اور چشم و ابرو کا صرف ایک اشارہ کر کے مقبولیت کو بچا سکتا ہوں۔ اس وقت میرے دوست و عزیز میرے پاس آکر کہتے کہ تمہارا عقیدہ مسلک خواہ کچھ بھی ہو لیکن مصلحت وقت کا تقاضا یہی ہے کہ کوئی بیان دے دو جس میں کوئی اصولی تبدیلی بھی نہ کرنی پڑے ان چیزوں نے میرے دماغ میں ہنگامے برپا کر دیئے لیکن زبان پر قفل چڑھا رہا اور میں ایک لفظ زبان سے نہ بول سکا میں محسوس کرتا ہوں کہ آپ نے میری انتہائی عزت افزائی فرمائی اور جمعیۃ العلماء ہند کے اجلاس لاہور کے موقع پر آپ نے میرے سامنے امامت پیش کی لیکن چونکہ حالات و واقعات ناموافق تھے اس لئے میں راہ حق سے متزلزل نہ ہوا اور مٹھی بھر انسانوں کی خاطر میں نے مبنی بر صداقت حقائق کو نہ چھوڑا۔ مجھے کہنے دیجئے کہ ایک راہنما کے لئے اپنی مسلمہ قبولیت کو پارہ پارہ ہوتے دیکھنا اور اپنے صحیح مسلک پر قائم رہنا بہت بڑی قربانی ہے۔ میں ایک لمحہ کے لئے بھی ندامت محسوس نہیں کرتا بلکہ اپنے آپ کو مستحق مبارکباد سمجھتا ہوں۔ میرا عقیدہ اب بھی وہی ہے جو ۱۹۱۹ء میں تھا اور میں اس کو حق سمجھ کر مسلمانوں کو بھی اس کی دعوت دیتا ہوں۔

نہرو رپورٹ پر اظہار خیال

گذشتہ سیاسی واقعات میں ایک نہرو رپورٹ ہے جس کی طرف مولانا محمد صادق صاحب نے اپنے خطبے میں اشارہ کیا ہے میں مجرم ہوں گا اگر اس کے متعلق حقیقت کو چھپاؤں۔ نہرو رپورٹ کے متعلق میرا اب تک وہی خیال ہے جو پہلے تھا۔ میں اس کو مسلمانوں کے حقوق کا بہتر سے بہتر فیصلہ سمجھتا ہوں اور میں اس کے لفظ لفظ سے متفق ہوں۔ اگرچہ اب نہرو رپورٹ کا کوئی سوال باقی نہیں رہا لیکن جب بھی کبھی ہندو مسلم سوال کا فیصلہ کرنا ہوگا تو اس کا بہترین حل وہی ہوگا جو نہرو رپورٹ میں مندرج ہے میری یہ رائے میری علم و بصیرت پر مبنی ہے جو ممکن ہے غلط ہو مگر اب تک میرے سامنے ایسے دلائل نہیں آئے ہیں جن کے پیش نظر میں اپنے خیال کو ترک کر دوں۔

سیاسیات میں مسلمانوں کا حصّہ

موجودہ تحریکِ سیاسیات میں مسلمانوں کے لئے بہت آزمائشیں پنہاں تھیں۔ ۱۲ر مارچ ۱۹۳۰ء سے اس مہم کا آغاز ہوا اور ۸ر مارچ ۱۹۳۱ء کو اس کا عارضی اختتام ہوا۔ آپ کو معلوم ہے کہ حالات میں بتدریج تبدیلیاں واقع ہوئیں اور مسلمانوں کے لئے ایسا وقت آیا کہ ایک طرف سیاسی میدان میں مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روکنے کے لئے حکومت سر توڑ کوشش کرتی رہی اور اُس نے پوری قوت کے ساتھ مسلمانوں کو سیاسیات سے علیحدہ رکھنے کی کوشش کی۔ دوسری طرف کچھ مسلمان تھے جن کی ساری کوششیں اس بات کے لئے وقف تھیں کہ مسلمان کسی طرح تحریک میں شامل نہ ہوں لیکن ان کوششوں کے باوجود دنیا نے دیکھا کہ سیاسی حالات سے مجبور ہو کر ہر صوبہ کے مسلمانوں نے تحریک میں کافی حصہ لیا اور پنجاب، بنگال اور صوبہ سرحد کے مسلمانوں نے اس سلسلہ میں زبردست قربانیاں دیں۔ پنجاب کی سرگرم جماعت جو اکثریت کی نمائندگی کا دعویٰ کرتی ہے اس تحریک میں آغاز ہی سے شامل رہی۔ صوبہ بنگال کے وہ مسلمان جو ۱۹۲۱ء کی تحریک میں شامل تھے وہ موجودہ تحریک میں بھی پوری قوت سے شامل رہے ۲۳ر اپریل کو پشاور میں جو خونی حادثہ پیش آیا اُس نے تمام ہندوستان کا سر بلند کر دیا اور دُنیا پر ثابت کر دیا کہ صوبہ سرحد کے مسلمان کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔

امروہہ کا فیصلہ

اس سلسلہ میں آپ کی محترم جماعت جمعیۃ علماء ہند نے نہایت تدبر سے اپنے امروہہ کے اجلاس میں ۶ر مئی کو فیصلہ کیا کہ مسلمان اس تحریک میں شامل ہوں۔ آپ کے اس فیصلے نے ملک کی تحریک اور عام مسلمانوں کی ذہنیت پر خوشگوار اثر ڈالا۔ آج اس سلسلہ میں بڑے فخر کے ساتھ جمعیۃ علماء کا نام لیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ حکومت نے مسلمانوں کو اس تحریک میں حصہ لینے سے ہر طرح روکا لیکن جمعیۃ کے فیصلے کے بعد حکومت کو سخت ناکامی سے دوچار ہونا پڑا اور جمعیۃ کی بروقت رہنمائی نے حکومت کے تمام منصوبے خاک میں مِلا دیئے۔ جمعیۃ کے فیصلہ کے بعد مسلمانوں نے تحریک حاضرہ میں جو نمایاں حصہ لیا وہ اگرچہ ان کے شایانِ شان نہ تھا مگر نتائج کے اعتبار سے کچھ کم بھی نہ تھا۔ اگر مسلمان اس تحریک میں حصہ نہ لیتے تو نتائج کے وقت ان کو کوئی حق نہ تھا کہ اپنا دامن پھیلا کر کھڑے ہو جاتے۔ غرض مسلمانوں نے اجلاس

امروہہ کے بعد گیا، ۱۰ء کے عرصہ میں شاندار واقعات تاریخ کے حوالے کر دیئے۔

مسلمانوں کی ایک سیاسی غلطی

مسلمانوں نے ایک زبردست سیاسی غلطی کی ہے وہ یہ کہ مسلمان ہمیشہ یہ دیکھتے رہے کہ جو کچھ ملنے والا ہے اس میں ہمارا کتنا حصہ ہے؛ حالانکہ ان کو محسوس کرنا چاہیئے تھا کہ اس کے ملنے میں ہماری کس قدر ذمہ داری ہے جب قربانیاں کرنے کا وقت ہو تو مسلمان ایک گوشہ میں رہیں بلکہ آزادی کے راستے میں پتھر بن کر پڑ جائیں جب ایک قوم قربانیاں کر کے کچھ حاصل کرے تو مسلمان دامن پھیلا کر بٹوارہ کی التجا کریں جب خوانِ نعمت بچھا دیا جاتا ہے تو مسلمان آکر ہاتھ پھیلاتے ہیں کہ ایک قاش ہمیں بھی دیدو ہندوستان کے سات کروڑ مسلمانوں کے لئے یہ طرزِ عمل قابلِ فخر نہیں کہا جا سکتا۔ یقیناً ایک ایسی قوم کے لئے جو شیوۂ خودداری رکھتی ہو یہ ذلت ناقابلِ برداشت ہے۔ تمہارے رہنما کہتے ہیں کہ مسلمان مفلس ہیں جاہل اور تعلیم میں پیچھے ہیں اس لئے اُن کا سیاست میں شامل ہونا نقصان دہ ہوگا۔ لیکن انہوں نے یہ نہ سوچا کہ مسلمانوں کو سیاست سے علیحدہ رکھنے کے لئے خواب آور گھونٹ پینا اُن کی خودکشی اور موت ہے مسلمان حکومت کے ہاتھ میں ایک ایسا پتھر بن کر رہ گئے ہیں کہ جب بھی کوئی آزادی کی تحریک جاری ہو اور احرار میدان میں نکل آئیں تو حکومت اس پتھر سے اُن کے سروں کو پھوڑ دے۔

شملہ کا پُراسرار وفد

انڈین نیشنل کانگریس اور فدا کارانِ بنگال کی جد وجہد کا نتیجہ تھا کہ ہندوستان میں منٹو مارلے اصلاحات [MORLEY MINTO REFORMS] جاری ہوئیں۔ میں مسلمانوں سے کہتا ہوں کہ اس میں تمہارا کتنا حصہ ہے؛ سیاست اُس وقت تمہارے لئے شجرِ ممنوعہ تھی۔ آپ کو معلوم ہے کہ جو وفد شملہ ڈیپوٹیشن [SIMLA DEPUTATION] کے نام سے مشہور ہے اُس کی حقیقت کیا تھی؛ میں آج اس حقیقت کا اظہار کرتا ہوں کہ یہ وفد مسلمانوں نے اپنی طرف سے نہیں بھیجا بلکہ اُسے شملہ سے طلب کیا گیا تھا۔ بمبئی میں نواب محسن الملک کے نام ایک تار شملہ سے آیا کہ ایک وفد مرتب کر کے ہمارے پاس آؤ اور ہم سے کچھ طلب کرو۔ اُس وقت سر آغا خاں ولائت گئے تھے ان کو تار کے ذریعہ عدن سے واپس بُلا لیا گیا۔ اس وفد نے شملہ میں جا کر جو کچھ طلب کیا وہ سب بارگاہِ معلیٰ کا تجویز کیا ہوا تھا۔ اِس واقعہ کے دو گواہ اب تک زندہ ہیں ایک

تو مولوی رفیع الدین صاحب جو غالباً بمبئی میں منسٹر ہیں وہ شاید منسٹر ہونے کے باعث اس کی گواہی نہ دے سکیں لیکن دوسرا گواہ میں خود ہوں جو آپ کے سامنے کھڑا ہوں۔ یہ ہے ڈیپوٹیشن کی حقیقت" مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ اس وفد کا مسودہ بھی شملہ سے بن کر آیا تھا۔ اسی وقت سے سیاسیاتِ ہند میں حکومت کے اشارہ سے مسلمانوں کے نام پر فرقہ وارنیابت کا اثر داخل کیا گیا اور اُس وقت سے مسلمانوں کی سیاست کا باب شروع ہوا۔

مانٹیگو چمسفورڈ اصلاحات

اس کے بعد ملک میں ایک زبردست انقلاب پیدا ہوا۔ جنگ عظیم کے بعد ہی مانٹیگو چمسفورڈ اصلاحات [MONTAGU CHELMSFORD REFORMS] سے ہندوستان کو نوازا گیا۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ انقلاب اور اصلاحات محض قربانیوں کا نتیجہ اور ثمرہ تھا حکومت نے مسلمانوں کو جو حصہ دیا وہ اس لئے نہیں کہ اُن کا سیاسیات میں کوئی حق تھا یا انہوں نے قربانیاں کر کے اپنے حق کو محفوظ کرا لیا تھا، بلکہ صرف اس لئے اِن کو حصہ ملا کہ یہ لوگ آزادی یا سیاسیات کی راہ میں ایک منحوس رکاوٹ ہیں۔ حکومت نے سوچا کہ مسلمانوں کو کچھ نہ کچھ دے کر اس رکاوٹ کو دُور کر دینا چاہیئے۔ کیا اسلامی شرف اور خودداری اسی کا نام ہے۔

جمعیتہ علماء کا پُر فخر فیصلہ

یہ جو کچھ بھی ہوا برادرانِ وطن کی جاں نثاریوں کے صدقہ میں ہوا لیکن بتاؤ تم نے اب تک کیا کیا۔ اکثریت تمہیں نظر انداز نہیں کر سکتی۔ ملک کی ترقی کے لئے وہ تمہیں اپنے ساتھ گھسیٹنے پر مجبور ہے کیا سات کروڑ فرزندانِ توحید کی خودداری کا اقتضا یہی ہے کہ وہ ملک کی سیاسیات میں کوئی قابلِ فخر جگہ حاصل نہ کر سکیں بحالی سیاسات کر مٹرنہیں بلکہ افسوس یہ ہے کہ جو مسلمان آزادی کے علمبردار کہے جاتے ہیں اور جن کی روش مسلمانوں کی پُر فخر پیشانی پر ندامت کا ایک سیاہ داغ ہے۔ جمعیتہ علماء کے فیصلہ کے بعد ۱۶ ہزار مسلمان جیلوں میں گئے اور پانچ سو کے قریب مسلمانوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔ سنہ ۱۹۲۰ء کی تحریک میں مسلمانوں نے جو شاندار قربانیاں دیں وہ مسلمانوں کے ایک مذہبی مسئلہ کے سلسلہ میں ہوئیں اور اس میں قربانیاں کر کے انہوں نے ملک پر کوئی احسان نہیں کیا بلکہ غیروں نے اس تحریک میں شامل ہو کر مسلمانوں پر احسان کیا ہے البتہ موجودہ تحریک میں مسلمانوں نے جو کام کیا وہ خالص ملکی اور وطنی جذبہ سے سرشار ہو کر کیا ہے پس جمعیتہ العلماء ہند نے گیارہ

ماہ پیشتر جو فیصلہ کیا وہ ایسا فیصلہ تھا جس کا تمام مسلمانوں کو شکر گزار ہونا چاہیئے۔

شاردا ایکٹ [SARDA ACT]

اس سلسلہ میں جمعیۃ العلمأ ہند نے ایک دوسری تحریک میں اپنی پوری طاقت سے حصہ لیا۔ اس تحریک کا نام شاردا ایکٹ [SARDA ACT] ہے۔ میں نے اس کے متعلق پیشتر بھی اپنی رائے کا اظہار کر دیا تھا اور اب بھی کہتا ہوں کہ صغر سنی کی شادی اسلامی روح کے خلاف ہے۔ صغر سنی کی شادی کی حمائت اسلام کی کوئی بہتر خدمت نہیں ہے۔ میں اپنی بصیرت کے مطابق یہ رائے رکھتا ہوں کہ اسلام میں صغر سنی کی شادی مستحسن نہیں ہے اور اسلامی ممالک میں بھی یہ رسم معدوم یا بہت کم ہے۔ بلاشبہ اسلام میں اس کے لئے ایک دروازہ کھُلا ہوا ہے یعنی مجبوری کی حالتوں میں اور خاص خاص صورتوں میں صغر سنی کی شادی کا جواز ملتا ہے لیکن اسمبلی میں جس صورت میں یہ قانون منظور ہوا اس کو کسی طرح برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے میری رائے ہے کہ آئندہ کانسٹی ٹیوشن (دستور اساسی) میں اس کو شامل نہ کیا جائے۔

شرعی احکام کے تحفظ کی ضرورت

میں سمجھتا ہوں کہ مسلمان جیسی قلیل جماعت کے لئے مذہبی احکام کے تحفظ کی سخت ضرورت ہے نکاح طلاق اور ورثہ کے قوانین مسلمانوں کے لئے محفوظ ہونے چاہیئں۔ عدالتوں میں جو قوانین مروج ہیں اور جن کو محمڈن لا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے وہ سخت ناقص اور مسلمانوں کے لئے مضر ہیں اور ان سے مسلمانوں کا تحفظ نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں میں بعض ایسے اشخاص بھی موجود ہیں جو نہ تو عورتوں کے ساتھ تصریح باحسان کا سلوک کرتے ہیں اور نہ اُن کے حقوق ادا کرتے ہیں بلکہ اُن کو معلقہ رکھ چھوڑتے ہیں۔ عدالتوں سے جواب ملتا ہے کہ طلاق کے سوا عورتوں کی بہتری کی کوئی اور صورت محمڈن لا میں موجود نہیں ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر عورتوں کی زندگیاں خراب ہو رہی ہیں حالانکہ فقہ حنفیہ میں ان تمام مشکلات کا حل موجود ہے۔

ہندو مسلم مسائل کا حل

صلح کے بعد مہاتما گاندھی نے سب سے پہلے ہندو مسلم سوال کو حل کرنے کی طرف توجہ کی ہے مناسب تو یہ ہے کہ جمعیۃ علماء ہند ایک ایسی کمیٹی مقرر کرے جو دوسری جماعتوں کے ساتھ تبادلہ خیالات کرے

جس طرح جمعیۃ علماء نے جنگ کے دوران شاندار کام کئے ہیں۔ اُمید ہے کہ وہ صلح کی خوشگوار فضا میں
شاندار کام کریگی کانگریس نے فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ ہندوستان میں تقریر وغیرہ کی آزادی ہوگی تہذیب و روایات پر دسترس نہ ہوگی بالغوں
کو حق رائے دہی دیا جائے گا۔ یہ تمام چیزیں ایسی ہیں جن سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اس لئے مناسب ہے
کہ اس مسئلہ کو آپ اس نظر سے دیکھیں کہ نچلے طبقہ کے لوگوں کے حقوق کیا ہوں گے اگر ان کے حقوق محفوظ
ہیں تو آپ کے حقوق بدرجۂ اولیٰ محفوظ ہوں گے۔

صوبہ سندھ کی علیحدگی

مولانا آزاد نے صوبہ سندھ کی علیحدگی پر چند الفاظ کہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب صوبہ سندھ جغرافیائی
اور طبع مصالح کے بنا پر علیحدگی کا متقاضی ہے تو کیوں اس کو علیحدہ نہ کیا جائے۔

اِس کے بعد فاضل صدر نے کان پور، آگرہ، بنارس اور مرزا پور کے خونی واقعات پر اپنے رنج و افسوس
کا اظہار کیا اور آیت ذیل پڑھ کر بیٹھ گئے۔

فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولئک الذین ھدٰھم اللہ واولئک
ھم الالباب۔

ماخذ : روزنامہ الجمیعۃ، دہلی ۱۶،۱۷، اپریل ۱۹۴۲ء -

۲۸

تجاویز

اس اجلاس میں بائیس تجاویز پاس ہوئیں جن میں سے اہم تجاویز کا خلاصہ یہ ہے :-

۱- ہندو مسلم فسادات بنارس، مرزا پور، آگرہ، کانپور پر اظہارِ نفرت۔

۲- مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی و دیگر سیاسی قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ۔

۳- تمام فدا کارانِ آزادی بالخصوص باشندگانِ صوبہ سرحد کی جنہوں نے جنگِ آزادی میں شریک ہو کر قربانیاں پیش کیں، شکریہ۔

۴- حکومت کی طرف سے سرحدی قبائل پر جو بم باری کی گئی اس پر غم و غصہ کا اظہار۔

۵- گاندھی اردن مفاہمت [GANDHI IRWIN PACT] سے اتفاقِ رائے کا اظہار۔

۶- سول نافرمانی کا التوا، کر کے رضا کاروں کی بھرتی جاری رکھنے مسکرات اور بدیشی کپڑوں پر پکٹنگ کرنے اور دیسی کپڑے کے استعمال کی ترغیب دینے کا مشورہ۔

۷- آئندہ دستورِ اساسی میں مسلمانوں کی تہذیب و شائستگی اور پرسنل لا، کی حفاظت کا مطالبہ۔

۸- سردار بھگت سنگھ، راج گرو اور سکھدیو کی شجاعت کا اعتراف اور ان کے لئے سزائے موت کو قیدِ دوام میں نہ بدلے جانے پر اظہارِ افسوس۔

۹۔ حبیب نور کے نام اقدام قتل کے مقدمہ میں چوبیس گھنٹے کے اندر پھانسی دینے پر حکومت سرحد
ناراضگی کا اظہار۔

۱۰۔ فلسطین میں برطانیہ کی یہود نواز پالیسی پر پُر زور مذمت کا اظہار۔

۱۱۔ ہندو مسلم مفاہمت کا مسودہ مرتب کرنے کا اختیار مجلس عاملہ کو۔

۱۲۔ صوبہ سرحد کے متولیانِ اوقاف سے مدارسِ دینی قائم کرنے کا مطالبہ۔

[illegible]

باب یازدہم

اجلاس یازدہم، دہلی، ۳،۴،۵ مارچ ۱۹۳۹ء

(۱۱،۱۲،۱۳ محرم الحرام ۱۳۵۸ھ)

زیرِ صدارت

مولانا عبدالحق مدنی

۲۹

خطبۂ استقبالیہ از شوکت اللہ شاہ انصاری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمار کرام و بزرگانِ ملت!

آزادی کی جد و جہد میں ہم مسلمانانِ ہند جن فیصلہ کُن اور نازک منزلوں سے گذر رہے ہیں ان کو دیکھتے ہوئے میں بِلا تامل کہہ سکتا ہوں کہ ہمارا یہ اجلاس جمعیتہ علمار ہند کی تاریخ میں یادگار رہے گا اور اگر توفیق ایزدی ہمارے شاملِ حال رہی اور صحیح فیصلے کرنے کے بعد ہم اُن پر عمل پیرا ہو سکے تو عجب نہیں کہ یہ اجلاس مسلمانانِ ہند کی سیاسی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہو۔

دھلی کی اہمیت

مجھے خوشی ہے کہ ایسے اہم موقع پر آپ اس شہر میں جمع ہوئے ہیں جو آج ہی نہیں بلکہ صدیوں سے مسلمانوں کی تہذیب اور تمدن اور اُن کی سیاسی اور معاشی فکر کا گہوارہ رہا ہے۔ گذشتہ دور میں بارہا سلاطین اسلام نے اس دارالسلطنت میں بیٹھ کر بڑے بڑے فیصلے کئے ہیں اور فقہائے ملت اور مفتیانِ دین بڑے بڑے اہم موقعوں پر اس مرکز میں مشورے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ آپ ہی کے سلف کی صحیح ہدایات اور

رہبری کی بدولت مسلمانوں نے تقریباً سات سو برس اس ملک کو اپنی تمدنی نعمتوں سے مالامال کیا تھا۔ علمار ہند ہی کے تفقّہ فی الدین کا کرشمہ تھا کہ ہندوستان کی مختلف قومیں اور مذاہب ایک سیاسی محور پر جمع ہوئے اور اسلامی عہد میں ہمارے وطن کی سماجی بیگانگی سیاسی، تمدنی اور کلچرل وحدت سے بدل گئی جس کی بدولت ہم آج ہندوستان میں قومی اور وطنی تحریک کی شاندار اور مستحکم عمارت بنانے میں کامیاب ہو رہے ہیں۔

دہلی کے ایک شہری کی حیثیت سے مجھے اس خیال سے بڑی مسرت ہوتی ہے کہ پرانے زمانے کی روایات کے مطابق ہمارے شہر نے مسلمانانِ ہند کی جملہ ترقی پسند تحریکوں اور وطنی آزادی کی جدوجہد میں برابر پُرجوش حصہ لیا ہے بلکہ یہ دعوے غلط نہ ہوگا کہ بیسویں صدی عیسوی میں مسلمانانِ ہند کی سیاسی اور مذہبی بیداری کی تحریکیں اسی شہر سے شروع ہوئی ہیں یا کم از کم ان کا ہیولا اسی شہر میں تیار ہوا۔ جنگ بلقان، تحریک خلافت و ترکِ موالات، غرض کہ ہر آزادی کی جدوجہد کا سانچہ یہیں اور آپ کے ہاتھوں سے ڈھلا۔ آپ کو خوب یاد ہوگا کہ جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں کی صحیح روحانی تربیت کے خیال سے نظارۃ المعارف القرآنیہ کی بنا اسی شہر میں ڈالی گئی، جس کی بدولت ہمارے دینی اور دنیوی پیشوا ایک مرکز پر آگئے اور اس قران السعدین کا مجموعی نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی جماعت صرف مذہبی اُمور کے لئے ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کو منظم کرنے کے لئے وجود میں آئی اور آپ تفقہ فی الدین کے علاوہ ایثار و قربانی کا عملی درس دینے لگے۔ مجھے اس امر پر روحانی مسرت ہے کہ جمعیت کی ازسرِنو تنظیم اور دوسرے اہم مسائل کا فیصلہ کرنے کے لئے آپ اس مُبارک مرکز میں جمع ہوئے ہیں جہاں حضرت شیخ الہندؒ، حکیم اجمل خان صاحبؒ، مولانا محمد علیؒ اور ڈاکٹر انصاریؒ کا روحانی فیضان آج بھی کارفرما ہے۔

جمعیۃ العلمار ہند

ایسٹ انڈیا کمپنی کے تسلّط کے بعد سے آج تک علمار اسلام کی کارروائیوں اور اعمال میں ایک محکم فکر اور تواتر پایا گیا ہے۔ انگریزی حکومت کے قیام کے بعد جب عمرانی انتشار کی وبا پھیلنی شروع ہوئی اور اس ملک کے بسنے والے سیاسی اور سماجی لامرکزیت کا شکار ہونے لگے اُس وقت بھی آپ کے اسلاف اس جستجو سے بےخبر نہ تھے جو وطنی جدوجہد کی محرک ہے چنانچہ انہوں نے ملکی آزادی کی ہر تحریک کا گرمجوشی سے استقبال کیا اور غیرمسلم ہندی اقوام کے ساتھ اس معاملہ میں برابر تعاون کیا۔

اس ملک کی خوش قسمتی ہے کہ گذشتہ جنگِ عظیم سے کچھ قبل ہندوستان کی کھوئی ہوئی مرکزیہ

کے دوبارہ حاصل کرنے کا خیال ایک متعین اور موثر پروگرام کی شکل اختیار کرنے لگا۔ یہ کہیئے کہ ہندوستان کی نئی متحدہ قومیت کی تحریک نے آپ کے اسلاف کے خوابوں کی تعبیر پیش کی۔ چنانچہ اس ملک کی مختلف اقوام کو ایک نئی ذہنی وحدت اور استبداد کے خلاف عملی جدوجہد پر مجتمع ہوتے دیکھ کر آپ نے اُن کی دعوت کو لبیک کہا اور آپ بھی آزادیٔ وطن کے جہاد میں شریک ہوگئے۔ ہم سب کے لئے موجبِ مسرت ہے کہ حسب اُمید جمعیۃ العلماءٔ ہند نے مسلمانانِ ہند کی اس جدوجہد میں راہ نمائی کی اور آج ہم فخر کے ساتھ اعلان کرسکتے ہیں کہ آپ کی سیادت میں آزادی کی گذشتہ لڑائی میں مسلمانانِ ہند نے اپنے تناسب سے زائد ایثار و قربانی کا ثبوت دیا ہے اور یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ خود جمعیت کے ایک دو نہیں بلکہ صدہا اراکین اس لڑائی کی صفِ اول میں برابر لڑتے رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ جمعیتِ اسلامیانِ ہند کے مخصوص حقوق اور اقلیتوں کے تحفظات کے لئے برابر سینہ سپر رہی۔ چنانچہ اسی کی مساعی کا نتیجہ ہے کہ کانگریس نے کراچی کی تجویز میں اقلیتوں کے بنیادی حقوق کی تشریح کی اور اس طرح مسلمانوں کے مطالبات تسلیم کر لیئے گئے غرض کہ جمعیت قومی اور ملی محاذ پر برابر تن دہی سے کام کرتی رہی اور آج حضرتِ ناظم میرے بزرگ الحاج مولانا احمد سعید صاحب بجا طور پر یہ دعویٰ کرسکتے ہیں کہ "جمعیۃ العلماء ہند ہی ایک ایسی جماعت ہے جس نے مسلمانوں کی ہمیشہ صحیح راہ نمائی کی ہے اس کی بست سالہ تاریخ میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ہے جہاں اس نے اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی کی ہو۔" آج آپ کی حیثیت مسلم عوام کی رہنمائی اور وطنی آزادی کی جدوجہد میں ایک مستند اور ٹکسالی ہو چکی ہے۔

گذشتہ اجلاس مراد آباد میں کانگریس کی شرکت کا سوال پیش ہوا تو آپ نے نہایت صفائی اور دیانت داری سے اس کا اعلان کر دیا کہ آزادی کی جدوجہد کی خاطر آپ کی جماعت کے سامنے کانگریس میں شریک ہونے یا نہ ہونے کا سوال سرے سے پیدا نہیں ہوتا۔ بعض حضرات کے شکوک اور شبہات کے جواب میں حضرت ناظم نے جس وضاحت اور صفائی کے ساتھ جمعیت کی پالیسی اور طریق کار کا اعلان فرمایا وہ الفاظ میرے نزدیک ہندوستان کی انقلابی جدوجہد کی تاریخ میں آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ میرے محترم بزرگ نے فرمایا کہ :-

"جمعیت علماء ہند کے سامنے اُس کے یوم تاسیس سے لے کر آج تک ایک ہی مسئلہ اہم رہا ہے اور وہ صرف ہندوستان میں نظامِ شرعی کا قیام ہے۔ چونکہ نظام شرعی کا قیام بدون انقلاب ناممکن العمل ہے اس لئے ہم نے اس ملک کی اکثریت کے ساتھ اشتراکِ عمل کیا تاکہ ہونے والا انقلاب قریب ترین ہو جائے

ہم نے ہمیشہ اِس امر کا صراحتاً اعلان کیا ہے کہ ہم جنگ کرنے والی پارٹی کے ساتھ اشتراکِ عمل کریں گے خواہ وہ کانگریس ہو یا سوشلسٹ اور کمیونسٹ ہو فرض کیجئے کہ اگر کانگریس اپنے ہتھیار رکھ دے اور حکومت برطانیہ سے تعاون کرلے تو کیا ہم کانگریس سے اُلجھے رہیں گے ؟ نہیں بلکہ ہم کسی ایسی پارٹی کو تلاش کریں گے جو ہمارے حقیقی مقصد یعنی مکمل انقلاب کو ہم سے قریب کرنے والی ہو۔"

(بیان حضرت ناظم مطبوعہ تیج ۲۶ راگست ۱۹۳۶ء)

میرے محترم بزرگو! مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کے اس بے لوث اور بے باکانہ جذبۂ آزادی کے سامنے اپنا ہدیۂ عقیدت پیش کروں۔ مجھے اس کا اطمینان ہے کہ ملک کی بہت سی دوسری جماعتوں کی طرح آپ کے سامنے آزادی کی پُرپیچ منزلوں سے گھبرا کر پیچھے ہٹنے کا کوئی سوال نہیں۔ آپ کی جماعت صرف آگے جانے اور ہندوستان کو کامل آزادی کی انتہائی منزل تک پہنچانے کے لئے بنی ہے۔

آپ کے اس عظیم الشان پس منظر اور آپ کے ولولۂ آزادی کو دیکھ کر مجھے مجلس استقبالیہ کی صدارت کے فرائض انجام دینے میں بجا طور پر تامل اور پس وپیش ہے۔ یہ صحیح ہے کہ میری پرورش ایک ایسی ہستی کی آغوش میں ہوئی جو اپنی زندگی کے دوران میں ہندوستان کی ہر تحریک آزادی اور بالخصوص مسلمانانِ ہند کی جدوجہد میں پیش پیش تھی۔ یہ بھی صحیح ہے کہ میرے اُوپر ان تمام تحریکات کا قدرتی طور پر ایک گہرا اثر پڑا ہے اور میں نے اپنے طور پر ان سب سوالات پر تھوڑا بہت سوچا بھی ہے لیکن فی الجملہ میں ایک گوشہ نشین ہوں اور بعض وجوہ سے خاموش زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوں۔

ایسی صورت میں صدارت کے فرائض میں یہی طور پر اس طرح انجام دے سکتا تھا کہ آپ حضرات کو شرکت پر خوش آمدید کہہ کر اور اپنی اور ممبرانِ استقبالیہ کی کوتاہی اور کم مایگی کا اعتراف کرکے خاموش ہو جاتا مگر اپنے اخلاص اور آپ کی ہمدردی کے بھروسہ پر میں چاہتا ہوں کہ بعض بنیادی اُمور پر آپ حضرات کی توجہ مبذول کراؤں۔

بزرگانِ قوم! آج ہمارے ماحول کا تقاضا ایک بہت بڑا سیاسی اور سماجی انقلاب معلوم ہوتا ہے ہمارے بلکہ دنیا بھر کے معاشرہ کی نبض اس کا پتہ دیتی ہے کہ ہم شعوری یا غیر شعوری طور پر مگر لازماً ایک بہت بڑی تبدیلی سے دوچار ہونے والے ہیں۔ بقول حضرت ناظم ہم مکمل انقلاب کے حصول کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں اور خود نظامِ شرعیہ کا قیام بدون انقلاب ناممکن ہے ایسی حالت میں ہمارا پہلا کام یہ ہے کہ ہم اس سیاسی اور سماجی انقلاب کے متعلق غور کریں کہ اس کی ماہیت کیا ہے، کیسے واقع ہوگا ہم میں سے

کون کیسے اور کس طرح اس میں حصہ لے سکتا ہے؟ میں سمجھتا ہوں کہ جب تک ہم اِن مبادیات کو صاف نہ کرلیں ہمارا منزلِ مقصود کی طرف بڑھنا بہت دشوار ہے۔

انقلاب سے کیا مُراد ہے

لغوی معنوں میں انقلاب ایک بہت بڑی تبدیلی کو کہتے ہیں۔ تاریخی اصطلاح میں انقلاب سے مُرادِ وہ سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی تبدیلی ہے جو مروجہ نظامِ تمدن کو بدل کر بالکل نیا نظامِ تمدن وجود میں لائے آج سارے جہاں میں ایک اسی قسم کی انقلابی فضا ہے اور دُنیا ایک نئی کروٹ لے رہی ہے جس کی بدولت ہزاروں برس کا پُرانا نظامِ تمدن آئندہ غیر محدود زمانے کے لئے بدلنے والا ہے اس تاریخی تقاضے کو پورا کرنے میں ہم مسلمان اور ہندوستانی ہی نہیں بلکہ جملہ اقوامِ عالم بلا لحاظ ملک و مذہب شریک ہیں۔ بہت سے مفکر اس تاریخی تقاضے کو لابدی اور اٹل سمجھتے ہیں۔ مجھے اس رائے سے اتفاق نہیں ہے میں مانتا ہوں کہ معاشرہ کے تاریخی حالات نے ایسے اسباب پیدا کر دیئے ہیں کہ ایک انقلاب ممکن الوقوع اور تاریخی اعتبار سے ضروری ہے۔ مگر بہرنوع اس سماجی انقلاب کا موضوع اور اس کے محرک انسان اور ان کا ماحول ہے اور انسان اپنے ماحول کے بدلنے اور نہ بدلنے دونوں پر قادر ہے۔ جبر کا اس میں کوئی پہلو نہیں۔ ایک صحیح معاشرتی انقلاب صرف شعوری طور پر وجود میں آسکتا ہے اور آج کے صنعتی دور میں انقلاب ایک علم و فن کی حیثیت رکھتا ہے۔

اِس وقت ہمیں اور آپ کو یہ غور کرنا ہے کہ آخر پُرانے نظامِ تمدن کو بدلنے کی ضرورت کیوں واقع ہوئی ہے؟ اس کا جواب صاف اور سیدھا ہے۔ آج دنیا کو پُرانے نظام کو بدلنے کی صرف اس لئے ضرورت ہے کہ سرمایہ داری کا مروجہ نظام انسان کو خوش حالی اور ترقی کی راہوں پر آگے لے جانے سے قطعاً معذور ہوگیا ہے۔ سرمایہ داری کی بدولت انسان ذلّت اور پستی کی اُس آخری منزل پر پہنچ گیا ہے جہاں تحکم اور نفع کی خاطر انسانی روحانیت اور اخلاق تک خریدنی اور فروختنی اشیاء سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ سرمایہ داری کی آخری اور وحشتناک صورت سامراج یعنی استعماری حکومت کا طریقہ ہے جس نے اپنے وطن کے صنعتی مزدوروں کو پابند، بے بس اور غلام بنا کر ایشیا اور افریقہ کی قدیم اقوام کو اپنے استحصال کا ذریعہ بنا لیا ہے اور ان برِاعظموں کی زندگی مغربی ممالک سے بھی زیادہ ابتر ہے۔ آج مغرب اور مشرق یعنی ارضِ انسانی غاصب و مغصوب اور ظالم و مظلوم کے دو ٹوک حصّوں میں تقسیم ہوگئی ہے اور ہم ایشیائی اور افریقی

بہت سے طبقاتی اور تمدنی اختلافات ہوتے ہوئے بھی استعمار کے رشتہ سے ایک دوسرے سے لامحالہ طور پر منسلک ہوگئے ہیں اور دنیا کی اس جدوجہد میں شریک ہونے کے لئے تاریخی طور پر مجبور ہیں جو ایک نئے انسانی تمدن کی بنیاد قائم کرنا چاہتی ہے جس میں پہلی بار انسان فرقوں اور طبقوں کی زنجیروں سے آزاد ہو کر صحیح اخوت اور مساوات کی زندگی بسر کرنے کے لئے ایک طور پر مجبور ہوگا۔ یہ جدوجہد اقتصادی سطح پر ہی نہیں بلکہ اخلاقی قدروں کے لئے بھی جاری ہے۔ آج مذہب اور صحیح روحانیت، نجی ملکیت اور تفوق مدارج کی آلائشوں سے پاک ہونے کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں اور یہ جدوجہد ہمارے ملک ہی میں نہیں بلکہ دنیا بھر میں جاری ہے اس وقت جب ہم آپ اس اجلاس میں جمع ہیں چین، اسپین اور فلسطین کے کروڑوں نفوس اس انسانی اور تاریخی جدوجہد کی ایک فیصلہ کن منزل میں ہیں۔ شام، حبش اور خود یورپ اور امریکہ کے محنت کش طبقے درجہ بدرجہ یہ منزلیں طے کر رہے ہیں اور استعمار اور سرمایہ داری سے نبرد آزما ہیں۔ غرض کہ ہمارے قومی اور ملی سوال حتیٰ کہ خود مذہب اور اخلاق کی کشمکش سمٹ کر بین الاقوامی انسانی جدوجہد میں مرکوز ہوتی جارہی ہے۔ دوسری طرف غاصب قوتیں انتہائی ہوشیاری اور بے ضمیرپن سے انسان کو فریب دے کر اپنے قدم جمائے رکھنے کی ان تھک کوششوں میں مصروف ہیں جس کی بدولت حکمران طبقے اپنی اپنی قوموں میں جارحانہ وطنیت اور جنگ جوئی کا جذبہ بڑھا رہے ہیں اور ایک پہلے سے بھی زیادہ تباہ کن، بھیانک اور خونخوار جنگ کا نقشہ دنیا کے سامنے ہے۔

انسانی ماحول کی اس انقلاب انگیز فضا اور تصادم قوتوں کے ابھرنے کا ادنیٰ کرشمہ یہ ہے کہ ہمارے سوچ بچار کے طریقے اور خود ہمارے منطق اور فلسفہ کے بنیادی نظریئے بدل رہے ہیں اور جو لوگ پرانے استقرائی منطق اور جامد اور غیر متحرک تصورات کے عادی ہیں وہ اس کرۂ ارضی کی انقلابی حرکت اور نمو اور تغیر پذیری کے سمجھنے میں عاجز اور لاچار ہوتے جارہے ہیں۔

دنیائے اسلام

اس انقلاب انگیز فضا میں مسلمانانِ عالم ایک اہم اور فیصلہ کن حیثیت رکھتے ہیں جغرافیائی اعتبار سے مراکش سے لے کر چین تک اُن کا مرتب سلسلہ پایا جاتا ہے جسے مغربی استعمار نے منتشر کرنے کی بارہا کوشش کی ہے۔ انیسویں صدی سے آج تک مغربی سرمایہ داری اور یورپین سامراج دنیائے اسلام کی تخریب میں مصروف ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اُس نے عالم اسلام کو ہر لحاظ سے اپنا پابند اور آزادی اور اقتدار سے محروم کردیا ہے آج

دُنیائے اسلام کی نجات مغربی سامراج کی تباہی میں مضمر ہے چنانچہ عراق، یمن، شام فلسطین اپنے آپ کو مغربی استعمار سے آزاد کرانے کی فکر کر رہے ہیں۔ چین کے مسلمان اس جدوجہد میں انقلابی جماعتوں کے ہمراہ جاپانی حملہ آوروں کے خلاف سینہ سپر ہیں۔ افریقہ کے مسلمانوں میں عام بیداری اور جدوجہد کے آثار پائے جاتے ہیں حبش اور طرابلس کے مسلمانوں نے برابر اطالوی استعمار کی مخالفت کی ہے ٹیونس، الجزائر، مراکش کے مسلمان فرانسیسی استعمار کے خلاف کھڑے ہو رہے ہیں۔ البتہ فرانکو [GENERAL FRANCO] نے ہسپانوی مراکش کے مسلمانوں کو مذہب کے نام پر دھوکہ دے کر اور قرطبہ اور غرناطہ کی واپسی کے سبز باغ دکھا کر اپنے ساتھ مِلا لیا ہے۔

دنیائے اسلام میں سامراجی سازشیں

فرانکو کی طرح دوسری استعماری حکومتیں بھی دنیائے اسلام پر اثر ڈالنے کی اور مسلمانوں کو انقلابی اور جمہوری جدوجہد سے علیحدہ رکھنے کی فکر میں ہیں چنانچہ مسلمان جاگیری اُمرا۔ اور دوسرے سامراجی ایجنٹ ہر ملک میں سرگرم ہیں۔ روسی مہاجرین اور شرفا خصوصیت سے اس کام پر مامور کئے گئے ہیں۔ آپ کو غالباً اس کا علم ہوگا کہ جاپانی شہنشاہیت پرستوں نے حال ہی میں اسی خیال سے ٹوکیو میں ایک مسجد اور مدرسہ اور عربی مطبع قائم کیا ہے اور چین میں اسلامی حکومت قائم کرنے کا وعدہ کیا ہے تاکہ چینی مسلمان فوجی جدوجہد اور جاپان کا مقابلہ کرنے سے باز رہیں۔ مسولینی [MUSSOLINI BENITO] نے حضرت شیخ سنوسیؒ کو سولی پر لٹکانے کے بعد بعض وظیفہ خوار طرابلسی مسلمانوں سے سیف الاسلام کا لقب حاصل کیا ہے۔ مصر و یمن بلکہ فلسطین اور عراق میں بھی اٹلی کی ریشہ دوانیاں جاری ہیں۔ جرمن فیسٹ ایجنٹ بکثرت دنیائے اسلام میں مصروف ہیں اور اسلامی تعلیمات اور فاشسزم میں تطابق کرنا چاہتے ہیں۔ گزشتہ سال نیورمبرگ کانفرنس [NUREMBERG CONFERENCE] میں سو سے زیادہ عرب مندوبین ہٹلر کی دعوت پر جرمنی گئے تھے۔

جاپان، اٹلی اور جرمنی کی طرح برطانوی استعمار بھی دنیائے اسلام کے دینی اور مذہبی جذبہ سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے اور اس فکر میں ہے کہ خلافتِ اسلامیہ کے جلیل القدر منصب کو کسی ماتحت اسلامی فرمانروا کے سپرد کر دے تاکہ خلیفۃ اسلام کی وہ حیثیت ہو جائے جو ہندوستان کے والیان ملک کی ہے دوسری طرف محکوم مسلمان اور قوموں اور خصوصیت سے ہندوستان میں برطانوی استعمار نے قومی جدوجہد کو کمزور کرنے کے لئے "پاکستان" اور "تہذیبی تقسیم" کے بے بنیاد منصوبوں میں مسلمانوں کو الجھانا شروع کیا ہے۔

اسلامیانِ ہند

دنیا کی استعماری اور جمہوری طاقتوں کی کشمکش میں اسلامیانِ ہند کئی اعتبار سے اہمیت رکھتے ہیں۔ تعداد کے لحاظ سے مسلمانوں کی سب سے بڑی جماعت ہندوستان میں آباد ہے اس کے علاوہ مدت سے دنیائے اسلام کی سیاسی اور ترقی پسند تحریکات سے ہندوستان کے مسلمانوں کو تعلق رہا ہے۔ برطانوی استعمار کی بین الاقوامی پالیسی کا تمام تر انحصار ہندوستان کے مادی اور تجارتی وسائل اور اس ملک کی عام سیاسی فضا پر ہے۔ ایسی حالت میں ہندوستانی مسلمانوں کا رویہ عام جمہوری تحریک کے لئے ایک فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے چنانچہ گذشتہ پچاس برس سے برطانوی استعمار کی مسلسل اور منظم کوشش رہی ہے کہ مسلمانانِ ہند استعمار دشمن سیاسی راہوں سے بے خبر ہو کر زندگی بسر کرتے رہیں۔

سماجی اعتبار سے مسلمانانِ ہند دو متصادم طبقوں سے مرکب ہیں۔ ایک طرف بڑے بڑے جاگیردار اور والیانِ ملک اور سرکاری ملازم و پنشن یافتہ لوگ ہیں جو بلاواسطہ برطانوی سامراج کے مفاد سے منسلک ہیں دوسری طرف مسلم عوام ہیں جن کی حیثیت آئے دن گرتی جاتی ہے اور اس عالمگیر کساد بازاری میں غیر معمولی طور سے خراب ہو گئی ہے۔ مسلمانوں میں متوسط طبقہ کے لوگ بہت کم ہیں اس سماجی تقسیم کا ردِ عمل یہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا اعلیٰ طبقہ ہر جمہوری اور ترقی پسند تحریک کی مخالفت کرتا ہے اور مسلم جمہور بلا تامل انقلابی تحریکوں کی طرف مائل ہو جاتا ہے مسلمانانِ ہند کے کلچرل اور تمدنی سوالات پر بھی اس بنیادی سماجی تقسیم کا اثر پڑتا ہے۔ اب تک مسلمانوں کا کلچر اور تمدن جاگیری عناصر کا پابند رہا ہے۔ چنانچہ اب جاگیری عناصر "تمدنی تحفظات" کے پردے میں مسلمانوں کی سیاست پر حاوی ہونا چاہتے ہیں۔ دوسری طرف استعمار کے سیاسی اداروں کی بدولت مسلم جمہور پر شہر کے پڑھے لکھے اور جدید تعلیم یافتہ مسلمان حاوی ہیں۔ مسلمانوں میں علماء کی ہی ایک ایسی جماعت ہے جسے برطانوی استعمار سے کوئی علاقہ نہیں رہا ہے اور جاگیری طبقہ کے اثر سے آزاد ہے۔

مسلمانوں کی اس سماجی تفریق اور اختلافِ ذہنیت کا اثر ہندوستان کی وطنی آزادی کی تحریک پر بھی پڑتا ہے مسلمانوں کے مقابلہ میں ہندو سماج منجملہ اور سماجی طبقوں کے تجارت پیشہ اور متوسط عناصر سے مرتب ہے جس کی وجہ سے ہندو سماج کا خمیر مسلمانوں سے مختلف ہو گیا ہے اور اس سماجی اختلاف کی وجہ سے وہ سوالات پیدا ہو جاتے ہیں جن سے ایک طرف فرقہ پرست اور دوسری طرف برطانوی استعمار فائدہ اٹھانا چاہتا ہے اور اب تک اٹھاتا رہا ہے۔

ہندوستانی قومی تحریک

ہماری وطنی آزادی کی تحریک برطانوی استعمار کی کارفرمائیوں کا جواب ہے اور ان سماجی طبقوں پر مشتمل ہے جن کے مفاد بلاواسطہ یا بالواسطہ برطانوی سامراجی مفاد سے ٹکراتے ہیں۔ یہ کہئے کہ ہندوستانی قومیت ایک قسم کا متحدہ محاذ ہے جس میں کسان، مزدور اور عام چھوٹی حیثیت کے ہندوستانیوں کے علاوہ کچھ متوسط الحال اور صنعتی سرمایہ دار بھی شامل ہیں اس لئے کہ ہندوستانی سرمایہ کو بھی برطانوی سرمایہ کے اقتدار سے صدمہ پہنچتا ہے اور اُسے اُبھرنے کا موقع

یہ ہماری تاریخی بدنصیبی ہے کہ ہمارے سرمایہ دار نے ایسے دور میں جنم لیا جب دنیا سے سرمایہ کا ترقی پسند پہلو مٹ گیا۔ اس لئے وہ ان معاشرتی اصلاحات سے معذور ہے جو یورپ اور بالخصوص انگلستان کے سرمایہ دار نے اپنے ابتدائی دور میں دنیا کو دیا تھا۔ ہمارا صنعتی سرمایہ دار نہ جاگیریت کو مٹانا چاہتا ہے نہ جمہوریت قائم کرسکتا ہے مزدوروں کی مزدوری بڑھانا کیا معنی وہ ان کی انجمنوں اور ہڑتال کرنے کے ابتدائی حق کو بھی گوارا نہیں کرتا۔ اُسے توہمات سے بھی کچھ بیر نہیں۔ ایسی حالت میں ہندوستانی سرمایہ دار کا بنیادی منشار قومی تحریک سے یہ ہے کہ کسی اعتدال پسند لیڈر کے پردے میں عوام کو اُبھارے اور عوام کے دباؤ سے استعمار کو معمولی سیاسی اور اقتصادی مراعات دینے پر مجبور کردے لیکن اس کے ساتھ اس کا برابر لحاظ رکھے کہ کسان، مزدور اور چھوٹی حیثیت کے ہندوستانی اپنے مفاد اور جمہوری جدوجہد کے متعلق آزادانہ طور پر سوچنے نہ پائیں۔ جن مظاہرات کو آپ آئے دن فرقہ پرور تعصبات سے تعبیر کرتے ہیں وہ دراصل ہندوستانی سرمایہ اور برطانوی استعمار کے تاریخی حدود کے مظاہرے ہیں اور اس سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔

لیکن با ایں ہمہ ہم یہ نہیں بھول سکتے کہ ہندوستانی سرمایہ دار اور اس کے ترجمان ہندوستان کو اس وقت آگے ضرور لے جانا چاہتے ہیں اور ان کی اصلاح پسندی میں ترقی پسندی کا پہلو بھی ہے۔ اسی ترقی پسندی کے تقاضے سے کانگریس نے اپنے اجلاس کراچی میں مسلمان اور دوسری اقلیتوں کے حقوق اور تحفظات تسلیم کر لئے ہیں بلکہ انہیں "بنیادی حقوق" کا درجہ دیا ہے اور ان حقوق کو بار بار دُہرا کر اُن پر مہر تصدیق لگا دی ہے دوسری طرف کانگریس کی ترقی پسند پالیسی سے مزدوروں اور کسانوں میں عدیم المثال بیداری ہو رہی ہے یعنی ان حقوق اور تحفظات پر عمل پیرا ہونے کی ضمانتیں پیدا ہو رہی ہیں اور اس کا کوئی خطرہ نہیں رہا ہے کہ کوئی استعمار دشمن جماعت ان تسلیم شدہ حقوق کو بھلا دے۔

ایسی حالت میں میرا پختہ عقیدہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو استعمار دشمن محاذ میں شریک ہو کر ان جمہوری عناصر کو مضبوط کرنا چاہیئے جو چھوٹی حیثیت کے طبقوں کے ترجمان اور مسلم جمہور کے مفاد سے زیادہ تر قریب ہیں۔ خود کانگریس کی منظور کردہ پالیسی پر کانگریس کو عمل کرنے کے لئے مجبور کرنا ہندو فرقہ پرستی کے خوف کا بہترین اور مؤثر ترین جواب ہے۔ کاش مسلمان اس حقیقت سے باخبر ہوں کہ وہ کانگریس کی عملی کارروائیوں سے دور رہ کر ترقی پسند عناصر کو کمزور اور قومی جدوجہد کو رجعت پسندی کے حوالے کرتے جا رہے ہیں۔

دہریت اور سوشلزم کا خوف

میں حیران ہوں کہ آج بعض حلقوں میں اسلام کے مطالعہ کے معنی محض اس قدر ہیں کہ ہم کسی نہ کسی طرح موجودہ معاشری مسائل کے تاریخی مطالعہ اور ان کے حل کرنے اور بالآخر موجودہ انسانی جدوجہد میں حصہ لینے سے باز رہیں۔ کیا آپ کو یا کسی صحیح الدماغ مفکر کو اس حقیقت کے ماننے میں تأمل ہو سکتا ہے کہ آج محکوم قوم کی ہر ملکی و وطنی جدوجہد اس دور کی انسانی جدوجہد کی کڑی ہے اور اسلام کے صحیح تاریخی تقاضے کو پورا کرتی ہے۔ کج بحثی کا ایک مستقل اور بے معنی طومار اس کا پتہ دیتا ہے کہ ہمارے مفکر دنیائے عمل سے بہت دور ہیں اور اپنی بے عملی پر پردہ ڈالنے کے لئے ایک پُر فریب نظریہ گڑھ لیتے ہیں۔ وہ اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ صحیح تاریخی نظریئے موجودہ زندگی کے حقائق سے مرتب کئے جا سکتے ہیں نہ کہ خیالی اور تصوری دنیا میں رہ کر۔ بہت سے ہندوستانی مسلمان مفکرین ایسے ہیں جن کا یہ خیال ہے کہ اسلام کے اجتماعی اور معاشی نظریوں میں کوئی لچک نہیں۔ وہ شروع سے اس کے قائل ہی نہیں کہ اسلام کی عالمگیری کا یہ بیّن تقاضا ہے کہ قرآن پاک کے بنیادی اصول سامنے رکھ کر ہم ہر زمانے کی ضرورتوں کے مطابق تفصیلی قوانین بنائیں جو لوگ اعلان کرتے ہیں کہ اسلام میں کوئی لچک نہیں۔ شاید انہیں یہ یاد نہیں رہتا کہ وہ اس قول سے اسلام کی عالمگیر روح کو صدمہ پہنچا رہے ہیں۔ میں مانتا ہوں کہ قدامت پسندی بعض سہل پسند طبائع کو مرغوب ہے اور ہر انسان تبدیلی سے تھوڑا بہت گھبراتا ہے لیکن بڑی بڑی تاریخی تبدیلیاں اسلام میں بھی واقع ہوئی ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ جب ملّتِ اسلامیہ کا کام بغیر احادیث کی تدوین کے چلا۔ اس کے بعد وہ دور بھی آیا کہ اسلام کے ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کے اصولوں کی توضیح اور تشریح کے لئے ہمیں باضابطہ فقہ مدون کرنا پڑا۔

محترم بزرگو! آپ نے کبھی اس واقعہ پر بھی غور فرمایا ہے کہ جس رجحان کو آپ مجمل اور مبہم طور پر رسمی

الفاظ میں بے دینی اور دہریت کہتے ہیں اس میں بسا اوقات اسلامی اصولوں کی نئی توضیح کی جستجو اور ایک غیر مرتب انقلابی جوش پایا جاتا ہے۔ جدید "بے دینی" میں نفس پرستی اور مذہب دشمنی کا پہلو کم اور ایک جامع معاشری اور اجتماعی فلسفہ کی تلاش زیادہ ہے۔ مسلمان نوجوان اپنے گرد و پیش کے انقلابی جذبہ سے متاثر ہوتا ہے اور حسرت سے مذہب والوں کی دنیا پر نظر ڈالتا ہے "جو کنجے گرفت و یاد خدا را بہانہ ساخت" کے مصداق معاشری سوالوں سے جی چراتے پھرتے ہیں۔ اس بے چین مگر پاک بیں نوجوان کو یہ نہیں بتایا جاتا کہ اسلام ایک دین فطرت اور بقول علامہ اقبال مرحوم ایک غیر محسوس حیاتی اور نفسیاتی عمل ہے جس کا اطلاق ہر زمانہ میں اس کے حالات کے مطابق اور ترقی پسند اور انقلاب انگیز معاشری عناصر کو سامنے رکھ کر ہو سکتا ہے۔ اس کے مقابل وہ دیکھتا ہے کہ مذہب کی آڑ میں ہر بوسیدہ نظام تمدن اور اس کے غاصب اور رقادر طبقے پناہ لیتے ہیں اور مذہب کا نام لے کر انقلاب پرست طبقوں کو اُن کے تاریخی فرائض کے انجام دینے سے روکنا چاہتے ہیں پھر کیا عجب ہے کہ اپنی بے صبری میں یہ حساس نوجوان نفسِ مذہب سے بدگمان ہو جائے۔

میں سمجھتا ہوں کہ مسلمان سوسائٹی میں بے دینی کا پیدا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ مذہبی پیشوا اس دور کے معاشری سوالات پر ملتفت نہیں ہوتے۔ تاریخ اسلام میں اس طرح کی "بے دینی" کا ظہور کوئی نیا واقعہ نہیں آپ کو جبر و قدر کے مسائل اور علم کلام کی تاریخ معلوم ہے مگر میں اس وقت صرف ایک تاریخی حقیقت پر آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ کبھی آپ نے غور فرمایا کہ جب ملوکیت پرستی، شخصی ملکیت اور خاندانی امارت نے اسلامی معاشرہ میں گھر کر لیا تو ایک خاص قسم کی "بے دینی" پھیلنے لگی جس کے آثار پہلے حضرت ابوذر غفاریؓ جیسے بزرگوں میں اور اس کے بعد خوارج کی مرتب تحریک میں نظر آئے اور ان سوالوں کا صاف جواب نہ دینے کی وجہ سے ہم ایک دو برس نہیں بلکہ ہزار برس سے زیادہ ایسے تمدن میں مبتلا ہو گئے جو تاریخی اعتبار سے شاید مفید اور ضروری ہو لیکن اُسے خلافت راشدہ کی روایات سے کوئی واسطہ نہ تھا۔

بزرگو! آج دنیا پھر اس جنتِ ارضی کو واپس لانے کے لئے بے چین ہے جس کا خاکہ مخصوص حالات اور ایک محدود رقبہ میں خلافت راشدہ نے پیش کیا تھا۔ آج اس کا امکان ہی نہیں بلکہ تاریخی طور پر یقین ہے کہ اس خواب کی تعبیر دنیا کے ہر ملک میں نظر آئے گی۔ آج ہمارے موجودہ ماحول کی صورت اور اس کے لحاظ سے ہماری جدوجہد کا نقشہ بدلا ہوا ہے لیکن اس کے تاریخی منشاء کو سمجھنے میں کوئی وقت ایسے مسلمان کو نہ ہونی چاہیئے جو خلافت راشدہ یعنی اسلام کے ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کے صحیح تصور کو سمجھ سکتا ہے۔

سوشلزم

نوجوان مسلمانوں کی جستجو ایک معین اور مرتب معاشری فلسفہ کی صورت اختیار کرتی جارہی ہے جس کا نام سوشلزم کی تحریک ہے۔ سوشلزم انسانی تاریخ کا ایک نیا فلسفہ اور معاشری زندگی کا ایک تجزیہ پیش کرتا ہے سیاسی آزادی کے لئے اس کا ایک پروگرام ہے اور سوشلسٹ کا دعوی ہے کہ سوشلزم کے نظریئے اور اس کے پروگرام میں دورِ حاضر اور ہماری جدوجہد کا صحیح تقاضا مضمر ہے جس طرح شہنشاہیت کا اقتضا محکوم قوموں کو دبانا اور دوسروں کو زیر دست رکھنا ہے اسی طرح سوشلزم کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ محکوم اور دبی ہوئی قوموں اور لوگوں کو اُبھارا اور بڑھایا جائے۔ آپ قطعاً آزاد ہیں کہ اس فلسفہ اور تاریخی تجزیہ کے ماننے سے انکار کردیں اور موجودہ دنیا کے معاشی سوالات کو حل کرنے کے لئے ایک نیا پروگرام اور ایک نیا فلسفہ پیش کریں۔ ایسی صورت میں ہماری سماج کی ضرورتوں کی کسوٹی اور انقلابی جدوجہد کا تاریخی تجربہ آپ کے اور اشتراکیوں کے نظریوں کو اپنی کسوٹی پر کس لے گا اور دنیا کھرے کھوٹے کو خود پرکھ لے گی۔

ہندوستان کے سوشلسٹ آپ سے اپنے مخصوص عقائد نہیں منوانا چاہتے وہ صرف کامل آزادی کے حصول کے لئے ایک پروگرام پیش کرتے ہیں۔ بحالاتِ موجودہ وہ طبقاتی جنگ پر زور نہیں دیتے بلکہ جملہ مخالف استعمار طبقوں کو متحد کر کے سامراج سے مؤثر جنگ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ گزشتہ جدوجہد کے تجربہ کی روشنی میں وہ بجائے اعلیٰ طبقوں کے مزدور، کسان اور چھوٹی حیثیت یعنی استحصال زدہ طبقوں کے اتحاد و تنظیم اور ان کی کانگریس میں شرکت پر زور دیتے ہیں۔

میں یہ نہیں مانتا کہ ہم اور آپ اس تجزیہ کو بھی ماننے کے لئے مجبور ہیں لیکن پھر اعلیٰ طبقہ کے لوگوں کو ایک طرف اپنی گزشتہ تاریخ اور اپنے مفاد کو بھلا کر آزادی کی جدوجہد کا ذمہ لینا پڑے گا اور دوسری طرف دستور پرستی و اصلاح پسندی کا علاقہ انقلابی جدوجہد سے ملانا پڑیگا جو ناممکن ہے۔

میرا یہ منشا نہیں ہے کہ آپ اشتراکیت کو اپنا لیں۔ لیکن میری یہ مودبانہ گذارش ضرور ہے کہ آپ پہلی فرصت میں سوشلزم کے متعلق اپنی ناواقفیت دور کریں۔ یہ صحیح ہے کہ سوشلزم کا مارکسی فلسفہ مادیت پر مبنی ہے اور اس کے ارتقار کی ایک بسیط تاریخ ہے جس سے یہاں بحث کرنا دور از کار ہے۔ بہر نوع اس "مادیت" کو نفس پرستی اور تن پرستی یا خلاف اخلاق و مذہب اعمال سے کوئی سروکار نہیں ہے" مارکسی مادیت" تاریخ ارتقار انسانی کا ایک نظریہ ہے جس کی بحث خالصتاً نظری اور اصولی ہے۔ میرے نزدیک علم تاریخ میں جب

باب کا علامہ ابن خلدونؒ نے آغاز کیا تھا، مارکس [KARL MARX] اُسے مروجہ علوم اور سائنس کی مدد اور حکیمانہ حیثیت سے تکمیل تک پہنچا دیتا ہے۔ اقتصادیات میں مارکسیت نے بڑے بڑے پیچیدہ مسائل حل کئے ہیں اور علم انسانی کو استحصال زدہ اور محروم دنیا کی حمایت میں استعمال کرکے اور طبقاتی جدوجہد کے تاریخی بل بوتے پر محنت کش طبقہ کو ایسا حکیمانہ ہتھیار دیا ہے کہ آج اُس کی بدولت روس نے نظامِ سوویٹ قائم کیا ہے

سوشلسٹ کی مذہبی پالیسی کے متعلق اتنا عرض کرنا کافی ہے کہ وہ آپ کے مذہبی عقائد اور دینی اعمال سے کوئی تعارض نہیں کرنا چاہتے۔ واقعہ یہ ہے کہ آج جرمن فاشسٹ حکومت کی مذہبی مداخلت کے مقابلہ میں سوشلسٹ عیسائی پادریوں کے ساتھ مذہبی آزادی کے لیئے جدوجہد کر رہے ہیں اور اگر آپ کے بنیادی حقوق اور تحفظات میں رخنہ اندازی کا خدشہ ہوا تو میرا خیال ہے کہ ہندوستان کے سوشلسٹ آپ کی حمایت میں سینہ سپر ہوں گے۔ میں اپنے اس بیان کی تائید میں پنڈت جواہرلال نہرو کا عام رویہ اور مسلک پیش کرسکتا ہوں۔ حال ہی میں چینی سوشلسٹوں کی وہ مثال بھی پیش کی جاسکتی ہے جو انہوں نے اپنے علاقہ کے چینی سلمانوں کے ساتھ حسب ذیل مراعات برت کردی ہے:۔

(الف) جملہ جابرانہ محاصل منسوخ کر دیئے جائیں۔

(ب) مسلمانوں کو جبری فوجی بھرتی سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔

(ج) تمام پُرانے قرضے مسترد کر دیئے ہیں۔

(د) مسلم کلچر کے تحفظ کی مؤثر تدابیر اختیار کی ہیں۔

(ہ) جاپانیوں کے مقابلہ کے لیئے مسلمانوں کی جداگانہ فوج بنائی ہے۔

(و) تمام اسلامی فرقوں کو کامل مذہبی آزادی بخشی ہے۔

(ز) مسلمانانِ چین کو بیرونی ممالک کے مسلمانوں سے اتحاد قائم کرنے کی آزادی دی ہے۔

(منقول از تصنیف اڈگرا سنو) "ریڈ سٹار اوور چائنا"

جمعیت کی تنظیم اور بعض دیگر اہم اُمور

محترم بزرگو! ان ضروری رجحانات اور مسائل کی طرف اشارہ کرنے کے بعد بعض ان اُمور کی جانب آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں جن پر ہندوستان کے مسلمان آپ حضرات کی ہدایت اور راہبری

کے منتظر ہیں۔ آج ملک و ملت کے سامنے حسب ذیل سوالات منجملہ دوسرے سوالات کے درپیش ہیں :۔

۱۔ فلسطین۔

۲۔ کانگریس اور مسلمان۔

۳۔ مسلمانوں کی تنظیم۔

۴۔ جمعیۃ کی ازسرِ نو تنظیم۔

الف۔ فلسطین : ۔ فلسطین کی جدوجہد آج فیصلہ کن منزل میں ہے اور اس سلسلہ میں ایک طرف برطانوی استعمار نے انتہائی تشدد انگیزی سے کام لیا ہے چنانچہ پچیس ہزار سے زائد برطانوی افواج فلسطین میں مصروف کار ہیں دوسری طرف برطانوی استعمار کی یہ کوشش ہے کہ دفع الوقتی کی خاطر ایک نام نہاد آزاد حکومت کا اعلان کر دیا جائے تاکہ بین الاقوامی حالات کے روبہ اصلاح ہوجانے کے بعد ازسرِ نو اپنا اقتدار مطلق قائم کر لیا جائے۔

الہ آباد فلسطین کانفرنس سے لے کر اب تک ہمارے سامنے مقاطعات ثلاثہ یعنی ولائتی مال، شاہی دربار اور فوجی بھرتی کے بائیکاٹ کا پروگرام ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ بلا امتیازِ مسلک ہم جملہ مسلمان جماعتوں کو اول فرصت میں ان باتوں پر متحد کریں۔ دوسری طرف ہمیں وطن کی استعمار دشمن جدوجہد میں شریک ہونے کی مسلمانوں کو دعوت دینا چاہیئے۔

(ب) اس موقع پر میں صرف اس بات پر زور دینا چاہتا ہوں کہ کانگریس کے متحدہ استعمار دشمن محاذ کی ضرورت تسلیم کرتے ہوئے آپ کے سامنے جیسا کہ آپ مراد آباد کی مجلسِ عاملہ کے اجلاس میں طے کر چکے ہیں کانگریس میں شرکت یا عدم شرکت کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں کانگریس کی شرکت پر مائل کیا جائے تاکہ رابطۂ عوام کے کانگریسی پروگرام کا منشا پورا ہوکر جمہوری طاقت بہ تمام و کمال منظم ہوجائے جیسا کہ تجربہ شاہد ہے یہی مؤثر شکل کانگریس سے ہندو تعصبات کو بے دخل کرنے اور اس ادارہ کو خالص قومی شکل دینے کی ہے۔

(ج) مسلمانوں کی تنظیم کا ایک مدت سے ہمارے سامنے سوال درپیش ہے لیکن ابھی تک اس مسئلہ کی وضاحت نہیں ہوئی کہ اس تنظیم سے کیا مراد ہے۔ کیا ہم اپنے ہموطنوں سے علیحدہ ہوکر اور فرقہ پروری کی بنیاد پر کوئی سیاسی اور استعمار دشمن صف بندی کر سکتے ہیں؟ اگر یہ تاریخی طور پر ممکن نہیں ہے تو پھر سیاسی جماعتوں کے بنانے اور جداگانہ سیاسی پروگرام رکھنے کا خیال ہمیشہ کے لئے ترک کر دینا چاہیئے۔

اگر مسلمان محنت کش طبقوں اور بے روزگاروں کی تنظیم کا جداگانہ خیال ہے تو یہ سوچنے کا طریقہ خطرناک اور مسلمان مفلوک الحال طبقے کے حق میں مضر ہے اس لئے کہ اُن کے اور غیر مسلموں کے بنیادی مطالبے مشترک اور صرف مفلوک الحال کی حیثیت سے ہیں اور جداگانہ تنظیم کا خیال انہیں لامحالہ کمزور کردیگا۔

اس کے بعد مسلمانوں کی تنظیم کا سوال غیر سیاسی اور معاشرتی اور تمدنی حدود میں اٹھایا جاسکتا ہے اور ان حدود میں قابلِ عمل بلکہ ضروری ہے۔ آپ نے اُسے ہر قدم پر محسوس کیا ہوگا کہ ہماری تعلیمی اور معاشرتی پستی اس ملک کی ترقی کے لئے سدِّ راہ ہے اور مسلمانوں کی عام ناواقفیت کی وجہ سے ہر قسم کے ترقی دشمن اور رجعت پسند انہیں دھوکہ دے سکتے ہیں یہ بھی مشکل بات ہے کہ کوئی نظامِ حکومت برطانوی سامراجی بوجھ کے ہوتے ہوئے اُن کی ترقی کا ذمہ لے۔ اس لئے ہمارا پہلا کام یہ ہے کہ ہم بالغوں کی تعلیم کا انتظام کریں اور اس سلسلہ میں تمام جماعتوں کو ملاکر اور تعلیم یافتہ نوجوانوں سے کام لے کر مدارسِ شبینہ قائم کریں۔ اگر اُردو زبان اور ہمارے کلچر کے مٹ جانے کا خوف ہے تو اس کا بہترین ازالہ یہ ہے کہ اُردو زبان کے ذریعہ عام مسلمانوں میں تعلیمِ بالغاں کا پروگرام شروع کیا جائے۔

اس کے ساتھ ساتھ ہی قرضہ کے بار کو کم کرنے کے لئے ہمیں مسلمانوں میں انجمن ہائے امدادِ باہمی اور امدادی بنک قائم کرنا چاہیئے تاکہ مسلمان سود اور قرضہ سے سبکدوش ہوں اور اپنی مدد آپ کرنا سیکھیں کانگریسی اور دوسری حکومتیں قرضہ کے بوجھ کو کم کرنے اور تعلیم کو بڑھانے کے لئے چند تجاویز پر عمل کرنے والی ہیں مگر ان کا تعلق زیادہ تر بچوں کی تعلیم اور پُرانے قرضہ سے ہوگا اور بہرصورت اگر ملک کے لوگ خود اپنے اُوپر کچھ ذمہ داری نہ لیں تو حکومتوں کی اصلاحات کا منشا پورا نہیں ہوسکتا۔

میں آپ سے خصوصیت سے عرض کروں گا کہ اپنی زبان اور کلچر کے فنا ہونے کا خوف رکھنا اور تعمیری کاموں سے باز رہ کر تومی تعمیر کا بوجھ تمام تر موجودہ کانگریسی تحریک اور غیر مسلموں پر ڈالنا مسلمانوں کو اپنی ذمہ داریوں اور خود اعتمادی سے باز رکھنا ہے اور ان صورتوں سے بنی بنائی قومیں برباد ہوجاتی ہیں۔

اس سلسلہ میں جمعیت کی تنظیم کا سوال سب سے زیادہ اہم ہے اس لئے کہ ہماری مذہبی تعلیم اور مذہبی تنظیم کا سوال جمعیت کی تنظیم سے وابستہ ہے۔

جمعیۃ العلماء ہند وطنی جدوجہد کے انقلاب انگیز دور میں ایک مخصوص کام کے لئے وجود میں آئی تھی یعنی تحریک آزادی کی شرکت کی دعوت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے مذہبی اور تمدنی حقوق کی

حفاظت کرنا اور یہ امرِ واقعہ ہے کہ آپ حضرات نے یہ دونوں فرائض پوری ذمہ داری کیساتھ سرانجام دیئے ہیں جس کا ابتدا میں تذکرہ کر آیا ہوں۔ آنے والی نسلیں ہم سے زیادہ آپ کی تاریخی خدمات کا اعتراف کرینگی اور لوگ اس حقیقت کو ہم سے زیادہ محسوس کریں گے کہ اس عالمگیر انقلاب کے زمانہ میں مسلمانان ہند کو ترقی کی راہ پر لگا کر اور رجعت پسندی سے دور رکھ کر آپ نے خود مذہبی زندگی کو ایک نئی زندگی اور بالیدگی بخشی ہے۔

آپ حضرات جمعیت کی تنظیم اور اس کے متعلق خود فیصلہ فرمائیں گے میری ایک مخلصانہ گذارش ہے کہ اس سلسلہ میں منجملہ دوسرے امور کے آپ دو باتوں پر ضرور غور فرمائیں۔

اولاً: میرے نزدیک آپ حضرات کو چاہیئے کہ دنیا کے جدید رجحانات اور نئی تحریکات کا مطالعہ فرمائیں

ثانیاً: یہ کہ مسلمانوں کی ضروریات اور ملک کی عام علمی فضا کو دیکھتے ہوئے اس کی ضرورت ہے کہ ہمارے مذہبی تعلیم کے نظام میں اصلاح کی جائے تاکہ جدید مصر، ترکی اور ایران کی طرح ہمارے علماء بھی جدید علوم اور نئی تمدنی ضروریات سے باخبر ہو کر مسلمانانِ ہند کی رہبری ہر شعبۂ حیات میں کرسکیں۔ آج ہماری صوبجاتی حکومتیں تعلیمی معاملات میں جمہور کی تابع ہیں اس لئے اُن سے ہر قسم کی امداد لینی چاہیئے اور عام تعلیم پھیلانے میں ان کی امداد کرنی چاہیئے۔ واردھا اسکیم کی تنقید کے سلسلہ میں میں نے محسوس کیا ہے کہ بجائے ہمدردی اور امداد کے بعض ترقی پسند مذہبی حلقوں نے بھی اس اسکیم کے صحیح منشار کو بھول کر غیر ذمہ دارانہ تنقید کی ہے۔

مذہبی اداروں سے باہر بعض لوگ مروّجہ سرکاری تعلیم کو بدل کر اس کی جگہ نئے اور ترقی پسند اصولوں پر تعلیم دینا چاہتے ہیں۔ ماہرینِ تعلیم نے ان تجویزوں کو جانچا اور سنوارا ہے۔ ضرورت اس کی تھی کہ ہم ان اصولوں کو سامنے رکھ کر خود مذہبی تعلیمی نصاب میں تبدیلیاں کرتے۔

تتمۂ کلام

محترم بزرگو! مجھے اس کا اندازہ ہے کہ میں نے اس خطبۂ استقبالیہ میں آپ حضرات کا وقت بہت لیا ہے اور ایک طور سے آپ کی شفقت سے بے جا فائدہ اٹھایا ہے۔ مجھے اس کا بھی اندازہ ہے کہ میرے خیالات آپ کی روایات اور عمومی کارروائیوں سے کسی قدر مختلف ہیں۔ اس سے بڑھ کر تکلیف دہ امر یہ ہے کہ میں عملی سیاست سے دور رہتے ہوئے اپنی تنقیدوں میں بہت بے باک ہوں۔ بہر نوع میں نے اندازہ

خلوص بعض نئے رجحانات کی طرف آپ حضرات کی توجہ مبذول کرائی ہے اور اپنے دینی جذبہ کے تحت اور اسلامی عمرانیات کی نگاہ سے انہیں دیکھنے کی کوشش کی ہے مجھے قوی اُمید ہے کہ آپ حضرات ان گذارشات پر غور فرمائیں گے اور ہم حلقہ بگوشان اسلام کی ہدایت کریں گے تاکہ ہم ترقی پسند راہوں پر چل کر مسلمانانِ ہند کو بھی انقلاب، مکمل آزادی اور صحیح روحانی زندگی کی منزلوں پر پہنچا سکیں۔ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علےٰ رسولہ الکریم واصحٰبہ العظیم۔

ماخذ: مولانا شوکت اللہ شاہ انصاری، خطبۂ استقبالیہ، اجلاس یازدہم جمعیۃ العلمائے ہند منعقدہ ۳ تا ۵ مارچ ۱۹۳۹ء، بمقام دھلی، ت ن، ۲۰ ص -

خُطبۂ صدارت از مولانا عبدالحق مدنی

[خُطبۂ صدارت کا اصل متن اردو میں ہے۔ اس کا انگریزی ترجمہ انڈین اینول رجسٹر، (INDIAN ANNUAL REGISTER) میں دیا گیا ہے۔ چونکہ اصل اردو متن دستیاب نہیں ہو سکا۔ اس لئے میں نے مذکورہ بالا رجسٹر کے انگریزی ترجمہ کو پھر اردو میں منتقل کیا ہے۔ ترجمہ لفظی نہیں ہے۔ تاہم انگریزی عبارت کے صحیح مفہوم کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ——————— مرتبہ]

جب مولانا شوکت انصاری خُطبۂ استقبالیہ پڑھ چکے تو مراد آباد کے مولانا ابو الحق[1] مدنی صدرِ اجلاس تقریر کی۔ مولانا مدنی نے جمعیت کی سب سے اہم ضرورت یعنی مسلمانوں کو منظم کرنے کی ذمہ داری پر

---

[1] انڈین اینول رجسٹر میں مولانا عبدالحق مدنی کے بجائے مولانا ابوالحق مدنی تحریر ہے جبکہ وہ مولانا عبدالحق مدنی کے نام سے جانے جاتے تھے۔

پر زور دیا تاکہ وہ اپنے دونوں مذہبی و تہذیبی حقوق اور خاص طور پر نجی قانون کی حفاظت کر سکیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے تجویز پیش کی کہ ایسی عدالتیں قائم کی جائیں جن کے صدر قاضی ہوں۔ انہوں نے اس امر پر افسوس کا اظہار کیا کہ مرکزی اسمبلی میں محمد احمد کاظمی کے طلاق بل کو تعاون نہ ملنے کے باعث یہ اقدام اتنا مؤثر ثابت نہ ہو سکا جتنا کہ اسے ہونا چاہیئے تھا۔ مولانا نے اس خدشہ کا اظہار کیا کہ قانون سازی ساردا ایکٹ کی طرح ایک "حرفِ بے اثر" ہی رہے گی۔ آپ نے واردھا اور ودیا مندر اسکیم پر بھی تنقید کی، خاص طور پر اس پہلو پر کہ اسکیم میں مذہبی تعلیم کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ جہاں تک ملک کی ایک مشترک زبان اور رسم الخط کا تعلق ہے، آپ نے اس رجحان کی مذمت کی کہ ہندوستانی زبان جو ابھی ارتقا پذیر ہے، میں غیر ضروری طور پر سنسکرت کے الفاظ کا احیاء کیا جا رہا ہے، آپ نے کانگریس کی ان کوششوں کی تعریف کی جن کے ذریعہ اس رجحان کی حوصلہ شکنی کی جا رہی تھی۔ مگر آپ نے چند (صوبائی) کانگریسی حکومتوں پر الزام لگایا کہ وہ اس رجحان کی مؤثر طور پر روک تھام نہیں کر رہیں۔ اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوئے مولانا مدنی نے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں شامل فیڈرل اسکیم کی سخت ترین مخالفت کی اور شک کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ قدم ہندوستانی معاملات پر اجنبی محاسبے کو مضبوط کرنے کی ایک سازش ہے۔ آپ نے اس امر پر اطمینان کا اظہار کیا کہ مختلف الرائے حضرات اس کی مخالفت کرنے میں متحد ہیں۔ فلسطین کی صورتحال کا ذکر کرتے ہوئے مولانا مدنی نے کہا کہ ہندوستان کے مسلمان اس اہم مسئلہ کو حل کرنے میں مؤثر امداد دے سکتے ہیں بشرطیکہ وہ پہلے غیر ملکی جوئے کو اپنے کندھوں سے اتار پھینکیں۔ آخر میں آپ نے یو پی گورنمنٹ کی اس پالیسی کو سختی سے ہدفِ تنقید بنایا جس کے ذریعہ یو پی گورنمنٹ نے سُنّی مسلمانوں پر سرِ عام مدح صحابہ کے اظہار پر شرائط عائد کر دی تھیں۔

ماخذ:

THE INDIAN ANNUAL REGISTER, 1939, VOL. 1:
JANUARY - JUNE, CALCUTTA, P. 382.

۳۱

تجاویز

تجویز نمبر ۱۔ تعزیت غازی مصطفیٰ کمال مرحوم

جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس مجاہد اعظم غازی مصطفیٰ کمال پاشا جو ترکی کے استخلاص اور استقلال تام کی روح رواں تھے کی وفات حسرت آیات پر دلی صدمے کا اظہار کرتا ہے۔ ان کی وفات سے ملت اسلامیہ کا ایک مفکر اعظم اور مجاہد اکبر مسلمانوں سے جدا ہو گیا۔ خدا تعالیٰ غازی موصوف کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور ملت ترکیہ کو اخیار رولائے ملت میں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

تجویز نمبر ۲۔ تعزیت ڈاکٹر انصاری مرحوم و بیگم انصاری

جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس زعیم ملت جناب ڈاکٹر مختار احمد صاحب انصاری اور بیگم انصاری کی وفات حسرت آیات پر اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے اور ان کی وفات کو وطن کے لئے نقصان

عظیم تصور کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ حق تعالیٰ ان کو جوار رحمت میں جگہ دے۔ یہ جلسہ ڈاکٹر صاحب مرحوم کے اعزا و اقربا سے اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔

تجویز نمبر ۳۔ تعزیت مولانا شوکت علی خادم کعبہ مرحوم

جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس زعیم قوم مولانا شوکت علی صاحب خادم کعبہ مرحوم کی وفات پر دلی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔ مولانا کی خدمات ماضیہ شاندار اور تاریخ ہند کا ایک ممتاز باب ہیں۔ حق تعالیٰ مولانا مرحوم کو غریق رحمت فرمائے یہ جلسہ ان کے اعزا و اقارب خصوصاً ان کے فرزندوں کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔

تجویز نمبر ۴۔ تعزیت ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم

جمعیۃ علماء ہند کا یہ جلسہ شاعر مشرق جناب ڈاکٹر سر محمد اقبال کی وفات حسرت آیات پر دلی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے اور ان کی وفات کو ایک قومی مفکر اور آزادی وطن کے داعی سے ہندوستان کی محرومی سمجھتا ہے اور یہ دعا کرتا ہے کہ حق تعالیٰ ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور آزادی وطن کی جو روح ان کے قومی ادب کی جان ہے اس پر مسلمانوں کو چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ یہ جلسہ مرحوم کے صاحبزادوں کے ساتھ اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔

مسودہ نظارت امور شرعیہ

اس اجلاس میں حضرت مولانا ابو المحاسن محمد سجاد صاحب قدس سرہ العزیز کا مکتوب گرامی بھی پیش کیا گیا جو "نظارت امور شرعیہ کے متعلق" "اسکیم" پر مشتمل تھا اور اردو اور انگریزی زبان میں طبع کرا کر ممبران اسمبلی اور دیگر مشاہیر و عمائدین کے پاس بھیجا گیا تھا۔ اجلاس ہذا نے اس مکتوب کے پیش نظر تجویز ۵ منظور کی جو نقل مکتوب کے بعد درج کی جائے گی۔

مکتوب

مکرمی۔ السلام علیکم۔ ایک ضروری امر کے لئے یہ عریضہ بھیج رہا ہوں۔ امید ہے کہ اس پر آپ

خاص توجہ فرمائیں گے۔

آپ کے علم میں ہے کہ ہندوستان میں علماء اور مسلمانوں کا یہ مطالبہ رہا ہے کہ یہاں کے ن
حکومت میں مسلمانوں کی تعلیم و تربیت، معاشرت اور قوانین مذہبی کے تحفظ کے لئے ایک مخصوص
قائم کیا جائے۔ لیکن اُن بارسوخ حضرات کی وجہ سے جن کی نظر میں اس کی کوئی اہمیت نہ تھی یہ م
وہ قوت حاصل نہ کر سکا جس کا یہ مستحق تھا اور انگریزوں کی اس کھلی روش کے بعد جو انہوں نے
برس کے عرصہ میں ہندوستان سے اسلامی تمدن کے مٹانے میں اختیار کی ہے یہ توقع رکھنا کہ وہ
سے اس مطالبہ کو قبول کر لیں گے عبث تھا۔ لیکن اس مقصد کے حصول کی کوشش ہم لوگوں نے
جاری رکھی۔ اب جب کہ موجودہ اصلاحات کے نفاذ نے ہندوستان میں ناقص لیکن قومی حکومت
بنیاد رکھ دی ہے اور بعض امور اب ایک حد تک نمائندگان جمہور کے ہاتھ میں آگئے ہیں ان مقاصد
حصول کی ایک راہ نکل آئی ہے۔

مسلمانوں کا کم از کم مطالبہ یہ تھا کہ ایک با اختیار حاکم امور شرعیہ کی انجام دہی کے
مقرر کیا جائے جو قاضی کا تقرر کرے اور مسلمانوں کے تمام مذہبی قوانین اور امور مذہبی
کا تعلق صرف مسلمانوں سے ہو) کا نگراں رہے اور خصوصیت سے مسلمانوں کی مذہبی تعلیم و ت
کا محافظ ہو۔

اس مقصد کے حصول کے لئے سب سے بہتر راہ تو یہ تھی کہ اعلان بنیادی حقو
کے سلسلہ میں ہندوستان کے نظام اساسی میں یہ چیز موجود ہوتی۔ لیکن افسوس یہ نہ ہ
اب موجودہ حالات میں یہ مناسب ہے کہ نظام شرعی کا ایک ایسا خاکہ پیش کیا جائے جو موجودہ
کے ذریعہ با آسانی چل سکے۔ اس سے اصلی مقصد تو پورا نہ ہوگا۔ لیکن یہ ہوگا کہ ناقص نقش تیار
گا اور کسی حد تک مسلمانوں کی بعض شکایات و مشکلات کا ازالہ ہو جائے گا۔

اسکیم یہ ہے

(۱) ہر حکومت میں "ناظر امور اسلامیہ" کا ایک عہدہ رکھا جائے (جو مختلف محکموں کے
کے مثل ایک عہدہ ہو اور یہ عہدہ دار کسی مسلمان وزیر کے ماتحت ہو اور اسکے متعلق حسب ذیل ا

(ا) مسلم اوقاف۔

(ب) تقرر قضاۃ یا تفویض اختیارات قاضی یا جیوری کے تعین میں مشورہ دینا۔

(ج) ہندوستانی بین الاقوامی معاملات کے متعلق اسلامی بین الاقوامی اصول کے ماتحت حکومت کو مشورہ دینا (اس کی رائے کا ان معاملات میں اکسپرٹ (ماہر) کی رائے کی حیثیت سے لحاظ رکھا جائے۔)

(د) تعلیم کے ہر صیغہ اور درجے میں مذہبی تعلیم کا نظم یا نگرانی (جیسی صورتِ حال اور ضرورت ہو) اس کے ماتحت ہو۔

(ہ) مسلمانوں کے "پرسنل لا" کے متعلق قانون سازی کی نگرانی اور اس کے متعلق اگر کوئی غلطی ہو رہی ہو یا کسی ذریعے سے ہو گئی تو حکومت کو اصلاح کے لئے مشورہ دینا۔

(۲) ناظر امور اسلامیہ کے ساتھ ایک مختصر مجلس مشورہ لائق مسلمانوں کی ہو۔

(۳) تمام تقرر اور انتخابات موقت ہوں۔

(۴) ا۔ مذکورہ محکمہ کے ساتھ ساتھ حکومت ایک قانون فسخ نکاح[1] اور طلاق و تفریق وخلع وغیرہ کے لئے اسلامی اصول کے ماتحت پاس کرائے جس سے وہ مشکلات دور ہو جائیں جو موجودہ عہد میں شرعاً قاضی مجتہد کے فقدان سے لاحق ہیں اور ہوں گی۔

(ب) تقرر قاضی کے لئے فی الحال یہ صورت اختیار کی جائے کہ مسلمان منصف اور جج کے تقرر کے معیار میں اس کا لحاظ رکھا جائے کہ فقہ اسلامی کی براہ راست معلومات ان کو ہوں یا اقل درجہ اس خاص صنف میں ہندوستانی (اردو) میں ضروری تالیفات مہیا کر دی جائیں (اور اسکا ڈیپارٹمنٹل امتحان بھی لے لیا جائے) اور تفویض اختیارات کے وقت ہائی کورٹ یا جوڈیشل محکمہ جس کی بھی حد ود ہوں ان ہی حکام کو نکاح، طلاق اور تفریق وغیرہ مقدمات کی سماعت کے اختیار دے۔

(ج) ان مقدمات کی سماعت کا ضابطہ اسلامی آداب قضا کے مطابق اردو میں تیار کر دیا جائے۔ اس طرح تقرر قضاۃ کا مسئلہ بغیر کسی مزید مالی بار کے کسی حد تک حل ہو جائے گا۔

ناظر امور اسلامیہ مسلم اوقاف کے ساتھ دوسرے امور کو انجام دے گا۔ تو کوئی مزید مالی بار بھی حکومت پر ایسا نہ پڑے گا جو غیر معمولی ہے۔

ایک اور ضروری امر مسلمانوں کی فوری توجہ کا محتاج ہے

یہ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی تمام تر تہذیب و تمدن اور معاشرت کی بنا مذہب پر ہے۔

---

[1] دیکھئے، ضمیمہ اول۔

اب تک انگریزوں نے مسلمانوں کے تمدن کے مٹانے کے لئے طرح طرح کے نظریے پیدا کئے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ "حکومت مذہبی تعلیم کے نظم کی ذمہ دار نہیں ہو سکتی" اب جب کہ نئی اصلاحات نے صوبوں میں قومی حکومت کی ایک شکل پیدا کر دی ہے۔ یہ حکومتیں جیسی کچھ بھی ہوں بہرحال قومی حکومتیں ہیں۔ تو ان کو مسلمانوں کے اس جائز اور واجبی مطالبہ سے کہ تعلیم کے درجہ میں مذہبی تعلیم کا نظم کیا جائے، بے اعتنائی نہ برتنی چاہیئے۔ مسلمانوں کے لئے یہ مسئلہ وقت کے تمام مسائل سے زیادہ اہم ہے۔ اس لئے حکومت اور قوم کو اس طرف فوراً توجہ کرنی چاہیئے۔ کیونکہ مسلمانوں کے لئے بہرا اجتماعی وانفرادی اخلاق کی کمزوری ان کی مذہبی معلومات اور تربیت کی کمی ہی کی وجہ سے ہے اور ایک اصلاح سے ان بہت سی کمزوریوں کی اصلاح بیک وقت ہو جائے گی جو حکومت، قوم، ملک سب کے لئے یکساں مفید ہو گی۔

ابوالمحاسن محمد سجاد نائب امیر شریعت صوبہ بہار و اڑیسہ
پھلواری شریف۔ پٹنہ۔

ایک طویل بحث و مباحثہ کے بعد حسب ذیل تجویز پاس ہوئی۔

تجویز نمبر ۵۔ تہذیبی خود مختاری (کلچر اٹانمی)

چونکہ مسلمانانِ ہند کا پرسنل لا مخصوص و ممتاز پرسنل لا ہے اور ملت اسلامیہ ایک مستقل ملت ہے اس ملت کی اسلامی زندگی اور تہذیب کی بقا کے لئے ازبس ضروری ہے کہ ایک بااختیار نظام قائم ہو۔ حکومت برطانیہ نے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء میں پرسنل لا اور کسی ایسے نظام کے لئے کوئی چیز نہیں رکھی چونکہ انڈین نیشنل کانگریس نے بھی مسلمانوں کو ایک ملت تسلیم کیا اور ان کے پرسنل لا کے تحفظ و آزادی کا وعدہ کیا ہے اور صوبہ جات میں صوبجاتی حکومتیں بھی قائم ہو گئی ہیں اس لئے جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس طے کرتا ہے کہ بحالاتِ موجودہ ایک مسودۂ قانون کلچرل اٹانمی کے اصول پر مرتب کیا جائے۔ اور اس کو صوبجاتی مجالسِ قانون ساز میں پیش کر کے پاس کرانے کی سعی کی جائے جس کے ذریعہ مسلمانوں کی ملی اور معاشرتی ضروریات پوری ہو سکیں۔ مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب کا مرتب کردہ مسودہ بھی پیشِ نظر رکھا جائے۔ ایسا مسودہ مرتب کرنے کے لئے ذیل کی سب کمیٹی معین کی جاتی ہے۔ یہ سب کمیٹی آئندہ مئی ۱۹۳۹ء تک اپنی رپورٹ مجلسِ عاملہ جمعیۃ علماء ہند کے سامنے پیش کر

دسے۔ اس کمیٹی کو اضافۂ ارکان کا حق ہوگا۔ اور اس کے داعی مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب ہوں گے۔

۱۔ مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب — ۲۔ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی

۳۔ مولوی امین احسن صاحب اصلاحی

محرک:۔ مولانا مفتی محمد نعیم صاحب — مؤید:۔ مولانا بشیر احمد صاحب

تائید مزید:۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب

جمعیۃ علماء ہند کی پالیسی کا اعلان

اس تجویز کے بعد سبجکٹ کمیٹی اور جمعیۃ عمومیہ کے سامنے حسب ذیل اعلان پڑھا گیا۔ اعلان پر مختلف حضرات نے تقریریں کیں۔ یہ اجلاس مسلسل شام تک جاری رہا۔ درمیان میں نماز اور کھانے کے لئے ملتوی ہوتا رہا۔ عصر کی نماز کے بعد اس اعلان میں ترمیموں کا سلسلہ شروع ہوا۔ مغرب کے بعد جملہ ترمیمیں واپس لے لی گئیں لیکن صرف ایک ترمیم پر ووٹ لینے کی نوبت آئی۔ رائے شماری سے قبل اصل محرک مولوی مفتی محمد نعیم صاحب نے ترمیم کو منظور کر لیا اور اعلان کے متعلق ذیل کی تجویز منظور کر لی گئی۔

تجویز نمبر ۶

جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس ورکنگ کمیٹی کو اختیار دیتا ہے کہ جمعیۃ العلماء کی طرف سے حسب ذیل اعلان کردے۔

مضمونِ اعلان:۔ جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس شریعتِ حقہ کی روشنی میں اور اس ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے جو اس پر خدائے عز و جل اور سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس امانت کا حامل ہونے اور اسی مقدس امانت، قوم و وطن کی حفاظت کے فریضہ کی جہت سے عائد ہوتی ہے، مسلمانان ہند کی بصیرت کے لئے حسب ذیل حقائق کا اظہار و اعلان کرتا ہے۔

۱۔ مسلمان کی فطرت میں آزادی کی محبت اور مخلوق کی غلامی سے نفرت قدرت نے ودیعت رکھی ہے ہر راسخ العقیدہ مسلمان آزادی حاصل کرنے کے لئے ہر قسم کی جد و جہد کے لئے آمادہ اور جانی و مالی قربانیاں پیش کرنے کے لئے تیار رہتا ہے۔

۲۔ جمعیۃ علماء ہند کا یومِ تاسیس سے مطمحِ نظر اور نصب العین یہی رہا ہے کہ ہندوستان برطانوی امپریلزم کے

تسلط اور اقتدار سے نجات پائے۔

۳۔ تمام عقلاء و رہنمایان ہندوستان کے نزدیک یہ مسلّمہ مسئلہ رہا ہے کہ ہندوستان کو انگریزی اقتدار سے نکالنے اور کامل آزادی حاصل کرنے کے لئے تمام اقوام ہند کی مشترکہ اور متحدہ جدوجہد ضروری ہے۔ جب تک امپریلزم کے خلاف تمام اقوام ہند متحدہ محاذ پیش نہ کریں اور جنگِ آزادی میں دوش بدوش کام نہ کریں بظاہر اسباب ہندوستان کی نجات ناممکن ہے۔

۴۔ جمعیۃ علماء ہند نے اسی نظریہ کے ماتحت گذشتہ دور میں ہندوستان کی مشترکہ جماعت انڈین نیشنل کانگریس سے جنگِ آزادی میں اپنی مستقل حیثیت برقرار رکھتے ہوئے اشتراکِ عمل کیا اور اپنی مجاہدانہ دیرینہ روایات کو سرفروشانہ اقدام کے ذریعہ سے ثابت بلکہ روشن کر دیا۔

۵۔ مگر بدقسمتی سے یہ جدوجہد منتہائے مقصد (آزادی کامل) تک پہنچانے سے قبل درمیان میں رک گئی اور برطانوی امپریلزم نے اپنی عیارانہ حکمت عملی سے ہندوستان کے سامنے (گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی صورت میں) حکومتِ ہند کا دستورِ جدید پیش کر دیا۔ اس دستورِ جدید کے وضع کرنے میں چند ہندوستانی بھی شریک کئے گئے جن میں خلافت کمیٹی اور مسلم لیگ کے ارکان بھی تھے۔ مسلم ارکان نے دستور کی جمہوری اصول پر تشکیل کرنے سے اختلاف نہیں کیا اور اپنی طرف سے کوئی ایسا مطالبہ پیش نہیں کیا جس میں مسلم حکومت یا اس کی جداگانہ تشکیل ہو۔

۶۔ کانگریس اور اس کے ساتھ مسلم لیگ اور خلافت کمیٹی اور دیگر مسلمانوں نے اس ناقص اور غیر اطمینان بخش دستور کو چلانے اور اس کے ماتحت کام کرنے کا فیصلہ کیا چنانچہ کانگریسی اور غیر کانگریسی سب اسی دستورِ جدید کے ماتحت کام کر رہے ہیں۔ اسمبلیوں میں سب شریک ہیں اور اجتماعی توت سے حکومت کی مشینری کو چلا رہے ہیں۔

۷۔ اگرچہ دستورِ جدید نافذ ہوگیا تاہم اس میں شبہ نہیں کہ وہ ہندوستان کے اصل مطالبہ آزادی کامل کو پورا نہیں کرتا اور اس کے ذریعے سے ملے ہوئے اختیارات اتنے کمزور اور ناقابلِ اعتبار ہیں کہ ہر وقت دستور کے فیل ہونے اور حکومت ٹوٹ جانے کا خطرہ لگا ہوا ہے۔

۸۔ اس التوائے جنگ اور تعمیری زمانہ میں مسلمانوں کے سامنے یہ اہم مسئلہ ہے کہ مسلمان انڈین نیشنل کانگریس کے ساتھ اشتراکِ عمل کریں یا نہیں۔

جمعیۃ علماء اس مسئلہ پر پورے تعمقِ نظر اور غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ جب مسلمان اس دستورِ جدید کے

اصول اور مشترک ذمہ داری کو عملاً تسلیم کر چکے اور اس کے ماتحت اسمبلیوں اور کونسلوں میں باوجود اپنی قلت اور غیر مسلم ارکان کی اکثریت کے شریک ہو رہے ہیں اور حکومت کی مشینری کو باہمی اشتراک عمل سے چلا رہے ہیں تو اسلامی اصول اور عقل و بصیرت کی روشنی میں ان کو کانگریس کے ساتھ اشتراک عمل بھی ضروری ہے یہ اجلاس مسلمانان ہند سے پر زور اپیل کرتا ہے کہ وہ ہر شہر ،اور دیہات میں کانگریس کے باضابطہ ممبر بنیں اور تمام کانگریس کمیٹیوں میں شریک ہو کر عملی کارروائی میں حصہ لیں کیونکہ ملک کی آزادی اور ملت اسلامیہ کے قومی اور مذہبی حقوق کے حاصل کرنے کا اور ان کے تحفظ کا دستوری طریق سے یہی راستہ ہے۔

۹۔ لیکن جمعیۃ علماء ہند نے کسی وقت اپنی مستقل حیثیت کو فنا نہیں کیا اس نے گذشتہ جنگ کے دور میں کانگریس کے ساتھ اشتراک عمل تو کیا اور اس کی مبارک اور مشکور مساعی سے مسلمانوں کی قربانیاں ان کی آبادی کے تناسب کے لحاظ سے بہت زیادہ رہیں تاہم اس نے یہ تمام کام اپنے پلیٹ فارم سے کئے اور آئندہ بھی وہ اپنی مستقل حیثیت برقرار رکھنے کی پالیسی پر قائم ہے۔

۱۰۔ جمعیۃ علماء پر مخالفین کا یہ نہایت غلط الزام بلکہ افترا ہے کہ اس نے ہر موقعہ پر کانگریس کی جا و بیجا حمایت کی ہے یا اس کی ہر بات کو تسلیم کر لیا ہے جمعیۃ علماء کا یہ دعویٰ ہے جس کے دستاویزی شواہد اس کے ریکارڈ اور اخبارات کے فائلوں میں موجود ہیں کہ جمعیۃ نے ہر موقعہ پر کانگریس کی ان تجاویز اور اعمال پر سخت نکتہ چینی کی ہے جن کو مسلم مفاد کے خلاف پایا، نہرو رپورٹ پر تنقید و تبصرہ اور کانگریس کے مجوزہ ہندو مسلم تصفیہ کے فارمولا سے اختلاف اور جدید فارمولا کی تشکیل و ترتیب جمعیۃ نے کی، یہ سب باتیں کانگریس کے فائلوں میں موجود ہونگی کوئی ایک مثال بھی ایسی نہیں پیش کی جا سکتی کہ جمعیۃ نے کسی ایسی بات کو تسلیم کر لیا ہو یا مسلط ہو جس کو مسلمانوں کے مفاد کے خلاف یقین کیا جا سکتا ہو۔

۱۱۔ جمعیۃ تمام مسلمانوں کو بتا دینا چاہتی ہے کہ وہ اپنے اصل مطالبہ آزادی کامل کی تحصیل سے غافل نہیں ہے اور ان مسلمانوں سے جو کانگریس میں شریک ہوں مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اسلام کے احکام کی پابندی کرتے ہوئے حکومت کی ہر اس تجویز کی شدت سے مخالفت کریں جس سے آزادی کامل کی راہ میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہو یا جس کا اثر ملت اسلامیہ یا اسلام کے خلاف ہو۔

۱۲۔ جمعیۃ علماء یہ اعلان کرتی ہے کہ موجودہ وطنی حکومت کی طرف سے مسلمانوں کی مذہبی اور قومی

خصوصیات کو پامال کرنے یا بے اعتنائی برتنے کی صورت میں جمعیۃ علماء مدافعت کی مؤثر تدابیر کام میں لائے گی اور تدارک نہ کئے جانے کی صورت میں جمعیۃ علماء ہی پہلی جماعت ہوگی جو وطنی حکومت کے خلاف محاذ جنگ قائم کرکے ہر قسم کی قربانیاں پیش کرنے سے دریغ نہ کرے گی۔

۱۳۔ جمعیۃ علماء ہند کے نزدیک اقوام ہند کا اتحاد یا اتفاق صرف اس معنی میں ضروری ہے کہ برطانوی امپیریلزم کے خلاف تمام ہندوستانی متحدہ محاذ میں شریک عمل ہوں۔ یہ نہیں کہ تمام ہندوستانیوں کی وضع اور تہذیب ایک ہوجائے مسلمان اپنی اسلامی تہذیب اسلامی عقائد اور اسلامی اعمال اسلامی وضع سے سرمو ہٹنا گوارا نہیں کرسکتا۔ نہ وہ کسی غیر اسلامی تہذیب کو قبول کرسکتا ہے۔

۱۴۔ جمعیۃ علماء ہند تمام مسلمانان ہند کو بتا دینا چاہتی ہے کہ مستقبل میں اسلام کو ہولناک خطرات سے بچانے اور محفوظ رکھنے کی یہی سبیل ہے کہ وہ جمعیۃ علماء کو قوی اور مستحکم بنائیں اور اس کی ہدایات پر عمل کریں۔ کیونکہ ناموس اسلام کے محافظ یہی نائبان رسول کریم ؐ ہیں۔

رپورٹ سب کمیٹی واردھا تعلیمی اسکیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

ہم نے واردھا تعلیمی اسکیم پر غور کیا۔ اول اجمالی طور پر ہم اس کے مفصلہ ذیل بنیادی اصول پر بحث کرتے ہیں۔

۱۔ ذریعۂ تعلیم مادری زبان ہو۔

۲۔ نظری تعلیم کے ساتھ ساتھ بنیادی دستکاری بھی سکھائی جائے بلکہ دستکاری ہی کو ذریعہ تعلیم قرار دیا جائے۔

۳۔ ابتدائی تعلیم کو عام اور لازم کرنا۔

۴۔ بچوں کے ذہن میں ابتداء ہی سے رواداری اور روشن خیالی پیدا کرنے کے ذرائع اختیار کرنا اور ان کو تعلیم سے فراغت کے بعد ایک مفید شہری اور کارگزار انسان بنانا۔

مقدم الذکر تین اصول تو بلاشبہ مستحسن اور قابل قبول ہیں۔ البتہ چوتھا اصول اگر اسی قالب

میں ہوتا۔ جس میں ہم نے اسے ذکر کیا ہے تو وہ اصول ثلاثہ مقدمہ کی طرح مستحسن اور قابلِ قبول تھا۔ لیکن جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خان صاحب نے اس چوتھے اصول کو اپنی رپورٹ ص۱۱۱ و ص۱۱۸ و ص۱۱۹ (طبع ثانی از رسالہ جامعہ) میں ذکر فرمایا ہے اور ہمیں افسوس ہے کہ ان کی عبارت سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تعلیم کا مقصد یہ قرار دیتے ہیں کہ آئندہ ہندوستان میں اس اسکیم کے ماتحت تعلیم یافتہ ایک تہذیب اور ایک قسم کے عقائد اور مشابہ اعمال کے پابند ہوں وہ تمام مذاہب کی عزت کریں (یعنی تمام مذاہب کو سچا سمجھتے ہوں) اور ان میں مذہبی لحاظ سے کوئی امتیاز باقی نہ رہے نیز وہ اہنسا کی حقانیت کے معتقد اور اس پر عامل ہوں۔

ظاہر ہے کہ یہ اصول نہ صحیح ہے نہ قابل عمل ہے اور اس میں ہندوستان کے مختلف مذاہب اور مختلف رجحانات کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے۔ مختلف مذاہب کے ساتھ رواداری برتنا اور چیز ہے۔ اور مختلف (بلکہ متضاد) مذاہب کو صحیح اور حق سمجھنا بلکہ سب کو ایک سمجھنا اور شے ہے یہ بات تو دو ہندو فرقوں مثلاً سناتن دھرمیوں اور جینیوں میں بھی متحقق الوقوع نہیں پھر غیر مسلموں اور مسلمانوں میں کس طرح اس کی توقع کی جا سکتی ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں نے عدم تشدد کو اپنے موجودہ ماحول کی وجہ سے بطور پالیسی اختیار کر لیا تھا اور اب تک اختیار کئے ہوئے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ قرآن حکیم کی آیات جہاد کو بھول گئے یا چھوڑ بیٹھے اور تشدد کو اگرچہ وہ ضروری مواقع میں اختیار کیا جائے۔ گناہ اور پاپ سمجھنے لگے۔ نیز یہ لفظ ایسے انداز سے ذکر کیا گیا ہے۔ جس سے خطرہ ہوتا ہے کہ بچوں کے ذہنوں میں اس کا مفہوم "جیو ہتھیا" کے معنی میں بیٹھ جائے گا یا بٹھا دیا جائے گا۔ جس کا اثر مسلمانوں کے ایک خاص معاشرتی اور مذہبی عمل ذبح حیوانات پر بھی پڑے گا اور آئندہ ہندوستان میں یہی ایک چیز ہمیشہ منشاء نزاع بنی رہے گی اور اگر خاکم بدہن یہ اسکیم اس معنی سے کامیاب ہو گی کہ بچوں کے دماغ میں ابتداء ہی سے ذبح حیوانات اور عقیدۂ جہاد سے نفرت بیٹھ گئی اور سب کے سب انسان اس کو مذموم سمجھنے لگے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جدید تعلیم نے مسلمانوں کا ایک مذہبی عقیدہ بدل دیا اور ان کے ایک معاشرتی اور مذہبی حق کو باطل کر دیا۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ ہندوستان جیسے ملک میں جہاں بے شمار مختلف مذاہب موجود ہیں بغیر باہمی رواداری کے زندگی گزارنا مشکل بلکہ محال ہے۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی صحیح ہے کہ متحدہ قومیت کا یہ تخیل کہ مسلمان بھی اپنی خالص اسلامی تہذیب کو چھوڑ کر کسی ایسی تہذیب میں مدغم ہو جائیں گے جس میں اسلامیت اور غیر اسلامیت کا امتیاز نہ ہو۔ اس سے زیادہ مشکل اور بداہتہً

محال ہے مسلمان ایسی رواداری کہ جس میں مختلف اور متضاد مذاہب کے لوگ امن و اطمینان سے زندگی بسر کریں اختیار کرنے اور برتنے کے لئے نہ صرف تیار ہیں بلکہ ان کی قدیمی روایات اس کی شاہد ہیں اور اس کے خلاف ان کو کسی ایسی متحدہ قومیت کا درس دینا جس میں اسلامی تہذیب کے نقوش بھی مٹ گئے یا مٹا دئے گئے ہوں نہ صرف فضول بلکہ فتنہ و فساد کی بنیاد ڈالنا ہے۔ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کی رپورٹ میں ابتدائی تعلیم کے خاکہ کی جو تفصیلات بیان کی گئی ہیں ان میں سے مفصلہ ذیل امور قابل ترمیم اصلاح ہیں۔ ان کی تفصیل سے پہلے ہم یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کا ناقابل تزلزل عقیدہ اور یقین راسخ یہ ہے کہ ان کا دین اسلام ان کے ایمان اور اعمال اور معاشرت اور تمدنی زندگی کے تمام اصول فروع کو حاوی ہے، ان کی اسلامی تہذیب ممتاز ہے اور اس کی حفاظت کے لئے اسلامی کلچر کی حفاظت ضروری اور لازمی ہے۔ وہ ایک سیکنڈ کے لئے بھی اس کے لئے تیار نہیں کہ اسلامی تعلیم و تہذیب کو چھوڑ کر کسی دوسری تہذیب کو اختیار کریں وہ سیاسی آزادی سے مذہبی آزادی کو اہم سمجھتے ہیں۔ وہ کسی ایسی چیز کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں جو ان کے اسلامی عقائد یا اعمال یا معاشرت پر مخالفانہ اثر ڈالے۔ ہندوستان میں آٹھ کروڑ یا ساڑھے سات کروڑ مسلمان آباد ہیں۔ اتنی بڑی قوم کی ضروریات کو نظر انداز کر کے کوئی حکومت سرسبز نہیں ہو سکتی۔ اور تعلیم کا مسئلہ تو ایک بنیادی مسئلہ ہے جس پر قوم کے تمام ذہنی نشوونما کا مدار ہے اس لئے کوئی تعلیمی اسکیم اس وقت تک مقبول اور کامیاب نہیں ہو سکتی جس پر مسلم قوم کے تعلیمی ادارے اور مذہب کے ماہرین اطمینان ظاہر نہ کریں۔ ہمیں افسوس ہے کہ واردھا تعلیمی اسکیم پر کسی ذمہ دار مذہبی مسلم تعلیمی ادارے کی رائے معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی گئی اور مسلمانوں کی مذہبی جماعت جمعیۃ علماء سے بھی استصواب نہیں کیا گیا، یہ ایک اصولی غلطی ہے جس کا جلد از جلد ازالہ کر دینا لازم ہے۔ اس اصول کی روشنی میں اس اسکیم میں حسب ذیل امور کی اصلاح لازم ہے۔

۱۔ لڑکوں اور لڑکیوں کی مخلوط تعلیم نہ ہو۔

۲۔ جداگانہ لڑکیوں کے اسکول میں بھی لڑکی پر ۱۲ سال کی عمر کے بعد جبری حاضری کی پابندی قبول نہیں کی جا سکتی۔

۳۔ مسلمان بچوں کو گانے بجانے اور تال سُر کی تعلیم نہیں دی جا سکتی۔

۴۔ مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کو تصویر کشی یعنی جاندار کی تصویریں بنانا اور سیکھنا جائز نہیں۔

۵۔ مسلمان لڑکوں کو اگر وہ جبری تعلیم کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر رہے ہوں جبری تعلیم سے مستثنیٰ

کر دینا لازمی ہوگا۔

ان کے علاوہ اسکیم میں مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ ہم ابتدائی تعلیم کے زمانہ میں مذہبی تعلیم کے لزوم کو ضروری سمجھتے ہیں اور مسلمان لڑکیوں کے لئے امور خانہ داری گھریلو صنعتوں کی تعلیم کا خاص انتظام چاہتے ہیں۔ یعنی کورس کی ترتیب کے وقت اس کا خاص طور پر لحاظ رکھا جائے کہ لڑکوں کا کورس لڑکوں کے مناسب حال ہو اور لڑکیوں کا کورس ان کے لائق ہو۔ یہ بھی لازم ہے کہ تعلیم کی پوری اسکیم میں کوئی بات ایسی نہ آنے پائے جو مسلمانوں کے مذہب کے خلاف ہو مثلاً کسی مجسمہ کی تعظیم کرانا یا غیر اسلامی طریق پر پرارتھنا کرانا یا کوئی غیر اسلامی گیت گانا وغیرہ وغیرہ۔

آخر میں ہم جمعیۃ العلماء سے سفارش کرتے ہیں کہ وہ واردھا تعلیمی اسکیم کے متعلق حسب ذیل مضمون کی تجویز پاس کرے۔

مضمون تجویز

جمعیۃ علماء ہند واردھا تعلیمی اسکیم کو قابل ترمیم واصلاح سمجھتی ہے اور اس کے ذمہ دار اصحاب سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ جمعیۃ العلماء کی منظوری اور اظہار اطمینان کے بغیر آٹھ کروڑ مسلمانوں کی تعلیم کی کوئی اسکیم نافذ نہ کریں ورنہ مسلمان اسے قبول نہ کریں گے اور ملک میں اختلاف وانتشار پیدا ہونے کی ذمہ داری اسکیم وضع کرنے والوں اور چلانے والوں پر عائد ہوگی۔

محمد کفایت اللہ	ابوالمحاسن محمد سجاد	فقیر احمد سعید
کان اللہ لہ	کان اللہ لہ	کان اللہ لہ

ہم رپورٹ کے تمام اجزاء سے کلی اتفاق رکھتے ہیں مگر مذہبی تعلیم کے بارہ میں یہ جداگانہ رائے رکھتے ہیں کہ مذہبی تعلیم کا انتظام مشترک حکومت کے ہاتھوں مفید نہیں ہے اس لئے مشترک تعلیمی اداروں کی بجائے مسلمانوں کے اپنے انتظام سے ہونا چاہیئے البتہ ایسے اسلامی مکاتب کے اجراء کے لئے حکومت سے بھی امدادی رقوم منظور کرائی جائیں اور خود بھی انتظام کریں۔ نیز اس اسکیم کے نفاذ کے ساتھ ساتھ یہ بھی تصریح کر دی جائے کہ جن مسلم پرائیوٹ مدارس میں مذہبی تعلیم دی جا رہی ہے وہ اگر اس اسکیم کی منظور شدہ تعلیمی نصاب کو شامل کرلیں تو ان مدارس کے بچوں کو سرکاری مدارس میں تعلیم حاصل کرنے پر مجبور نہ کیا جائے۔ محمد حفظ الرحمن کان اللہ لہ

نور الدین بہاری

تجویز ورکنگ کمیٹی نمبر ۷

جمعیت علماء کا یہ اجلاس وارد ھا تعلیمی اسکیم کے متعلق سب کمیٹی کی اکثریت کی رپورٹ منظور کرتا ہے
ا اسکیم میں کمیٹی کی رائے کے موافق اصلاح و ترمیم ضروری سمجھتا ہے اور قرار دیتا ہے کہ مسلمانوں کے لئے
ئی تعلیمی اسکیم اس وقت تک منظور نہیں کی جا سکتی جب تک وہ نقائص مذکورہ سے صاف نہ ہو اور
یت علماء اس کی تصدیق نہ کر دے۔

تجویز نمبر ۸/۱ ودّیا مندر اسکیم

جمعیت علماء ہند کا یہ اجلاس ودّیا مندر سسٹم کے متعلق یہ ظاہر کرتا ہے کہ حکومت سی پی کا اس
م کے باقی رکھنے پر اصرار درست نہیں اور مسلمانوں کو بیت العلم یا مدینت العلم نام رکھنے کی اجازت دینے
ے وہ سوال حل نہیں ہوتا جو تعلیم کو غیر فرقہ وارانہ اصول پر عام کرنے کے متعلق تھا۔ جمعیت کا خیال یہ ہے
حکومت کے زیر اہتمام جو ٹرسٹ عام تعلیم کے لئے قائم ہو اس کے نام کو بھی فرقہ وارانہ امتیاز یا اس
ے شائبہ سے پاک ہونا چاہیئے۔

تجویز نمبر ۹/۱ صنعت و حرفت میں مسلمانوں کی حق تلفی

ہندوستان کی صنعت و حرفت کی ترقی کی غرض سے انڈین نیشنل کانگریس کے صدر نے گذشتہ دسمبر
ں ایک کمیٹی بنائی ہے اس کمیٹی میں مسلمان ماہرین صنعت میں سے ایک شخص کو بھی ممبر نہیں کیا گیا جو بظاہر
مسلمانوں کے حقوق کو نظر انداز کرنے کے مترادف ہے جمعیت العلماء اس پر افسوس کا اظہار کرتی ہے اور اس کی تلافی نہ کی
گئی تو اس امر کے متعلق اعلان کرنے پر مجبور ہوگی کہ اس معاملہ میں بھی مسلمانوں کی حق تلفی کی گئی اور کی جا رہی ہے۔

تجویز نمبر ۱۰/۱ انڈین نیشنل کانگریس کے جلسوں اور جلوسوں میں فرقہ وارانہ نشان

چونکہ انڈین نیشنل کانگریس اقوام ہند کی مشترکہ سیاسی انجمن ہے اس لئے جمعیت علماء ہند کا یہ اجلاس
مہ داران کانگریس کو توجہ دلاتا ہے کہ کانگریس کے اجلاس اور جلوسوں کی سجاوٹ اور کارروائیوں اور
وگرام اصطلاحات و الفاظ کو ایسی چیزوں سے پاک و صاف رکھے جو کسی خاص مذہبی فرقے کی مخصوص تہذیب

کو ظاہر کرتی ہوں یا جس سے کسی خاص ملت کی مذہبی حسیات و جذبات کو ٹھیس لگنے کا اندیشہ ہو۔

تجویز نمبر ۱۱/۱۳ صوبجاتی حکومتوں میں مسلمانوں کی شکایات

چونکہ مسلمان بعض کانگریسی صوبجاتی حکومتوں کے طرزِ عمل سے بعض شکایات کی بنا پر جو جمعیت علما کو ملتی رہی ہیں غیر مطمئن ہیں اس لئے جمعیت علماء ہند کا یہ اجلاس انڈین نیشنل کانگریس سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ایک غیر سرکاری تحقیقاتی کمیٹی ان شکایات کی تحقیقات کے لئے مقرر کرے جو کانگریسی صوبوں میں مسلمانوں کو اُن کانگریسی حکومتوں سے ہیں اس کمیٹی میں جمعیت علماء ہند کے نمائندہ بھی شریک کئے جائیں اور تحقیق شکایات کے بعد اُن کے تدارک کا قرار واقعی انتظام کیا جائے۔

تجویز نمبر ۱۲/۱۴ صوبہ سی پی و اڑیسہ میں مسلم وزارت

جمعیت علماء ہند کا یہ اجلاس اڑلیسہ کی کانگریسی حکومت کے اس طرزِ عمل کو کہ اس نے کیبنٹ میں کسی مسلمان وزیر کو نہیں لیا اور سی پی گورنمنٹ کے اس تساہل کو کہ اُس نے مسٹر شریف کی جگہ اب تک دوسرا مسلمان وزیر مقرر نہیں کیا سخت افسوس کی نظر سے دیکھتا ہے اور صدر کانگریس اور ان دونوں حکومتوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنے اس افسوس ناک تغافل اور تساہل کا جلد از جلد تدارک کر کے مسلمانوں کو مطمئن کر دیں۔

تجویز ۱۳/۱۵ ہندوستانی زبان کا مفہوم بدلنے کی کوشش

کانگریس نے ہندوستانی زبان کی جو تعریف اپنی دستاویزوں میں کی ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستانی زبان وہ ہے جو شمالی ہند میں عام طور سے بولی اور سمجھی جاتی ہے اس تعریف کے بموجب ہندوستانی زبان اور اُردو زبان کا مطلب ایک ہو جاتا ہے مگر ہم بعض ذمہ دار کانگریسیوں اور کانگریسی حکومتوں کے بعض ذمہ دار افراد کا رویہ اس کے خلاف پاتے ہیں وہ قصداً موقع بے موقع سنسکرت کے ایسے نامانوس الفاظ استعمال کرتے ہیں جو شمالی ہند میں تو درکنار دوسرے صوبوں میں بھی نہیں بولے جاتے اور جن کو سمجھنے سے بھی عام لوگ قاصر رہتے ہیں، اس رویہ سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ کانگریسی حکومتیں نامحسوس طریقے پر یہ کوششیں کر رہی ہیں کہ ہندوستانی ..ن کو سنسکرت کے قالب میں ڈھال دیں اور خود اپنا متعین کیا ہوا "ہندوستانی زبان" کا مفہوم بدل دیں۔ یہ رویہ یقیناً قابلِ افسوس ہے اور اس سے ہندوستان میں باہمی کش کش بڑھنے اور مسلمانوں کو کانگریس سے

بد ظنی کرنے کے سوا اور نتیجہ پیدا نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا یہ اجلاس انڈین نیشنل کانگریس سے پُرزور مطالبہ کرتا ہے کہ وہ جلد از جلد اس کا تدارک کرے۔

۲۷ جنوری ۱۹۳۹ء کو جے پور میں جامع مسجد واقع جوہری بازار کے دروازے کی توسیع کے مسئلہ پر پولیس نے لاٹھی چارج اور اندھا دھند فائرنگ سا اور جس سے سرکاری گزٹ[1] کے مطابق "مسلمان اور تین ہندو ہلاک اور ۳۵ زخمی ہوئے اور پھر مختلف صورتوں سے مسلمانوں کو اتنا خوف زدہ اور مرعوب کر دیا گیا کہ صحیح طور پر وہ اخبارات کو اطلاعات بھی نہ دے سکے۔

رفتہ رفتہ جب یہ خبر دہلی پہنچی تو حضرت مولانا احمد سعید صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند نے مولانا عبدالماجد صاحب دہلوی اور مولانا عظمت اللہ صاحب ملیح آبادی پر مشتمل ایک وفد تحقیقات کے لئے بھیجا۔ ۹ فروری ۱۹۳۹ء کو وفد نے جے پور میں قیام کرکے واقعات کی تحقیق کی اور اس تمام سانحہ کے متعلق رپورٹ مرتب کی۔

یہ رپورٹ[2] اس اجلاس میں پیش کی گئی اجلاس نے اس رپورٹ کی بنیاد پر مندرجہ ذیل تجویز پاس کی۔

تجویز نمبر ۱۴/۱۶ جے پور کے خونی حادثہ کے متعلق

جمعیت علماء ہند کے اجلاس نے حادثہ فاجعہ جے پور کے متعلق اپنے نمائندوں کی رپورٹ پر غور کیا۔ جمعیت علماء کو یقین ہے کہ اس حادثہ کی ذمہ داری حکومت اور پولیس کے غیر منصفانہ رویہ عائد ہوتی ہے لہٰذا یہ اجلاس ریاست جے پور سے مطالبہ کرتا ہے کہ ایک غیر جانبدار اور آزاد کمیشن کے ذریعہ سے واقعہ کی تحقیقات کرائی جائے اور جن عہدہ داروں اور افسروں پر اس ظالمانہ خوں ریزی کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے ان کو عبرت آموز سزائیں دی جائیں اور مجروحین کو معاوضہ اور مقتولین کے پس ماندگان کے گذارے کی سبیل کی جائے۔ قیدیوں کو بلا شرط رہا کر دیا جائے اور جامع مسجد کے دروازے کی توسیع میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالی جائے یہ اجلاس ان مسلم جماعتوں کے بعض افراد کے رویہ پر جنہوں نے حکام جے پور

---

[1] وفد جمعیت علماء ہند کی رپورٹ کے بموجب ساٹھ مسلمان شہید اور تقریباً ڈھائی سو زخمی۔

[2] یہ مفصل رپورٹ جمعیت علماء ہند کے اجلاس یازدہم منعقدہ مارچ ۱۹۳۹ء میں شائع ہو چکی ہے طوالت کے پیش نظر ہم اس کو اس موقع پر نقل کرنا غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ (محمد میاں)

کے ساتھ سانپ ذکر کے اس حادثہ فاجعہ پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی یا کر رہے ہیں اور مسلمانوں کے خون کو ضائع کر رہے ہیں سخت ملامت اور نفرت کا اظہار کرتا ہے یہ لوگ مسلمانوں کے مفاد کے دشمن ہیں اور امن و امان کے لئے ان کا رویہ بے حد خطرناک ہے۔

ملک میں فرقہ وارانہ فسادات کے متعلق صوبہ جاتی حکومتوں اور محبان وطن سے اپیل

ریاست جے پور کی تجویز کے بعد فرقہ وارانہ فساد کے متعلق حسب ذیل تجویز منظور ہوئی۔

تجویز نمبر ۱۵/۱۷

جمعیت علماء ہند کا یہ اجلاس ملک کے آئے دن کے فرقہ وارانہ فساد کو سخت خطرے اور نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے اور افسوس کے ساتھ یہ اعلان کرتا ہے کہ متعلقہ حکومتیں ان فسادات کو روکنے اور ان کے اسباب کا قلع قمع کرنے میں بڑی حد تک ناکام رہی ہیں یہ اجلاس تمام صوبہ جاتی حکومتوں اور تمام محبانِ وطن سے اپیل کرتا ہے کہ وہ وطن کو ان فرقہ وارانہ فسادات کی لعنت سے چھڑانے کے لئے موثر اقدام کریں تاکہ ان فسادات کی بدولت اُن کی غلامی کی زنجیریں زیادہ مستحکم نہ ہوتی رہیں اور ملک کو امن و امان کے ساتھ زندگی بسر کرنے اور ترقی کرنے کا موقع ملے۔

تجویز نمبر ۱۶/۱۸

جمعیت علماء ہند کا یہ اجلاس گورنمنٹ سے مطالبہ کرتا ہے کہ حج لائن میں مغل کمپنی اور سندھیا کمپنی کے نرخ کرایہ جہاز کے درمیان مقابلے کی جنگ کو ختم کرنے کے لئے کوئی قانونی اقدام کرے اس کی وجہ سے غریب حجاج کمی کرایہ کی امید پر بندرگاہوں پر چلے جاتے ہیں اور پھر مغل لائن میدان خالی پاکر کرایہ بڑھا دیتی ہے جس سے بے طور پر غریب مصیبت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ سندھیا کمپنی ہندوستانی ہے اور مغل لائن کے سرمایہ کا بڑا حصہ انگلستان کا ہے یہ انگلش سرمایہ ہندوستانی تجارت کو شکست دینا چاہتا ہے جیسا کہ وہ اب تک کئی کمپنیوں کو ختم کر چکی ہے جس کا نتیجہ حجاج کی سخت تکالیف کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے گورنمنٹ ہند کا فرض ہے کہ وہ ہندوستانی تجارت کی حفاظت اور حجاج کے آرام و آسائش کے لحاظ سے اس مقابلے کی جنگ

کو ختم کرادے۔

تجویز نمبر ۱۷/۱۹

جمعیت علماء ہند کا یہ اجلاس مسلمانوں کو یہ مشورہ دیتا ہے کہ وہ سندھیا کمپنی کے زیادہ سے زیادہ شیئرز خریدیں اور حاجیوں کو بھی مشورہ دیں کہ وہ سندھیا کمپنی کے جہازوں پر سفر کریں کہ وہ حجاج کے لئے آرام اور ضروریاتِ سفر کے متکفل ہیں۔

تجویز نمبر ۱۸/۲ فیڈریشن قبول نہ کیا جائے

جمعیت علماء ہند کا یہ اجلاس تمام سیاسی ہندوستانی اداروں اور مفکروں سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ مجوزہ فیڈریشن کو جو بجبر مسلط کیا جانے والا ہے کسی حال میں بھی قبول نہ کریں اور اس کے استرداد کے لئے متحدہ محاذ قائم کر کے برطانوی امپریلزم کی استعماری دست برد کو ناکام کر دیں اور اس کے لئے ہر قسم کی قربانیاں پیش کرنے کے لئے تیار رہیں۔

تجویز نمبر ۱۹/۲۲ وزیرستان میں جنگی مہم بند کر دیجائے

جمعیت علماء ہند کا یہ جلسہ حکومتِ ہند کے اُس جنگی اقدام کو جو وزیرستان کے خلاف اُس نے جاری کر رکھا ہے نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ جمعیت نے حکومت کی فارورڈ پالیسی کی ہمیشہ مذمت کی ہے اور اب بھی پوری قوت سے وہ مذمت کرتی ہے بالخصوص اس سلسلہ میں حکومت کی طرف سے سامانِ خورا وغیرہ پر جو وزیرستان کے شہری باہر سے لے جاتے تھے بندش عائد کر کے تمام شہریوں اور عورتوں اور بچوں کو بھی فاقہ کشی کی مصیبت میں مبتلا کر دینے کی ظالمانہ کارروائی پر سخت نفرت و ملامت کا اظہار کرتا ہے یہ جلسہ حکومت سے پُر زور مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس بندش کو فوراً اُٹھالے اور وزیرستان کے خلاف جنگی مہم کو فوراً بند کرنے اور شمالی سرحد کے اس تمام علاقے کو نیپال و بھوٹان کے علاقوں کی طرح آزاد و خود مختار تسلیم کر لیا جائے۔

تجویز نمبر ۲۰/۲۳ بلوچستان کی تقسیم نہ کیجائے

جمعیتِ علماء ہند کا یہ اجلاس حکومت کی اس پالیسی کو جو وہ صوبۂ بلوچستان کی تقسیم کے سلسلہ میں

اختیار کئے ہوئے ہے سخت تشویش کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ صوبہ کی موجودہ حدود کو تقسیم کرنے کی کوشش نہ کرے بلکہ صوبہ کو اپنی حدود کے اندر بحالہ باقی رکھ کر اس میں دوسرے صوبہ جات کی طرح دستوری حکومت جاری کرے ورنہ باشندگان بلوچستان کے اندر سخت بے چینی اور اضطراب پیدا ہوگا اور اس کے نتائج بد کی ذمہ داری حکومت پر عائد ہوگی۔

تجویز نمبر ۲/۲۴ متعلق تحریک "خاکساران"

جمعیت علماء ہند کا یہ اجلاس اپنی اس تجویز کا اعادہ کرتا ہے جو اُس نے سنہ ۲۴ء میں جماعت خاکساران کے امیر اعظم مسٹر عنایت اللہ خان مشرقی کی کتاب "تذکرہ" کے متعلق پاس کی تھی کہ اس میں الحاد و زندقہ کی تعلیم اور اسلامی اصول و عقائد کی صریح مخالفت موجود ہے "تذکرہ" کے علاوہ اُن کی مزید تالیفات نے اس امر کو واضح اور روشن کر دیا ہے کہ وہ اپنے انہیں ملحدانہ عقائد پر قائم بلکہ مصر ہیں۔ جمعیت علماء ہند کا یہ اجلاس ان کی تحریک بیلچہ برداری کو اگرچہ بظاہر وہ عسکریت پر مبنی معلوم ہوتی ہے سخت خطرہ کی نظر سے دیکھتا اور ملحدانہ خیالات کی اشاعت کا ذریعہ سمجھتا ہے اور مسلمانوں کی مذہبی و سیاسی تباہی کے لئے خاکساری فتنہ کو قادیانی فتنہ سے کم نہیں سمجھتا، اس لئے یہ اجلاس تمام مسلمانوں کو متنبہ کرتا ہے کہ وہ عسکریت کی ظاہری نمائش سے دھوکہ نہ کھائیں اور ایک ایسے شخص کو جو ملحدانہ عقائد رکھتا ہے اپنا امیر اعظم بنانے اور اس کی تعلیم پر چلنے کا ملحدانہ رویہ اختیار نہ کریں اور جہاں تک ممکن ہو اس فتنہ کے انسداد کی سعی کریں۔

تجویز نمبر ۲۲/۲۵

جمعیت علماء کا یہ جلسہ ضروری سمجھتا ہے کہ تمام ماتحت مجالس اور جمعیت کے زیر اہتمام جلسوں کے دوران میں نماز اور جماعت کے اوقات کا خاص طور پر لحاظ رکھا جائے تاکہ شرکائے اجلاس ٹھیک صحیح وقت کے اندر فریضۂ اسلامی ادا کر سکیں۔

تجویز نمبر ۲۳/۲۶ قانونِ فسخ نکاح سخت مضرت رساں ہے

مسلمان عورتوں کی دردناک مصیبتوں کا قانونی تدارک کرنے کے لئے جو قانون فسخ نکاح اسمبلی میں پیش کیا گیا تھا اس کی دفعہ ۵ قانون کی روح رواں تھی کیونکہ اسلامی قانون کا مسئلہ ہے کہ فسخ نکاح کا فیصلہ

مسلمان حاکم ہی کرسکتا ہے مگر افسوس ہے کہ اس دفعہ کے خلاف حکومت اور بہت سے منتخب ارکان اسمبلی نے رائے دے کر اس کو قانون سے خارج کرا دیا۔ اس دفعہ کے نکل جانے سے قانون کی اسلامی روح نکل گئی اور وہ ایک غیر اسلامی ایکٹ ہو گیا جو مضرت کہ قانون نہ ہونے کی صورت میں تھی وہ قانون کے اس شکل میں پاس ہونے سے کم نہیں ہوئی بلکہ اسلامی نقطۂ نظر سے مفاسد بہت زیادہ ہو گئے۔ جمعیت علماء کے نزدیک موجود شکل میں یہ قانون ہرگز منظوری کے قابل نہیں سعی کی جائے کہ اس کو وائسرائے کی منظوری حاصل نہ ہو نیز اس کے ساتھ دارالقضاء اور نظارۃ شرعیہ کے قیام کی سعی کو تیزی اور سرعت کے ساتھ عمل میں لانا چاہیئے کہ اس قسم کی ضرورتوں کے پورا ہونے کا وہی باقاعدہ اور صحیح علاج ہے۔

محرک: حضرت علامہ مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب

مؤید: مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجاد صاحب بہاری

تجویز نمبر ۲۴/۲۷ جمعیت علماء ہند اور مجلس احرار

مجلس احرار کا نصب العین اور پروگرام جمعیت العلماء کے نصب العین اور پروگرام کے موافق رہا ہے مجلس احرار عملاً بھی جمعیت العلماء ہی کے فیصلوں کی روشنی میں کام کرتی رہی ہے لیکن جداگانہ پلیٹ فارموں کی وجہ سے غلط فہمی پیدا ہو جانے کا خطرہ ہے اس لئے جلسہ قرار دیتا ہے کہ جمعیت العلماء کی ورکنگ کمیٹی احرار اسلام کی ورکنگ کمیٹی سے ایک ماہ کے اندر گفتگو کر کے کوئی ایسی مفاہمت کرلے کہ دونوں جماعتیں آئندہ اسی مفاہمت کے موافق اتحاد و اتفاق سے کام کرتی رہیں۔

تجویز نمبر ۲۵/۳ مدح صحابہؓ

جمعیت علماء ہند کا یہ جلسہ حکومت یوپی کے اس طرز عمل پر جو اس نے مدح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قضیہ میں لکھنؤ میں اختیار کیا ہے اپنے غم و غصہ کا اظہار کرتا ہے جب کہ اس نے اصولاً تسلیم کر لیا ہے کہ پبلک مقامات پر بھی مدح صحابہؓ کرنے کا سنیوں کو حق ہے اس کے باوجود اس نے مولانا عبدالشکور صاحب و مولانا ظفرالملک صاحب و مولانا عبدالسلام صاحب وغیرہ کو صرف ایک جلسہ کا اعلان شائع کرنے پر گرفتار کر کے ایک ایک سال کی سزا دیدی، یہ کارروائی سراسر ناانصافی اور بے آئینی پر مبنی ہے۔ حکومت پر لازم ہے کہ وہ جلد از جلد اپنی اس غلطی کا تدارک کرے اور گرفتار شدہ اور قید شدہ اشخاص کو فوراً رہا کر دے اور سنیوں کو

اپنے شہری اور مذہبی حق کے استعمال کا موقع بہم پہنچائے۔ لکھنؤ کے سنیوں نے اپنے اس حق کے حاصل کرنے کے لئے مجبور و مضطرب ہو کر سول نافرمانی شروع کی ہے یہ جلسہ سنیوں کو اس اقدام پر مبارکباد دیتا ہے اور ان سے توقع رکھتا ہے کہ وہ اپنے اس مطالبہ کو حاصل کرنے کے لئے سرفروشانہ جدوجہد جاری رکھیں گے۔

یہ جلسہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ہائی کمانڈ سے پُرزور درخواست کرتا ہے کہ وہ حکومت یوپی کو ہدایت کرے کہ سنیوں کے تسلیم کردہ حق پر سے پابندیاں اُٹھالے اور اپنی غلطی کا جلد از جلد تدارک کرے۔

تجویز نمبر ۲۶

سلطان ابن سعود کی حکومت نے مکہ معظمہ کے رہنے والے مہاجرین پر ایک ٹیکس مقرر کیا ہے جس کی تعداد سالانہ مبلغ ۱۲ روپے سے زیادہ ہے۔ جمعیت مرکزیہ کا یہ جلسہ حکومت سعودیہ کے اس فعل کو ہجرت جیسے مبارک اور مستحسن فعل کے انسداد کا ذریعہ ناجائز اور جابرانہ دست بُرد تصور کرتے ہوئے افسوس کا اظہار کرتا ہے اور حکومت سعودیہ سے پُرزور مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس ٹیکس کو جلد از جلد منسوخ کرکے دنیائے اسلام کو مطمئن کرے۔

منجانب صدر۔

تجویز نمبر ۲۷۔ سیاسی شاہی نظربندوں کی رہائی کا مطالبہ

مجلس مرکزیہ جمعیت علماء ہند کا یہ اجلاس بعض صوبہ جاتی حکومتوں کے اس طرزِ عمل کو کہ انھوں نے سیاسی شاہی نظربندوں کو اب تک رہا نہیں کیا ہے اور ان میں سے بعض نے بھوک ہڑتال کر رکھی ہے اور اُن کی صحت بلکہ زندگی خطرہ میں ہے سخت نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے اور ان حکومتوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ ان نظربندوں کو جلد از جلد رہا کر دیں۔

تجویز نمبر ۲۸ مسئلہ فلسطین

مجلس مرکزیہ جمعیت علماء ہند کے فلسطین کے وفد کی رپورٹ کا ماحصل پیش ہوا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ موتمر قاہرہ نے جو تجاویز پاس کی تھیں۔ جمعیت کے نمائندوں نے اس سے اتفاق کیا تھا یہ جلسہ اُن تجاویز کی مزید تصدیق و توثیق کرتا ہے اور قرار دیتا ہے کہ اگر فلسطین کانفرنس لندن کامیاب ہو گئی یعنی عربوں کے مطالبات منظور نہ کئے گئے اور ان کو مطمئن نہ کیا گیا تو ہندوستان کے مسلمان برطانیہ کی مجوزہ اسکیم ہرگز قبول نہ

کریں گے۔ جمعیت علماء برطانیہ کی طرف سے اُس تشدّد اور آتشباری اور دار و گیر کی تمام کارروائی کی جو فلسطین میں جاری ہے سخت مذمت کرتی ہے اور اس کو انسانیت کے خلاف سمجھتی ہے۔ جمعیت علماء تمام مسلمانانِ ہند سے توقع رکھتی ہے کہ وہ بلالحاظ فرقہ اور مسلک اس مسئلہ میں متفق ہوکر فلسطین کی نجات کے لئے مجلس تحفظِ فلسطین کی ہدایات کے ماتحت ہر قسم کی قربانیاں پیش کرنے کے لئے آمادہ ہوں گے۔

تجویز نمبر ۲۹ غیر کانگریسی صوبہ جاتی حکومتوں کی شکایات

جمعیت علماء کے علم میں وہ شکایات بھی لائی گئی ہیں جو غیر کانگریسی حکومتوں اور ان کی وزارتوں کی طرف سے مسلمانوں کو ہیں جن کا مفاد یا تو مسلم حقوق سے تغافل یا اتلافِ حقوق ہے۔ جمعیت علماء کا یہ اجلاس اُن حکومتوں کے وزرائے اعظم سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ایک غیر سرکاری تحقیقاتی کمیٹی جس میں جمعیت کے نمایندے بھی شریک کئے جائیں مقرر کریں اور بعد تحقیقات اس کمیٹی کے نزدیک جو شکایات صحیح ثابت ہوں ان کے تدارک کے لئے وزارتیں عملی اقدام کریں۔

تجویز نمبر ۳۰۔ ریاستہائے ہند

یہ جلسہ ریاستہائے ہند میں ریاست کی طرف سے شہری آزادی کے حقوق کے مطالبہ کی تائید کرتا ہے اور والیانِ ریاست سے توقع کرتا ہے کہ وہ استبدادی حکومت کے موجودہ طریقہ کو چھوڑ کر ذمہ دار نظامِ حکومت قائم کرنے میں عجلت سے کام لیں گے اور اس طرح ایک طرف اپنی حکومت کے قائم اور مستحکم رکھنے اور دوسری طرف امن و امان اور خوشحالی اور ترقی کے دروازے اپنی رعایا کے لئے کھولنے کی جانب فراخدلی سے اقدام کرینگے۔

تجویز نمبر ۳۱۔ ریاست حیدرآباد

جمعیت علماء کا یہ جلسہ اُس ایجی ٹیشن کو جو فرقہ وارانہ لائنوں پر ہندو مہا سبھا اور آریہ سماج کی طرف سے ریاست حیدرآباد میں کیا جارہا ہے نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے بیرونِ ریاست کے باشندوں کی سرگرمیاں اس کی دلیل ہیں کہ یہ رعایا کی حقوق طلبی کے معاملے کی حد سے گذر گیا ہے اور خالص فرقہ وارانہ حیثیت میں جاری ہے۔ اس قسم کا ایجی ٹیشن ملک کے امن کو تباہ کرنے والا اور آئندہ مہلک خطرات پیدا کرنے کا پیش خیمہ ہے۔

تجویز نمبر ۳۲۔ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ

مرکزیہ جمعیت علماء ہند کا یہ جلسہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء سے متعلق صاف صاف اعلان کرتا ہے کہ چونکہ یہ دستور ہمارے نصب العین آزادیٔ کامل کے خلاف ہے تمام کا تمام ناقابلِ قبول ہے جس کو باوجود وزارتیں قبول کر لینے کے بھی اقوامِ ہند قابلِ استرداد سمجھتی ہیں ان کا مطمحِ نظر یہی ہے کہ ہندوستان کی حکومت کا دستور وہی صحیح اور درست ہوگا جس کو ہندوستان کی ایسی آزاد اسمبلی بنائے جس کا تمام بالغوں کی رائے دہندگی کے اصول پر انتخاب کیا گیا ہو، مگر جمعیت علماء دستورِ جدید کے فیڈرل سسٹم کو ملک و ملت کے لئے اس قدر تباہ کن سمجھتی ہے کہ اس کو قبول کر لینا گویا اپنی غلامی پر اپنے ہاتھوں مہر لگا دینا ہے۔ جمعیت علماء ہند کانگریس، مسلم لیگ اور تمام ہندوستانی اداروں اور مفکروں سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ فیڈرل سسٹم کو جو بجبر مسلط کیا جانے والا ہے کسی حال میں بھی قبول نہ کریں اور اس کے استرداد کے لئے متحدہ محاذ قائم کر کے برطانوی امپریلیزم کی استعماری دست برد کو ناکام کر دیں اور اس کے لئے ہر قسم کی قربانیاں پیش کرنے کے لئے تیار رہیں (بالاتفاق منظور)

تجویز نمبر ۳۳۔ مشرقی علوم کی مستند درسگاہیں

مجلسِ مرکزیہ جمعیت علماء ہند کا یہ جلسہ صوبہ جاتی حکومتوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ مشرقی علوم کی مستند درسگاہوں مثلاً دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء لکھنؤ اور دیگر مستند مدارس کی متوسط اور اعلیٰ سندات کو وہی حیثیت دیں جو مشرقی علوم کے سرکاری مدارس کی سندات کو حاصل ہے یعنی حکومت کے وظائف عہدوں اور ملازمتوں میں ان سندات کا اعتبار کیا جائے۔

تجویز نمبر ۳۴۔ آسام گورنمنٹ سے مطالبہ

مجلسِ مرکزیہ جمعیت علماء ہند کا یہ اجلاس آسام گورنمنٹ سے مطالبہ کرتا ہے کہ آسام لائن سسٹم کو منسوخ کر دیا جائے کیونکہ وہ کانگریس کے فنڈامنٹل رائٹ کی دفعہ ۱۳ کے خلاف ہے اور مسلم حقوق کی پامالی پر مشتمل ہے یہ جلسہ کانگریس کی آل انڈیا ورکنگ کمیٹی کی سابقہ کارروائی سے مطمئن نہیں ہے کہ وہ صورت بھی بنیادی حقوق کی دفعہ ۱۳ کے منشا کو پورا نہیں کرتی۔ یہ جلسہ اس سسٹم کی منسوخی ہی کو اس ناانصافی کا اصل علاج سمجھتا ہے اور اسی کا کانگریس کی آل انڈیا ورکنگ کمیٹی سے مطالبہ کرتا ہے۔

ماخذ: محمد میاں، ضمیمہ جمعیت العلماء کیا ہے؟، حصہ دوئم، دہلی، ت ن، ۲۴-۸-۲۸۔

باب دوازدہم

اجلاس دوازدہم، جونپور ۷، ۸، ۹ رجون ۱۹۴۰ء

(۲۸-۲۹ ربیع الثانی و یکم جمادی الاول ۱۳۵۹ھ)

زیرِ صدارت

مولانا سیّد حسین احمد مدنی

۳۲

خطبۂ صدارت از مولانا سید حسین احمد مدنی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

الحمد للّٰہ نحمدہٗ ونستعینہ ونستغفرہٗ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لَّا الٰہ الا اللّٰہ وحدہٗ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہٗ ورسولہ صلی اللّٰہ علیہ وعلٰی الہ وصحبہ وبارک وسلم۔ امّا بعد

حضرات! اس نازک اور پُرفتن زمانہ میں جبکہ چاروں طرف انتہائی بے چینیاں پھیلی ہوئی ہیں وہ وہ عظیم الشان سلطنتیں جوکہ خدائے رب العالمین کو بھولتی ہوئی اور اپنی مادی قوتوں اور نئے نئے اسلحہ پر گھمنڈ رکھتی ہوئی کوسِ لمن الملک بجاتی اور علی الاعلان قولاً اور فعلاً کہتی تھیں مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّۃً۔ آج مٹتی جارہی ہیں۔ جدھر کان لگاکر سنتے ہیں ادھر زبانِ حال سے یہی آواز سنائی جارہی ہے اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیْ خَلَقَھُمْ ھُوَ اَشَدُّ مِنْھُمْ قُوَّۃً

جن شہنشاہیتوں کو یہ زعم تھا کہ اگر آسمان بھی ہم پر ٹوٹ پڑیگا تو سنگینوں پر ہم اُس کو اٹھالیں گے جن طاقتوں کو اپنی بحری افواج اور دریائی سواریوں اور آلات کی بنا پر یہ دعویٰ تھا کہ ہم سمندروں کے خدا اور اکیلے مالک ہیں۔ جن دماغوں نے نظر نہ آنے والے سب سے زیادہ قریب غیرمادی خدا کو بالکل بھلا ہی نہیں

دیا تھا بلکہ اس کے خلاف اعلان دشمنی کر رہے تھے آج انگشت بدنداں ہیں۔ آج وہی آرام گاہیں جن پر ان کو ناز تھا حسب ارشاد ارجعوا الی ما اترفتم فیہ و مساکنکم لعلکم تسئلون ان کے لئے جہنم کی وادیاں بنی ہوئی ہیں۔ اُوپر سے بھی آگ برستی ہے اور نیچے بھی آگ برستی ہے بڑے بڑے جہاز ڈوٹمنڈاٹ انہیں سمندروں میں غرق ہو رہے ہیں جو کہ اُن کے مملوک اور آماجگاہ تھے وہ قومیں جنہوں نے انسانی دُنیا اور مشرقی ممالک کو نئے نئے اسلحہ سے فنا کے گھاٹ اُتارا تھا۔ آج وہی بھلایا ہوا خدا جس نے تمام عالم کو پیدا کیا تھا یاد آرہا ہے اور "یوم دعا" منایا جاتا ہے یومئذ یتذکر الانسان وانی لہ الذکری۔

آج دنیا کے نقشے بدل رہے ہیں۔ آزاد قومیں غلام بن رہی ہیں۔ اقویار ضعفار کی صفوں میں اور ضعفاً اقویار کی صفوں میں داخل ہو رہے ہیں۔ معمولی معمولی سپاہی بڑی قوموں پر بادشاہت اور ڈکٹیٹری کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور بڑے بڑے بادشاہ اور شہزادیاں، عظیم الشان وزرار اور سپہ سالار سرگرداں و پریشان دربدر حیران و پریشان پناہ ڈھونڈتے پھرتے نظر آتے ہیں اور ٹھوکریں کھا رہے ہیں ضاقت علیہم الارض بما رحبت کا منظر سامنے ہے چاروں طرف درپیش ہے۔ غیرتِ الٰہی جوش پر ہے ہزاروں نہیں لاکھوں جانیں منٹوں اور گھنٹوں میں ضائع ہو رہی ہیں۔ زمین پر خون کے دریا بہہ رہے ہیں۔ مشرقی اقوام اور ضعیف انسانوں اور ایشیائی افریقی آبادیوں کا خون رنگ لا رہا ہے۔ ولنذیقنھم من العذاب الادنی دون العذاب الاکبر لعلھم یرجعون و سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

ہندوستان اپنی غلامی کی کڑیوں میں جکڑا ہوا بے دست و پا عاجز و ناتواں ہو کر جس میں وہ صدیوں سے مبتلا اور معذب ہے آسمان کی طرف نہایت بے چینی اور اضطراب سے آنکھ اُٹھا اُٹھا کر دیکھ رہا ہے رحم و کرم الٰہی کا منتظر ہے زبانِ حال و قال سے کہہ رہا ہے کہ اے ہمارے پیدا کرنے والے پالنے والے ہم کو اس عذاب الیم سے جلد از جلد چھڑا دے ہم کو تو نے کیوں بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ ہمارے ظالم صیادوں کو تو کب تک ڈھیل دے گا۔ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝

خدا شرے برانگیزد کہ خیرے ما دراں باشد

تو ہی تو ہمارا بھی خدا ہے۔ تجھی نے تو ہم کو بھی پیدا کیا ہے تو ہی ہمارا بھی پالنے والا ہے۔ ہم بھی تو تیرے ہی بنائے ہوئے ہیں۔ مانا کہ ہم گنہگار ہیں۔ مانا کہ ہم مجرم اور نالائق ہیں، مگر تیرا رحم و کرم تو سبھی کی پرورش کرتا ہے سبھی کی سنتا ہے۔ سبھوں پر رحم کھاتا ہے۔ ہم کب تک ذلیل و خوار کئے جائیں گے۔ ہم کب تک جور و ظلم کے شکار بنے رہیں گے۔ ہم کب تک فقر و فاقہ، قحط و افلاس، بیکاری و بے روزگاری، جہالت و

سفاہت وغیرہ کی لعنتوں میں دبے رہیں گے۔

گرم تا کے بسانداین بازار۔

اے منتقمِ حقیقی اُٹھ اور ۱۶ء سے ۱۹۴۰ء تک کے بربری مظالم اور اس درندگیت کا جس نے ہزاوں نہیں لاکھوں نہیں کروڑوں نہیں بلکہ اربوں تیرے بنائے ہوئے بندوں کو بگاڑا نہیں، نہیں بلکہ اُن کو عذاب الیم میں مبتلا کر کے نہایت سخت دلی سے موت کے گھاٹ اُتارا ہے بدلہ لے اور ہم کو اپنے رحم وکرم کی گود میں جگہ دے، ہمارے یتیم بچوں، ہماری ضعیف العمر بیواؤں، ہمارے آفت رسیدہ بڈھوں، ہمارے زخم خوردہ دلوں اور دماغوں کی آہ وبکا سُن اور ہمارے چھنے ہوئے مجد وشرف، فارغ البالی اور خوشحالی کو عطا فرما۔ ہم ناتواں ہیں، ہم ضعیف وکمزور ہیں۔ ہم برباد کئے ہوئے ہیں۔ ہم ذلیل وخوار بنائے ہوئے ہیں، ہماری ہر عزت ورفعت کو جس کو تو نے دیا تھا، ان شقی القلب گرگوں نے مٹا دیا ہے (ہم میں ان بھیڑیوں نے اس قدر تفرقہ ڈال دیا ہے کہ بھائی بھائی کے خون تک کا پیاسا ہے ہم کو اس قدر نہتا اور کمزور بنا دیا ہے کہ ہم اپنے گھر اور عیال کی بھی کسی طرح حفاظت نہیں کر سکتے۔ ہم کو اس قدر کنگال اور مفلس بنا دیا ہے کہ کروڑوں جانیں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر ملک الموت کی نذر ہوئی جاتی ہیں۔ ہمارا جنت نشان ملک جہنم نشان بنا دیا گیا ہے۔ ہماری تجارتوں کو ملیامیٹ کر دیا گیا ہے، ہماری حکومتوں کو نیست ونابود کر دیا گیا ہے، ہمارے علوم وکمالات کو مٹا دیا گیا ہے۔ ہماری زراعت وکاشتکاری کو تباہ کر دیا گیا ہے۔ ہماری بے شمار دولت کو لوٹ لیا گیا ہے۔ ہماری قدرتی کانوں اور بیش بہا چشموں کو چھین لیا گیا ہے۔ ہمارے سرمایہ ہائے خوشحالی کو ذرہ ذرہ کر کے اُڑا دیا گیا ہے۔ ہمارے بہترین کیرکٹر اور اخلاقِ صحیحہ کو بداخلاقی اور بداعمالی سے بدل دیا گیا ہے، ہماری ہمتوں کو پست اور ہماری عقل وفراست کو کمزور اور ہماری جوانمردیوں کو معدوم کر دیا گیا ہے۔ ہم کو طرح طرح کے نام نہاد قرضوں میں دفن کر دیا گیا ہے، ہم پر گرانقدر لایعنی مصارف کا بوجھ لاد دیا گیا ہے۔ ہم کو انسانیت کی عزت وشرافت سے محروم کر دیا گیا ہے اے تمام عالم کے خدائے برتر اُٹھ اور ہمارے دشمن سے بدلہ لے۔ ہم کو زندہ کر اور اپنی سچی رہنمائی کے انوار سے منور فرما۔ ہم کو تمام اقوام عالم میں عزت دار، نصیب والا صاحبِ شوکت بنا دے، آمین

ایسے وقت میں لازم تھا کہ کسی تجربہ کار، ذہین وذکی اور قوی الدماغ صاحب عزم واستقلال شخص پر صدارتِ اجلاس کا بوجھ رکھا جاتا، مگر یہاں معاملہ برعکس ہے۔ مجھ جیسے ضعیف وناتواں معمولی طالب العلم پر یہ ثقیل بوجھ اور عظیم الشان ذمہ داری رکھنی کسی طرح صحیح نہیں تھی۔ مجھے سخت افسوس ہے کہ یہ غلط کاری کیوں کی گئی اور باوجود میری چیخ وپکار کے مجھ کو کیوں نہ سبکدوش کیا گیا بہرحال حسبِ مقولہ مشہورہ "فکر ہر کس بقدر ہمت اوست" اپنی عقل وہمت کے موافق چند ضروری باتیں عرض کروں گا۔ گر قبول افتد زہے عز وشرف۔

میری تمنا یہ ہے کہ آپ حضرات مجھ سے تعاون فرمائیں تاکہ میں خدمات مفوضہ اور فرائض لازمہ انجام دے سکوں۔

میرے بزرگو! میں آپ حضرات کے اس عظیم الشان احسان کا شکریہ ادا کرتا ہوں مگر میرا حال اس شعر کے موافق ہے ؎

فلئن نطقت بشکر برک مفصحاً

فلسان حالی بالشکایۃ انطق

برطانوی قوم کی ذہنیت اور انکے اخلاق اور ہندوستانیوں کے ساتھ ان کے معاملات | میرے معزز بزرگو! برطانوی قوم اور اشخاص میں اگرچہ نیک دل انصاف پسند، انسانی سچی ہمدردی رکھنے والے، صادق الوعد، شریف النفس لوگ بھی ہیں مگر افسوس کہ عام لوگ بالخصوص اصحاب اقتدار و حکومت مندرجہ ذیل اخلاق و اعمال کے مجسمے ہیں جس کو مسٹر جارج ایلن اینڈانوں [MR. GEORGE ALAN ANDANO] نے کتاب ... میں بطور اقتباس شائع کیا ہے۔

"موجودہ تمدن کا سارا لب ولباب منافقت ہے۔ لوگ اپنا عقیدہ ظاہر کرتے ہیں لیکن عملاً اپنی جانیں تک مال پر قربان کرتے رہتے ہیں۔ زبانوں پر آزادی کا دعویٰ رہتا ہے لیکن جو آزادی کے علمبردار ہوتے ہیں انہیں کو سزائیں ملتی ہیں (دعویٰ مسیح کی پیروی کا ہے اور اطاعت مسولینی [MUSSOLINI] وغیرہ کی کی جارہی ہے) عزت کے الفاظ عصمت کے متعلق استعمال کئے جاتے ہیں لیکن عملی زندگیاں حرام کاری اور آتشک کے لئے وقف ہیں زبانی داد سچائی کی دیتے ہیں لیکن عملاً اقتدار اور اختیار کی کرسیوں پر بددیانتوں ہی کو بٹھائے ہوئے ہیں۔ زبانوں پر اخوت کے نعرے ہیں لیکن جو بھائی اُن کی جنگ یا وطنیت یا قومیت کے بدمستانہ جلوسوں میں شریک نہیں ہوتے ان کے لئے جیل خانہ ہے یا جلاوطنی یا بندوق کی گولیاں۔"

(سچ ۴ ملا ۲۴ر جنوری ۱۹۳۰ء)

بالخصوص ہندوستانیوں کے ساتھ تو اُن کا معاملہ ہر زمانے میں نہایت شرمناک اور تعجب خیز رہا ہے۔

وارن ہیسٹنگز [WARREN HASTINGS] لکھتا ہے:۔

"انگریز ہندوستان میں آکر بالکل نیا انسان بن جاتا ہے جن جرائم کی وہ اپنے ملک میں جرأت کر ہی نہیں سکتا۔ ہندوستان میں اس کے ارتکاب کے واسطے انگریز کا نام جواز کا حکم رکھتا ہے اُس کو سزا کا خیال تک نہیں ہو سکتا۔"

تامس سنڈ ہنسم لکھتا ہے :-

"میں ہمیشہ سے دیکھتا ہوں کہ بمقابلہ اور قوموں کے انگریز ممالک غیر میں سب سے زیادہ چیرہ دستی کرتے ہیں اور ہندوستان میں بھی یہی واقعہ پیش آ رہا ہے۔"

مسٹر ہولٹ مکنزی [MR. HOLT MACKENZIE] ۱۸۳۲ء میں لکھتا ہے :-

"یہ عمل نہایت حیرت انگیز ہے کہ ہندوستانیوں کے ساتھ نیک دل انگریزوں کا برتاؤ بھی حقارت آمیز رہا ہے جو فی الحقیقت نہایت نیک نیت تھے کیونکہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے کسی حکومت کی مثال ایسی نہ ملے گی جس نے مکمل طور پر اپنے مطلق العنان جبروت کو سول انتظامات کے ذریعے سے (اگر اس کو سول کہہ سکتے ہیں) منوانا ہو جو درحقیقت حربی ہے۔"

لارڈ میکالے [LORD MACAULAY] لکھتا ہے :-

"زمانہ سابق کے تمام ایشیائی اور یورپین ظالموں کی غیر انصافیاں، سپریم کورٹ (عدالت عالیہ) کے انصاف کے مقابلہ میں برکت معلوم ہوتی ہیں۔"

میلکم لوئس [MALCOLM LOUIS] جج عدالت عالیہ مدراس و ممبر کونسل لکھتا ہے :-

"ہم نے ہندوستانیوں کی ذاتوں کو ذلیل کیا۔ ان کے قانونِ وراثت کو منسوخ کیا۔ بیاہ شادی کے قواعد کو بدل دیا۔ مذہبی رسم و رواج کی توہین کی۔ عبادت خانوں کی جاگیریں ضبط کر لیں۔ سرکاری کاغذات میں انہیں کافر لکھا۔ امراء کی ریاستیں ضبط کر لیں۔ لوٹ کھسوٹ سے ملک کو تباہ کیا، انہیں تکلیف دے کر مالگذاری وصول کی سب سے اونچے خاندانوں کو برباد کر کے انھیں آوارہ گرد بنا دینے والے بندوبست کئے۔"

(ہندوستان کی سیاسی ترقی ص۲۷)

سر تھامس منرو [SIR THOMAS MUNRO] اپنی رپورٹ میں لکھتا ہے :-

"وضع قانون میں ان کا (ہندوستانیوں کا) کوئی حصہ نہیں اور قوانین کے عمل درآمد میں ان کو بہت کم دخل ہے۔ باستثناء چند نہایت چھوٹے عہدوں کے وہ کسی بڑے عہدے تک خواہ وہ فوجی ہوں یا سول وہ کسی بڑے عہدے تک نہیں پہنچتے۔ وہ ہر جگہ ایک ادنیٰ قوم کے فرد سمجھے جاتے ہیں تمام فوجی اور دیوانی عہدے جو کچھ بھی اہمیت رکھتے ہیں اب یورپینوں کے قبضہ میں ہیں جن کا پس انداز روپیہ خود اُن کے ملک کو چلا جاتا ہے۔"

(ح خ | ص۱۴۱)

لارڈ میکالے لکھتا ہے (میکالیز ایسیز آن وارن ہیسٹنگز)

ص ۶۳۲، ۶۳۳

" ہندوستان کے لوگ انگریزوں کے مقابلہ میں اگرچہ بہت غریب ہیں تاہم جو تکلیف وتاخیر اور خرچ انگریز
ون کی وجہ سے پیش آتا ہے وہ اُس کو اُن نقائص کے مقابلے میں جو اس قانون کے غیر ملکی ہونے کی وجہ سے
ہیں موجود ہیں زیادہ اہم نہیں سمجھتے، اُن کی فطرت، ان کی عزت، اُن کے مذہب، ان کی عورتوں کی عفت
وی محسوسات کو اس بدعت کا مقابلہ کرنا پڑا۔ ال کی کارروائیوں میں پہلا قدم جو اٹھایا گیا وہ یہ تھا کہ ال
اری کی بقلیا میں لوگ گرفتار کئے جانے لگے درانحالیکہ معزز ہندوستانی کے لئے گرفتاری محض نظربندی نہ
ں بلکہ بدترین ذاتی بے عزتی تھی ہر مقدمہ کی ہر منزل پر حلف لئے جانے لگے درانحالیکہ معزز ہندوستانیوں
ے نزدیک یورپ کے فرقہ کوئیکر سے (جو قسم کو معیوب سمجھتا ہے) یہ طریقہ زیادہ تکلیف دہ تھا۔ مشرقی ممالک
ں معزز گھرانوں کے زنانخانہ میں غیر آدمی کا داخل ہونا، یا عورتوں کے چہرے کو دیکھ لینا ناقابل برداشت بے ادبی
ہی جاتی ہے اور اُس کو موت سے بھی زیادہ خوفناک خیال کیا جاتا ہے اور جس کا انتقام صرف خونریزی سے
جا سکتا ہے۔ بنگال، بہار اور اڑیسہ کے نہایت معزز خاندانوں کو اس قسم کی بے عزتیوں کا سامنا ہوا اگر
ے ملک میں دفعتہً ایک ایسا قانون نافذ کر دیا جائے جو ہمارے لئے ایسا ہی نیا ہو جیسا کہ ہمارا قانون ایشیائی
ایک کے لئے ہے تو یہ خیال کرنے کی بات ہے کہ ہمارے ملک کی اس وقت کیا حالت ہو جائے گی۔ اگر ہمارے
ے میں یہ قانون نافذ ہو کہ کسی شخص کے قسم کھا لینے سے کہ اُس کا قرضہ ہم پر ہے اُسے یہ حق ہو جائے گا کہ
معزز اور مقدس ترین اشخاص اور پردہ نشین خواتین کی ہتک کر سکے۔ ایک افسر کے بید لگائے جا سکیں
ب پادری کو کٹہرے میں ٹھونسا جا سکے بشریف عورتوں کے ساتھ اس طریقہ سے سلوک کیا جا سکے کہ
ں کا نتیجہ واٹ ٹائلر [WATT. TYLER] جیسا بلوہ ہو (انگلستان میں ۱۳۸۱ء میں رچرڈ
[MR. RICHARD] نے ہر بالغ مرد اور عورت پر ایک نیا ٹیکس لگایا تھا جس کی مقدار ایک شلنگ فی
س تھی۔ اس پر کاشتکاروں نے عظیم الشان بلوہ کر دیا تھا۔ اس کا سردار واٹ ٹائلر [WATT TYLER]
) تو اُس وقت ملک کی جو حالت ہو جائے گی اُس کے تصور سے دل کانپتا ہے۔ الخ

(ح۔ غ ا ص۱۶)

سر جان شور [SIR JOHN SHORE] ۱۸۳۲ء میں لکھتا ہے: (اس کا تعلق بنگال سول
روس سے رہا تھا) ؎

" انگریزوں کا بنیادی اصول یہ رہا ہے کہ ہر صورت سے تمام ہندوستانی قوم کو اپنی اغراض کا غلام بنایا جائے ان پر محصولات اتنے لگا دیئے ہیں کہ اضافہ کی گنجائش نہیں چھوڑی ہے۔ یکے بعد دیگرے جو صوبہ ہمارے تصرف میں آیا ہے اس کو مزید وصولیابی کا میدان بنا لیا گیا ہے اور ہم نے اس بات پر ہمیشہ فخر کیا ہے کہ دیسی والیان ملک جتنا وصول کرتے تھے اس سے ہماری آمدنی کس قدر زیادہ ہے ہر وہ عہدہ و عزت اور منصب جس کو قبول کرنے کے لئے ادنٰے سے ادنٰے انگریز کو آمادہ کیا جا سکتا ہے ہندوستانیوں کے لئے بند کر دیا گیا ہے۔" (ح خ ، ص۲۷)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ برطانوی قوم جو کہ ۱۶۰۱ء میں تجارت کرنے کے لئے ہندوستان میں آئی تھی اُس نے آہستہ آہستہ وہ وحشیت اور بربریت کے سفاکانہ طریقے اختیار کئے جو کہ نہ صرف ظلم و ستم کے انتہائی مظاہرات تھے بلکہ وہ انسانیت کے لئے بدنما اور شرمناک دھبے بھی تھے یہ شرمناک اطوار ۱۶۰۱ء سے ۱۷۵۷ء تک ننگے طور سے بذریعہ تجارت لوٹ کھسوٹ اور تسلط کی صورت میں ظاہر ہوتے رہے۔ چنانچہ ۱۷۶۶ء میں جماعت ڈائرکٹران نے رپورٹ میں لکھا کہ :-

" ہمارے نزدیک اندرونِ ملک کی تجارت سے جو کثیر دولت حاصل کی گئی ہے وہ انتہائی درجہ کے ظالمانہ اور جابرانہ طریقوں کے استعمال کا نتیجہ ہے اور جس کی نظیر کسی زمانہ اور ملک میں نہ ملیگی۔"

لارڈ کلایو [LORD CLIVE] کہتا ہے:

" رشوت خوری اور زیادہ ستانی" کا منظر بجز بنگال کے کسی ملک میں دیکھا یا سنا نہیں گیا۔"

لارڈ میکالے [LORD MACAULAY] لکھتا ہے:-

" اس طریقے سے بے شمار دولت بہت جلد کلکتہ میں جمع ہو گئی۔ درآنحالیکہ تین کروڑ انسان حد درجہ برباد کر دیئے گئے۔ بے شک ان لوگوں کو مظالم میں رہنے کی عادت تھی۔ مگر وہ مظالم اس قسم کے نہ تھے۔ کمپنی کی چھوٹی انگلی انہیں سراج الدولہ کے چیٹھے سے زیادہ موٹی معلوم ہوتی تھی۔"

۱۷۶۲ء میں نواب بنگال نے انگریزی گورنر کو مندرجہ ذیل الفاظ لکھے تھے:-

" کمپنی کے ملازمان رعایا اور سوداگروں کا مال چوتھائی قیمت پر لے لیتے ہیں اور اپنے ایک روپیہ کے سامان کی قیمت اُن سے پانچ روپے وصول کرتے ہیں۔"

لارڈ میکالے [LORD MACAULAY] لکھتا ہے:-

" کمپنی کے عیوب میں محض ظلم ہی نہ تھا بلکہ ظلم سے ایسے خراب نتائج پیدا ہوتے تھے جیسا کہ دولتمند

بٹنے کے بے اصول حرص سے پیدا ہوتے ہیں۔"

انھیں کو سر ولیم ڈگبی [SIR WILLIAM DIGBY] پراسپرس برٹش انڈیا [PROSPEROUS BRITISH INDIA] میں مندرجہ ذیل الفاظ میں لکھتا ہے:۔

"جو کمی ۱۹۰۱ء میں ہمارے طریقہ حکومت ہند میں دکھائی دیتی ہے جہاں تک کہ ہندوستانیوں کا تعلق ہے اور جو کچھ غیر معمولی غربت ہندوستانی براعظم میں پھیل رہی ہے وہ ہمارے طرزِ حکومت کا نتیجہ ہے جو نیک نیتی سے مگر غلطی سے پہلے شروع کی گئی اور اب تک بحال رکھی گئی وہ اصول حکومت تین قسم کے ہیں، اوّل تسلط بذریعہ تجارت یعنی ہندوستان کی دولت علانیہ سمیٹنا ننگے طور سے ۱۶۰۰ء سے ۱۷۵۷ء تک۔"

برطانوی قوم نے ابتدا ابتدا میں اگرچہ ایماندارانہ طریقے پر تجارت کی مگر فروغ ہونے پر وہ انسانیت کی حدود سے نکل کر درندے بن گئے اور جو کچھ نہ کرنا چاہیئے تھا کر گذرے۔ یہاں تک کہ اس ہوسِ دولت نے حرصِ ملک گیری اور بادشاہت تک پہنچا دیا اور ۱۷۵۷ء میں انہوں نے بدعہدیوں اور بے وفائیوں کی شرمناک صورت میں پلاسی کی جنگ چھیڑ دی اور غداروں کی ناپاک کارروائیوں کے ذریعے سے کامیاب ہوگئے۔ اب کیا تھا، لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہوگیا۔ چاروں طرف ظلم و استبداد کا شور مچ گیا، دولت سمیٹنے اور مظالم کا شکار کرنے میں کوئی ظاہرہ بھی حائل نہ تھا۔ ہر چیز پر اپنا قبضہ جما لیا گیا اور ہر طرح پر ہندوستانی خوشحالی اور فارغ البالی کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ دولت کے دریا انگلستان کو بہنے لگے اور افلاس و نکبت کی ہلاک کرنے والی آندھیاں ہندوستانیوں پر چاروں طرف سے آنے لگیں۔

بروکس [MR. BROOKS] اسی زمانے کے متعلق کہتا ہے:۔

"یہ مالامال خزانے کروڑوں آدمیوں کی صدیوں کی کمائی انگریزوں نے ہتھیا کر لندن اسی طرح بھیج دی جس طرح رومن نے یونان اور پونٹس کے خزانے اٹلی بھیج دیئے تھے۔ ہندوستانی خزانے کتنے قیمتی تھے کوئی انسان بھی اس کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ لیکن وہ کروڑوں اشرفیاں ہوں گی۔ اتنی دولت اس وقت کی مجموعی یورپین دولت سے بہت زیادہ تھی۔"

سر جان شور [SIR JOHN SHORE] کہتا ہے:۔

"لیکن ہندوستان کا عہد زریں گذر چکا ہے جو دولت کبھی اس کے پاس تھی اس کا جزو اعظم ملک کے باہر کھینچ کر بھیج دیا گیا ہے اس کے قوائے عمل اس بدعملی کے ناپاک نظام نے معطل کر دیئے ہیں جس نے لاکھوں نفوس کی منفعت کو چند افراد کے فائدہ کی خاطر قربان کر دیا۔"

لارڈ میکالے [LORD MACAULAY] کہتا ہے کہ:-
"دولت کے دریا انگلستان کو بہتے چلے جاتے تھے۔"
سرجان سیلون [SIR JOHN SELWYN] کہتا ہے:-
"ہمارا طرز حکومت اسفنج کے مانند گنگا کے دھارے سے ہندوستانیوں کی دولت کو چوس لیتا ہے اور
دریائے ٹائمز کے کنارے نچوڑ دیتا ہے۔"

صوبہ بنگال پر تسلط جمانے اور اس کی لوٹ کھسوٹ کے بعد ملک گیری کا مزہ دار غورن انگلستانی
درندوں کے منہ ایسا لگا کہ یکے بعد دیگرے صوبجات ہند زیر تسلط لائے جانے لگے اور اس قبضہ اور تسلط
میں کسی عہد و میثاق اور کسی قسم کے عدل و انصاف کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ جو کچھ بھی برطانوی اصحاب اقتدار
اور کمپنی کے گورنر اور حکام کر بیٹھیں وہی عدل تھا، وہی حق تھا، وہی رعایا پروری تھی، وہی انسانیت تھی
اسی زمانے کے متعلق دوسرے دَور کو بیان کرتا ہوا سرولیم ڈگبی [SIR WILLIAM DIGBY]
لکھتا ہے:-

"دوئم تسلط بذریعہ اطاعت بالجبر یعنی ہندوستان انگلینڈ کے لئے ہے۔ آغاز سے انجام تک یہ دَور
۱۷۶۵ء سے ۱۸۳۴ء تک رہا۔"

اس دَور میں ایک طرف تو کمپنی اور اس کے ملازمین تجارت کرتے اور تاجرانہ حرص و آز کو ہر طرح
سے کامیاب بنانے کی کوشش کرتے تھے اور دوسری طرف وہ مالکانہ اقتدار اور شاہانہ تسلط رکھتے تھے
سرجان شور [SIR JOHN SHORE] ۱۷۸۹ء میں اپنی ایک یادداشت میں لکھتا ہے:-
"کمپنی کے لوگ ایک طرف تو تاجر ہیں اور دوسری طرف وہ حکمران۔ اوّل الذکر حیثیت میں وہ ملک
کی تجارت پر قابض ہیں اور ثانی الذکر حیثیت میں وہ مالگذاری وصول کرتے ہیں۔"

نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان بہت بُری طرح برباد و تباہ ہوا۔ اس کے تمام ذخائر چھین لئے گئے، اس
کے تمام قدرتی چشمے اپنے تصرف میں لے لئے گئے۔ اُس کی ہر قسم کی رفاہیت اور برتری بدتر بنا دی گئی
ان سب کارناموں کی تفصیل آپ حضرات کے پیش کرنا نہیں چاہتے اور نہ ہم اس مقام میں اُن عہود و مواثیق
کی تفاصیل لانا چاہتے ہیں جن کو گورنران کمپنی ہندوستانی بادشاہوں اور نوابوں سے اس عرصہ میں کرتے
رہے اور پھر یکے بعد دیگرے توڑتے اور اُن کو پامال کرتے رہے۔ تاریخ ان بدعہدیوں اور سیاہ کارناموں
سے بھری ہوئی ہے اُن کی تفصیل میں بہت زیادہ طوالت کا خوف ہے۔ ہم اس وقت ان چند عہدناموں

اور اعلانات کا تذکرہ آپ کے سامنے لانا چاہتے ہیں جن کو تاجِ برطانیہ یا اس کے بڑے بڑے ذمہ دار اشخاص نے مرتب کر کے اعلان کیا اور پھر ان کو نہایت بے حیائی اور چالاکی سے شرمناک طریقہ پر توڑا اور پامال کیا۔

۱۸۳۳ء میں جبکہ کمپنی اور اس کے ملازمین کے ناشائستہ درندگیت کی داستان طشت ازبام ہو چکی تھی اور اقطارِ عالم میں برطانیہ کی تاریخ نہایت نفرت سے دیکھی جانے لگی تھی تو تاجِ برطانیہ نے مناسب سمجھا کہ اگرچہ اس مدت میں ہندوستانیوں کی زندگی کے ہر قسم کے چشمے خشک کر دیئے گئے ہیں مگر باقی رمق کو سنبھالنے کی غرض سے کمپنی کو تجارت سے منع کر دینا چاہیئے اور صرف بادشاہت اور ملک گیری پر اُن کو قانع کر دینا چاہیئے۔ تاکہ رعایا کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ اُس کے کارکنوں میں پیدا ہو اور تاجرانہ حرص و آز باعثِ بربادیٔ خلق نہ ہو سکے۔ چنانچہ فرمانِ شاہی کمپنی کو تجارت سے دست برداری کرنے اور ملوکیت کو سرانجام دینے کا صادر ہوا اور گورنران کمپنی ملکوں کو فتح کرنے بادشاہوں، نوابوں، راجاؤں راجہ مہاراجاؤں وغیرہ کو ملیامیٹ کرنے کی طرف از سرتا پا متوجہ ہو گئے۔

تاجِ برطانیہ کا ۱۸۳۳ء کا اعلان

مگر اس دور میں ایک خصوصی امتیاز یہ رکھا گیا کہ اہلِ ہند کو نہایت خوش کرنے والے الفاظ اور نہایت خوبصورت اور رنگائی گلدستوں سے لبھایا گیا۔ ادھر تو کمپنی کو بیس سال کے لئے صرف ملک گیری اور حکومت کا فرمان اور پٹہ دیا گیا اور دوسری طرف اعلان کیا گیا کہ:

"اور قانون بنایا جاتا ہے کہ ممالک مذکورہ کے کسی باشندے کے لئے یا ملک معظم کی کسی رعیت کے لئے جو ممالک مذکورہ میں سکونت پذیر ہوں، کمپنی کا کوئی عہدہ، کوئی خدمت اور کوئی ملازمت مذہب، جائے ولادت، نسل یا رنگ کی بنا پر ممنوع نہ ہو گی۔"

یہ مژدہ جاں فزا ہندوستانیوں کے دل و دماغ کو مطمئن بنانے اور آئندہ اُن کو زندگی کی اُمید دلانے کے لئے سنایا گیا تھا۔ یقیناً اُن کو مایوسیوں کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں سے یہ اعلان بڑی حد تک بچانے والا تھا مگر اسی طرح برطانوی قوم کو اُن کے عزائم، لوٹ کھسوٹ روپیہ اور مال کی انتہائی حرص و آز حکومت اور خود مختاری کے استقلال میں نقصان پہنچانے والا بھی تھا۔ بھلا وہ قوم جس کی کیرکٹری حالت وہ ہو جس کا نمونہ پہلے پیش کیا جا چکا ہے اور جس کا ضمیر وہ درندگی رکھتا ہو جس کے چند حوالے ہم نے انگریزوں ہی کے قول سے پہلے اوراق میں پیش کئے ہیں کب اس کی تاب لا سکتا تھا چنانچہ ردِ عمل شروع ہوا اور بُری طرح شروع ہوا۔

اسی دَور کو سر ولیم ڈگبی [SIR WILLIAM DIGBY] تیسرا دور بتاتا ہوا مندرجہ ذیل الفاظ سے یاد کرتا ہے:

"سوم تسلط بذریعہ پوست یعنی خوش معاملگی کا دکھاوا اور زور کے ساتھ ہندوستانی قوم کو ادنیٰ حالت میں لازمی طور پر قائم رکھنا۔ یہ دَور ۱۸۳۳ء سے ۱۹۰۱ء تک رہا۔"

سر ولیم ڈگبی [SIR WILLIAM DIGBY] اس کتاب کو ۱۹۰۱ء میں لکھتا ہے اس لئے اس دورِ حکومت کی انتہا اپنے زمانۂ تصنیف کو بتلاتا ہے۔ ورنہ آج تک یہی اصول اور نظام ہندوستان میں قائم ہے۔

یہ پوست والی حکومت حقیقی معنوں میں ہاتھی کے دانت کی طرح سے ظاہر ہوئی کہ دکھانے کے اور ہیں اور چبانے کے اور۔ ہندوستان کی حالت بجائے اس کے کہ اس دور میں سُدھرتی اور رعایا کو کسی قسم کی خوشحالی اور نظامِ حکومت میں مداخلت اور اپنے وطن کی درستی نصیب ہوتی اور زیادہ بگڑتی رہی۔

چنانچہ سر ولیم ڈگبی [SIR WILLIAM DIGBY] خود اس کی تصریح کرتا ہے:۔

"مگر اس میں شک نہیں کہ آج ہندوستان اس سے زیادہ شرمناک طور پر لوٹا جا رہا ہے بہ نسبت اس کے کہ اس سے پہلے کبھی لوٹا گیا تھا۔ ہماری ابتدائی حکومت کی باریک پابک اب آہنی زنجیر بن گئی ہے۔ کلایو [LORD CLIVE] اور ہسٹینگز [WARREN HASTINGS] کی لوٹ اس نکاس کے مقابل ہیچ ہے جو روز افزوں ترقی کے ساتھ ایک ملک کو دوسرے کا خون جان بہا کر مالا مال کر رہا ہے۔"

برطانوی ذمہ دار حکام اور قوم برطانی کی اعلیٰ ہستیوں نے جو گت اس اعلان کی بنائی وہ لارڈ لٹن [LORD LYTTON] کے مندرجہ ذیل الفاظ سے بخوبی واضح ہے:۔

"۱۸۳۳ء کا مسودہ قانون جو پارلیمنٹ نے منظور کیا ہے، اتنا مبہم ہے اور دیسی باشندوں کے متعلق حکومت ہند کی ذمہ داریاں محتاجِ تشریح رکھنا ایسی بین غلطی ہے کہ قانون منظور ہوتے ہی اس کے نتائج ظاہر ہونے لگے اور حکومت ہند اس کی پابندی سے گریز کرنے کی تدبیر کرنے لگی۔ تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کے روز افزوں طبقے نے (جس کی ترقی میں حکومت ساعی رہتی ہے مگر اس کی خواہشات پوری نہیں کر سکتی) اس قانون کی دفعات کا مطالعہ کیا ہے اور دل پر نقش کر لیا ہے اب اس قانون کی رو سے اگر کسی ہندوستانی کو ایک بار ایسا عہدہ مل جائے جو پہلے سول سروس والوں کے لئے مخصوص تھا تو اس یہ توقع اور دعویٰ کرنے کا حق ہے کہ ترقیات کا زینہ بالتدریج طے کرنے کے بعد بڑے سے بڑے عہدے

پر اس کا تقرر ہو سکتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ حقوق اور توقعات نہ کبھی پوری کی جائیں گی نہ کی جا سکتی ہیں گویا ہمارے سامنے اس وقت دو راہیں تھیں یعنی ممنوع کر دینا یا فریب دینا اور ہم نے وہ راہ اختیار کی جس میں راست روی سب سے کم تھی۔ مقابلے کے امتحان جیسے کہ انگلستان میں رائج ہیں ہندوستانیوں کے لئے مقرر کرنا یا شرکتِ امتحان کے وقت اُمیدواروں کی قید عمر میں تخفیف کر دینا وہ عریاں حیلے ہیں جو بالقصد اس لئے اختیار کئے گئے ہیں کہ اس قانون کو مفلوج اور معطل کر دیا جائے چونکہ یہ تحریر خفیہ ہے اس لئے بلا تامل میں یہ کہنے کو تیار ہوں کہ میرے نزدیک ہندی اور برطانوی دونوں حکومتیں ابھی تک اس الزام کا معقول جواب نہ دے سکتی ہیں کہ انھوں نے ہندوستانیوں کے کان تک تو یہ وعدہ پہنچا دیا لیکن ان کے قلوب کو ایفار کی مسرت سے محروم رکھنے کی کوشش میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔

(ح ۔ خ ا صــ ۴۴ ۔ ۴۵)

ڈیوک آف ارگل [DUKE OF ARGYLL] کہتا ہے۔

"میں اعتراف کرتا ہوں کہ ہم ادائے فرض سے قاصر رہے اور ہم نے جو وعدے اور پیمان کئے تھے پورے نہیں کئے۔" (ح خ ا صــ ۴۵)

اسی سلسلہ میں لارڈ سالسبری [LORD SALISBURY] کہتا ہے:۔

"دوستو! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس گندم نمائی اور جو فروشی سے فائدہ کیا ہے۔"

حالانکہ اس قانون کے بننے کے وقت ممبران پارلیمنٹ نے نہایت زوردار الفاظ میں اس کی معقولیت اور ضرورت کو تسلیم کیا تھا بلکہ لارڈ میکالے [LORD MACAULAY] نے مندرجہ ذیل الفاظ میں اس کی تقویت اور تائید کی تھی۔

"ممکن ہے کہ ہمارے نظامِ حکومت کے سایہ میں ہندوستان کی سیاسی ذہنیت اس قدر نشو ونما پا جائے کہ خود اس نظام کے اندر نہ سما سکے۔ ممکن ہے کہ بہتر حکومت کے ذریعہ سے ہم اپنی رعایا میں بہتر حکومت کی صلاحیت پیدا کر دیں اور مغربی علوم سے آشنا ہونے کے بعد آئندہ کسی عہد میں وہ مغربی اداروں کا مطالبہ کرنے لگیں وہ دن کبھی آئے گا یا نہ آئے گا مجھے معلوم نہیں لیکن میں اس کو روکنے یا ٹالنے کی ہرگز کوشش نہ کروں گا اور جب کبھی یہ دن آئے گا تو برطانیہ کی زندگی میں وہ دن سب سے زیادہ فخر و مباہات کا دن ہوگا۔"

مگر جب ہندوستانیوں نے تعلیم میں اس قدر کامیابی حاصل کر لی کہ امتحانِ مقابلہ میں وہ انگریزوں

کو شکست دینے لگے تو انگریزوں کے لئے سول سروس کے عہدے مخصوص کرنے پڑے اور وزیر اعظم برطانیہ مسٹر لائڈ جارج [MR. LLOYD GEORGE] ۲؍اگست ۱۹۲۲ء کو فرمانے لگے:-

" انگریز افسران ملازمت کی تمام عمارات کے لئے بمنزلۂ فولادی قالب کے ہیں اور اگر اس قالب کو ہٹا لیا جائے تو تمام عمارت منہدم ہو جائے گی۔"

مسٹر لائڈ جارج [MR. LLOYD GEORGE] وزیر اعظم برطانیہ اسی تقریر میں فرماتے ہیں:

" اگر پہلے سے یہ بات صاف نہیں ہے تو اب میں صاف طور پر کہنا چاہتا ہوں کہ ہماری غرض اصلاحات دینے سے یہ نہیں ہے کہ انجام کار ہم اپنی امانت سے بالکل دست بردار ہو جائیں۔ جو بات خاص طور پر میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہندوستانی خواہ کیسے ہی کامیاب نہ ہوں مگر میرے نزدیک کوئی زمانہ ایسا نہ ہوگا کہ ان کا کام انگریزی عہدہ داروں کی ایک تھوڑی سی تعداد کے بغیر چل سکے گا جو ساڑھے اکتیس کروڑ کی آبادی میں کل بارہ سو ہیں۔"

اب آپ لارڈ میکالے [LORD MACAULAY] اور مسٹر لائڈ جارج [MR. LLOYD GEORGE] کی تقریروں میں مقابلہ کریں اور دیکھیں کہ کس طرح ابلہ فریبی سے کام لیا جاتا ہے اور کس طرح عہود موافق کو پامال کیا جاتا ہے اور اعلانات شاہی کی کیا گت بنائی جاتی ہے۔ ہم اس کے بعد ہندوستان کی آزادی کے عنوانات میں اور بھی اعلانات اور مقالات پیش کریں گے جس سے آپ حضرات کو نتیجہ نکالنے میں بہت زیادہ آسانی ہوگی۔

اس وقت ہم آپ کی توجہ ۱۸۵۸ء کے اعلان شاہی کی طرف ہی منعطف رکھنا چاہتے ہیں باوجودیکہ یہ اعلان نہایت زوردار طریقے پر ہوا تھا اور بہت زیادہ امیدیں دلائی گئی تھیں مگر جیسا کہ ہم پہلے لارڈ لٹن [LORD LYTTON] اور ڈیوک آف آرگل [DUKE OF ARGYLL] اور لارڈ سالسبری [LORD SALISBURY] کی شہادتیں پیش کر چکے ہیں برطانیہ کے ذمہ دار حضرات اس اعلان کو عمل میں لانے سے گریزاں اور اس کو مختلف حیلوں سے مفلوج بناتے ہی رہے یہاں تک کہ بیس برس کا زمانہ گزر گیا اور ہندوستانی عہدہ ہائے عالیہ حکومت سے تقریباً بالکل ہی محروم رہے۔ آخر کار آوازیں اٹھیں۔ شکایات کے بازار گرم ہوئے حق طلب اور حق کوش زبانوں اور قلم نے گرما گرمی دکھائی تو یہ جواب دیا گیا کہ ہندوستانی نالائق ہیں عہدہ ہائے عالیہ کی قابلیت نہیں رکھتے وغیرہ وغیرہ۔

چنانچہ حسب عادت کمیشن بٹھایا گیا اور قابلیت وغیرہ کی تحقیقات ہوئی۔ اثنائے تحقیقات میں معلوم

ہوا کہ ہندوستان کی عدم قابلیت محض حیلہ ہی حیلہ ہے۔ ان کا عہدوں سے محروم ہونا صرف ہندوستانیت اور کالے رنگ ہونے کی بنا پر ہے۔ سر ارسکن پیری [SIR ERSKINE PARRY] جنہوں نے اس تحققات میں شہادت دی تھی۔ ان کامیاب بیرسٹروں کا قول نقل کرتے ہوئے (جو کہ ہندوستان میں وکالت کرتے تھے) تائید کرتے ہیں اور کہتے ہیں:۔

"ہندوستانی مجوزین کی قوتِ فیصلہ، کمپنی کے ان ججوں سے جو اپیل سنتے تھے بدرجہا بہتر تھی۔"

حالانکہ بقول سر ارسکن پیری [SIR ERSKINE PARRY] یورپین جج کو تین ہزار پونڈ سالانہ اور ہندوستانی کو ایک سو بیس پونڈ سالانہ دیا جاتا تھا۔ دیکھئے یہ انصاف قوتِ فیصلہ کے بدرجہا بہتر ہونے پر ہے

سر جان سیبور (مدراس گورنمنٹ کا ممبر) لکھتا ہے:۔

"وہ لوگ (باشندگانِ ہند) ٹیکسوں کے لگانے میں جن کی ادائیگی کے لئے وہ مجبور کئے جاتے ہیں۔ کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ قوانین کو جن کی تعمیل ان پر فرض ہوتی ہے، مرتب کرنے میں ان کی کوئی آواز نہیں ہوتی اپنے ملک کے انتظام میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ اور ان کے حقوق دیئے جانے سے اس شرمناک حیلہ سے انکار کیا جاتا ہے کہ ان میں اس قسم کے فرائض

(دت ص۲۰۳ ص۲)

لارڈ ایڈسلے [LORD EDESLEY] نے ۱۸۹۶ء میں بیان کیا:۔

"ہمیں دیسی حکومت کے طریقے کو جہاں تک ممکن ہو، ترقی دینے کی کوشش کرنی چاہیئے تاکہ دیسیوں کی قدرتی استعداد اور تدبیر کا نشو ونما ہوسکے اور ان میں جتنی خوبیاں اور جوہر تھے، حکومت کی امداد میں کام آسکیں۔ مغلیہ سلطنت کی عظمت کا راز وہ سیر چشم حکمت عملی تھی جو اکبر اور اس کے جانشینوں کا شعار رہی جنھوں نے ہندوؤں کی اعانت اور اطاعت سے فائدہ اٹھایا اور حتی المقدور خود کو اہل ملک کے ساتھ یک ذات کر لیا۔ ہمیں ان واقعات سے سبق لینا چاہیئے اگر ہم چاہتے ہیں کہ اس فرض کو ادا کریں جو ہندوستان کی طرف سے ہم پر عاید ہے تو ہم اسی طرح سبکدوش ہوسکتے ہیں کہ ملک میں جتنے اشراف اور اکابر ہیں ان کی امداد اور مشورے سے فائدہ اٹھائیں۔ یہ جواب کہ ہندوستانی دماغ میں تدبر اور قابلیت کا سرمایہ ناکافی ہے ایک بے معنی لغویت ہے۔"

لارڈ سالبسری [LORD SALISBURY] ۱۸۹۶ء میں لکھتا ہے:-

"ضابطے اور دستور کی طرف برطانوی حکومت کا رجحان اس کی سست گوش اور ابلہانہ لاپروائی جو اکثر اس کی ہمکل اور پیچیدۂ تنظیم کا نتیجہ ہوتی ہے، ذمہ داری کا خوف اور اختیارات نظم و نسق کا ایک جگہ مرکوز ہونا، یہ سب باتیں ایسے اسباب کا نتیجہ ہیں۔ جن کی ذمہ داری کسی شخص پر نہیں لیکن ان کی بدولت حکومت ناکارہ ہوگئی ہے اور اس کی نااہلیت میں قدرتی حالات اور اسباب سے مزید اضافہ ہوجاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک خوفناک تباہی نمودار ہوگئی ہے۔"

مذکورہ بالا اعلان اور قانون تاج برطانیہ اور پارلیمنٹ کی طرف سے دربار مساوات اور عہدہ ہائے حکومت ۱۸۳۳ء میں شائع کیا گیا اور اس کی عملی مخالفت برابر ہوتی رہی اور طرح طرح کے جھوٹے حیلوں سے اس کو ٹلایا گیا۔

بالآخر ۱۸۵۸ء میں کوئین وکٹوریہ اور ہاؤس آف کامنس اور ہاؤس آف لورڈز وغیرہ کا اعلان یکم نومبر کو شائع کیا گیا جس کی دفعہ ۶ میں مندرجہ ذیل الفاظ ذکر کئے گئے۔

"اور یہ بھی ہمارا حکم ہے کہ جہاں تک ممکن ہے ہماری سب رعیت گو کسی قوم اور مذہب کی ہو بلا تعرض و طرفداری کے ہماری ملازمت میں ان عہدوں پر جن کو وے اپنی علمیت اور قابلیت اور دیانت سے انجام دے سکتے ہوں مقرر کرتے ہیں۔"

مگر افسوس کہ آج تک بھی اس اعلان کو پامال ہی کیا جا رہا ہے اور باوجود کثرت احتجاج آج تک بھی اس کو پورا نہیں کیا گیا۔ مسٹر ہیرلڈ کاکس [MR. HAROLD COX] کا مقالہ سنڈے ٹائمز میں اسی امر کے اقرار میں شائع ہوا تھا جس کو اخبار فتح دہلی مورخہ ۱۵ اپریل ۱۹۲۱ء نے شائع کیا تھا۔ الفاظ حسب ذیل ہیں۔

"مسٹر گاندھی کے طرز عمل میں برطانی حکومت کی طرف سے ایک بین انقلاب نمودار ہوگیا ہے اس کی وجہ موجودہ برطانی مدبرین کی ناکامی ہے کہ وہ اس مساویانہ عدل و انصاف کی عزت نہیں کرتے۔ جس کا ملکہ معظمہ کے عہد حکومت میں اعلان کیا گیا تھا۔ آج اس اعلان کا حوالہ دینا ضروری ہے کہ اس کی مسلسل خلاف ورزی نے ہی یہ دن دکھایا کہ سلطنت کو نازک ترین مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اعلان کے الفاظ یہ تھے۔

"با اعتبار رنگ، نسل، مذہب، یا زبان قانون کسی میں فرق و امتیاز نہیں کرے گا۔ بلکہ اس کے تحفظ کا پورا پورا خیال رکھا جاتے گا۔ کہ ہر ایک سے غیر جانبدارانہ سلوک ہو۔"

لالہ لاجپت رائے ۱۹۱۶ء میں تحریر کرتے ہیں کہ اس قسم کے اعلان کو بچا نوے سال گزر چکے ہیں مگر آج تک بھی اس پر عملدرآمد نہیں ہوتا۔ نوسو روپیہ سے ایک ہزار روپیہ تک کے عہدوں پر کل چار فیصدی ہندوستانی مقرر ہیں۔ باقی ماندہ ۹۶ فیصدی عہدوں پر انگریز اور انگلو انڈین فائز ہیں۔ حالانکہ وہی ہندوستانی جو انگریزی عملداری میں نالائق قرار دیئے گئے ہیں۔ ہندوستانی ریاستوں میں وزارت اور مدارالمہامی کے کام خوش اسلوبی سے انجام دے رہے ہیں۔

ایکہزار سے زیادہ تنخواہوں کے عہدوں پر ہندوستانیوں کے نام تقریباً صفر کا درجہ رکھتے ہیں ہم اس سے پہلے انگریز آفیسروں کے اقرارات ذکر کر چکے ہیں کہ ہندوستانیوں کی قابلیت اور استعداد بسا اوقات یورپین فاضلوں سے بدرجہا بہتر ثابت ہوتی ہے اور امتحان مقابلہ میں ہندوستانی یورپین سے بسا اوقات پیش قدمی کر جاتے ہیں اور اسی بنا پر سول سروس وغیرہ کے بہت سے عہدے یورپین لوگوں کے لئے آج تک مخصوص چلے آتے ہیں۔ فوجی افسروں اور اعلےٰ عہدوں میں ہندوستانیوں کا نام تک بھی نہیں پایا جاتا، بلکہ ان کو فوجی کالج میں داخلہ اور تعلیم تک کی اجازت نہیں اسی طرح بہت سے سول عہدے اور ملازمتیں وغیرہ ہیں جن میں ہندوستانیوں کو پہونچنا محال ہے۔

۱۸۵۸ء کا اعلان بہ نسبت ۱۸۳۳ء کے اعلان کے نہایت زیادہ وسیع اور امید افزا خوش کن اور تاکیدی الفاظ سے پُر تھا۔ مگر جیسا اس کا حشر ہوا ہر ایک پر ظاہر و باہر ہے۔

شاہ عالم بادشاہ کا معاہدہ

اسی طرح شاہ عالم بادشاہ دہلی کے مشہور و معروف معاہدے کی دُرگت بنائی گئی۔ یہ معاہدہ ۱۸۰۶ء میں ہوا جس میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ دفاتر کی زبان فارسی رہے گی مگر باوجود اس کے ایکٹ ۲۹ ۱۸۳۷ء پاس کر کے اس دفعہ کو ملیامیٹ کر دیا گیا اور فارسی زبان دفاتر سے نکال دی گئی اور اس کی جگہ پر انگریزی زبان ٹھونس دی گئی۔ اسی کو مس میو [MISS MAYO] مندرجہ ذیل الفاظ میں ذکر کرتی ہے۔

"ایک چھوٹا سا بیج بویا گیا اور اس کے پھل سے ہم اب متمتع ہو رہے ہیں یہ عدالتوں کی زبان کی تبدیلی تھی جو فارسی سے انگریزی کر دی گئی ہندوستان کی تعلیم کو مغربیت کا رنگ دینے کا یہ لازمی نتیجہ تھا۔ یہ تبدیلی معمولی معلوم ہوتی تھی اور اس کے نتائج بھی معمولی تھے۔ اس

کی مثال ایسی تھی جیسے کہ کلہاڑی سے ایک ضرب لگائی جاتی ہے۔ مسلمانوں نے اس تبدیلی پر سخت احتجاجات کئے اور فی الواقع یہ ان کے لئے سخت برباد کن تھی۔

(۱۰۰ در ہند ص۲۸)

ہر ملک اور ہر قوم کے لئے لازمی ہے کہ جملہ پبلک ڈیپارٹمنٹ اور ان کی عدالتی کارروائیاں ان کی روزمرہ کی زبان میں ہوں تاکہ وہ اپنے متعلق کارروائیوں کو جان سکیں اور مطالبات اور مدافعات، جوابات صفائی وغیرہ پیش کر سکیں۔ مگر ہندوستان میں ایک ایسی اجنبی زبان انگریزی داخل کی گئی جس کے جاننے والے آج سو برس کے بعد بھی فیصدی ایک نفر بھی نہیں ہیں۔ ہاں - ہاں اس میں انگریزوں کیلئے بیشک عہدوں کے حاصل کرنے اور فرائض کے ادا کرنے میں سہولتیں تھیں۔ اس لئے اس پر عمل درآمد کیا گیا اور ہندوستانیوں کو بے شمار مشکلات میں ہمیشہ کے لئے مبتلا کر دیا گیا۔

میعادی زمینوں کے لئے دوامی بندوبست کا اعلان اور کوئن وکٹوریہ کے اعلان کے خلاف اُسکی تنسیخ

سب سے اوّل لارڈ کارنوالس [LORD CORNWALLIS] نے بنگال میں دوامی بندوبست کا قاعدہ جاری کیا جو کہ اگرچہ شروع میں نہایت سخت مالگذاری پر بنایا گیا تھا۔ مگر بعد میں جب کہ زمین کی آمدنی قیمتوں کی گرانی کی وجہ سے بڑھی تو سلطنت کو اس کے بے شمار فوائد نظر آنے لگے۔ مثلاً یہ کہ کاشتکاروں کو اپنی حالت پر اطمینان ہوگا اور اُس سے ان کی دولت بڑھے گی۔ تو لامحالہ سلطنت کو طرح طرح کے فوائد حاصل ہوں گے وہ انگلستان کا مال خریدنے کے قابل ہوں گے۔ وہ مختلف قسم کے ٹیکس برداشت کر سکیں گے اور ملک روز روز کے قحطوں سے محفوظ ہو جائے گا۔ چنانچہ کرنل بیرڈ نے ۱۸۶۱ء میں اس امر کی بخوبی جانچ کر لی کہ قانون اراضی میں اصلاح کرنے سے قحط کا زور بہت کم کیا جا سکتا ہے اور اس بنا پر دوامی بندوبست کی سفارش کی اور سر چارلس وڈ [SIR CHARLES WOOD] سیکرٹری آف اسٹیٹ نے ۲۹ جولائی ۱۸۶۲ء کو اس سفارش کی تائید کی اور سلطنت برطانیہ کی گورنمنٹ نے اس کو منظور کر لیا اور ۲۳ مارچ ۱۸۶۷ء کو وزیر ہند سر اسٹیفورڈ نارتھکوٹ [SIR STAFFORD NORTHCUTE] سے ہز مجسٹی کی گورنمنٹ کے اس فیصلہ کی کہ بندوبست استمراری جاری کر دیا جائے، دوبارہ تصدیق کی۔ وہ لکھتا ہے:-

"بز مجسٹی کی گورنمنٹ تیار ہے کہ مالگذاری میں اضافہ ہونے کی اُمید کو قربان کرے اس لئے کہ مالکان اراضی کی اغراض کو حکومت برطانیہ کی بقاء سے وابستہ کردینا زیادہ اہمیت رکھتا ہے"۔

حقیقت میں یہی ہونا چاہیے تھا کیونکہ کاشتکاروں اور زمینداروں کا نفع بھی اسی میں تھا۔ رعایا کی فلاح اور بہبودی اسی میں مضمر تھی اور اسی کا اعلان کوئن وکٹوریہ کے اعلان ۱۸۵۸ء میں پایا جاتا ہے۔

اعلان مذکور کی دفعہ ۷ میں ہے "اس کا ہم کو بخوبی علم ہے کہ اہلِ ہند اس اراضی کو جو ان کے بزرگوں سے انہیں وراثتہً پہنچی ہے بہت عزیز رکھتے ہیں اس لئے ہم کو بھی اس کا بڑا لحاظ ہے بلکہ چاہتے ہیں کہ یہ حقوق ان کو جو اراضی سے متعلق ہیں بشرط ادا کرنے کا مطالبہ سرکاری کے محفوظ رہیں اور ہمارا حکم ہے کہ بوقت تجویز و نفاذ قانون کے عموماً حقوق قدیمی اور ملک کے رسم و رواج پر لحاظ کامل ہوتا ہے۔"

دفعہ ۹ میں ہے:

"اور ملک کا ایسا انتظام کیا جائے کہ جس سے ہماری ساری رعایا باشندۂ ملک مذکور کو فائدہ ہو کیونکہ ان کی فارغ البالی ہمارے لئے موجب اقتدار اور ان کی فراغت ہمارے لئے باعث بے خطری اور اُن کی شکر گزاری ہمارے لئے پورا صلہ ہے"۔

ظاہر ہے کہ مالگذاری کی زیادتی جیسا کہ میعادی بندوبست میں وقوع پذیر ہو رہی ہے۔ مالکین اراضی کو نہ صرف ان کے حقوق قدیمہ اور رسوم سے محروم کرنے والی ہے۔ بلکہ بسا اوقات ان کو اراضی سے بھی بالکل محروم کر دیتی ہے۔ جائدادیں نیلام ہو جاتی ہیں۔ قید خانوں میں جانا پڑتا ہے۔ قرضوں اور سود در سود کی لعنتیں بربادی کا باعث بن جاتی ہیں۔ علی ہذا القیاس میعادی بندوبست کی وجہ سے کاشتکار اور زمیندار کا فارغ البالی اور خوشحالی کو کھو دینا ان کے فوائد کا اس کی بناء پر خاتمہ ہو جانا، ان کا بے گھر اور بے در ہو جانا اظہر من الشمس ہے مگر افسوس کہ برطانوی زر پرستی اور حرص اور اس کی پیس ڈالنے والی زیادہ ستانی نے اس اعلان کو بھی پاش پاش کر دیا۔ خدا کی قدرت کہ جو تجویز ملکہ وکٹوریہ نے ۱۸۶۲ء میں منظور کی تھی اور وہ ۱۸۶۲ء میں مستحکم بھی ہو گئی تھی اور اس کے متعلق رعایا کے دلوں میں خوشی اور امید کے جذبات پیدا ہو چکے تھے بلکہ صوبہ آگرہ کے بعض مشرقی اضلاع میں اس کا نفاذ بھی ہو

چکا تھا۔ اکیس سال بعد ۲۸۔ مارچ ۱۸۸۳ء کو سکریٹری آف اسٹیٹ نے ان الفاظ میں منسوخ کر دیا" جس پالیسی کی داغ بیل ۱۸۶۲ء میں رکھی گئی تھی اب وقت آگیا ہے کہ اس کو باضابطہ ترک کر دیا جائے۔"

ظاہر ہے کہ یہ صرف برطانیہ اور اس کے ذمہ داروں کی اس زرطلبی کی بھوک کی وجہ سے ہوا ہے جو کہ مثل جہنم ہر وقت ھل من مزید کا نعرہ بلند کرتی رہتی ہے چنانچہ نتیجہ یہ نکلا کہ اگرچہ ۱۸۵۶ء میں تمام ہندوستان کی مالگذاری ستر کروڑ تینتیس لاکھ روپیہ تھی مگر ۱۹۱۳ء میں اضافہ ہوتے ہوتے تقریباً اکتیس کروڑ روپیہ تک پہونچ گئی۔ یقیناً دوامی بندوبست والی زمینوں میں اضافہ نہیں ہوا یہ سب اضافہ صرف میعادی بندوبست والی زمینوں کا ہے۔

اگرچہ کل مزروعہ زمینوں میں سے (۴۵) فیصدی دوامی بندوبست والی زمینیں ہیں اور (۵۵) فیصدی میعادی بندوبست والی ہیں۔ جن میں ہر پندرہ سال سے تیس سال تک میں بندوبست کی تجدید کی جاتی ہے اور مالگذاری کا اضافہ ہوتا رہتا ہے مگر کل مالگذاری تقریباً چوراسی فیصدی میعادی بندوبست والے حلقوں سے وصول ہوتا ہے اور سولہ فیصد دوامی بندوبست والے حلقوں سے وصول ہوتا ہے اس مزید وصولیابی نے زمینداروں اور کاشتکاروں کو تقریباً مردہ کر دیا ہے۔ زمینیں نہایت کمزور ہو گئی ہیں۔ جانوروں کو چارہ نہیں ملتا۔ ان کی قوت اور نسل کم ہوتی جاتی ہے۔ چراگاہیں معدوم ہوتی جاتی ہیں۔ زمیندار دیوالیہ ہوتے جاتے ہیں۔ اضافہ بند نہیں ہوتا۔ کاشتکار فاقوں سے مرتے جاتے ہیں۔

پھر اس پر طرہ یہ ہوا کہ خلاف دفعہ ۷ اعلان وکٹوریہ زمینداروں کے قدیمی حقوق اور ملک کے رسم ورواج کے دخیل کاری اور موروثیت کے قوانین ایسے بنائے گئے جن سے نہ صرف اس اعلان کی خلاف ورزی ہوئی بلکہ زمینداروں اور کاشتکاروں کے درمیان میں نہایت جانکاہ محاذ جنگ قائم کر دیا گیا اور آہستہ آہستہ زمینداروں کو ان کے جملہ حقوق قدیمہ اور رسوم سے محروم کر دیا گیا اور اعلان کوئن وکٹوریہ ایک ورقِ پارینہ کر کے پھینک دیا گیا۔

مالگذاری کا تقرر اور اس کے متعلق اعلانات کی خلاف ورزی

انگریزی حکومت سے پہلے مالگذاری خام تھی یعنی پیداوار کا چوتھائی حصہ یا اس کی قیمت وصول کی جاتی تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے قبضہ پاتے ہی مالگذاری پختہ کر دی یعنی نقد کی صورت میں پیداوار کی مقدار تشخیص کر کے مقرر کر دی، خواہ زمین میں کاشت ہو یا نہ ہو فصل عمدہ ہو یا خراب ہو مقدار میں مالک زمین کو ادا کرنی ہو گی۔ پھر شرح مالگذاری

پچیس فیصدی سے بہت زیادہ کردی حتیٰ کہ بعض بعض صوبوں میں اسی فیصدی اور نوے فیصدی پیداوار میں سے مقرر کی گئی جس کی وجہ سے عام رعایا انتہائی بربادی میں مبتلا ہوگئی رقم وصول کرنے میں بھی نہایت سنگ دلی اور تشدد سے کام لیا۔ اس بناء پر بہت زیادہ پرتشدد کیا گیا۔ بالآخر ۱۸۵۵ء میں سہارنپور میں کمیشن بٹھایا گیا جس میں اصولی طور پر قرار پایا کہ صرف پچاس فیصدی مالگذاری وصول کی جایا کرے۔ اور اسی کا اصول ہونا تمام ہندوستان کے لئے تسلیم کر لیا گیا اور اعلان کر دیا گیا کہ پچاس فیصدی سے زیادہ مالگذاری نہ لگائی جائے مگر تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ اس کی خلاف ورزی شروع کر دی گئی اور ابواب کے نام سے مزید محصول لگایا جانے لگا جس کی مقدار مختلف صوبجات میں مختلف ہے۔ صوبہ متحدہ میں ابواب کی شرح ابتدا میں سواچھ فیصدی مقرر کی گئی مگر آخر میں بڑھتے بڑھتے دس فیصدی تک پہونچ گئی — چندہ شفاخانہ جات اس کے علاوہ قائم کیا گیا۔

فارورڈ پالیسی اور اسکے متعلق اعلانات کی خلاف ورزی

۱۸۵۷ء کے ہنگامۂ انقلاب کے اسباب میں یہ سبب بھی شد و مد سے کہلایا گیا ہے کہ کمپنی کے گورنر ذمہ داری احکام ہمیشہ توسیع مملکت اور خلاف عہود و مواثیق مختلف حیلوں سے زمینوں کے دبانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں اسی بنا پر کوئن وکٹوریہ کے اعلان کے دفعہ ۳ میں مندرجہ ذیل الفاظ ذکر کئے گئے ہیں۔

"جو ملک بالفعل ہمارے قبضہ میں ہے ہم اس سے زیادہ کرنا نہیں چاہتے اور جب کہ یہ ہم گوارا نہیں ہے کہ کوئی شخص ہماری سلطنت یا حقوق میں دست اندازی کرے تو ہم بھی پیش قدمی کی اپنی طرف سے بہ نسبت ملکیت یا حقوق اوروں کے اجازت نہ دیں گے اور والیان ہند کے حقوق و منزلت اور . . .

حقانیت کا جون ہندسیل] مگر اس دوران میں انگلستان کی پبلک کے ذہنوں میں توسیع سلطنت کے ولولے پیدا ہوگئے اور اب ان لوگوں کی چلو بنی جو پیش قدمی کی پالیسی کے حامی تھے پہلے سر بارٹل فر [SIR BARTHFAIR] نے کئی بار کوشش کی تھی کہ افغانستان کی طرف پیش قدمی کی جائے

وہ اپنے منصوبے میں کامیاب ہوتے اور لارڈ نارتھ بروک [LORD NORTHBROOK] اس کو ہندا کے لئے مضر سمجھتے تھے۔ اس لئے وہ ۱۸۷۶ء میں وائسرائے ہند کے عہدے سے استعفا دے کر انگلستان واپس چلے گئے اور ان کی جگہ لارڈ لٹن [LORD LYTTON] آئے تو انہوں نے پیش قدمی کی پالیسی تعیل میں کابل کو مشن بھیجا اور اسی سلسلہ میں کابل کی لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں دو کروڑ پونڈ صرف ہوا جس میں سے پچاس لاکھ پونڈ انگلستان سے وصول ہوا۔ باقی ماندہ ڈیڑھ کروڑ پونڈ کا بار ہندوستان پر ڈالا گیا اس کے بعد برابر افغانستان اور اطراف و جوانب افغانستان پر حملے ہوتے رہے اس زمانہ سے لیکر آج تک کم و بیش تیس پینتیس لڑائیاں چھوٹی اور بڑی ہو چکی ہیں۔ جن میں صوات، بیر، چترال، کھوری وغیرہ کی لڑائیاں مشہور ہیں۔ آفریدیوں، مسعودیوں، مہمندیوں وغیرہ قبائل کو یکے بعد دیگرے تاخت و تاراج کیا گیا۔ ان کی زمینیں چھینی گئیں اور آج بھی تین چار برس سے وزیرستان پر وحشیانہ حملے جاری ہیں اور ان کی زمینوں کو اپنے قبضہ میں لانے کی ہر امکانی کوشش جاری ہے۔ خلاف واقع الزامات ان پر رکھے جاتے ہیں اور طرح طرح کے خلاف انسانیت مظالم سے ان کو برباد کیا جا رہا ہے ان تمام سرحدی لڑائیوں پر کروڑوں نہیں اربوں روپیہ بلکہ حسب تحقیقات مسٹر آصف علی صاحب سات ارب سے زیادہ روپیہ خرچ کیا جا چکا ہے جس کا بار ہندوستان پر رکھا جاتا ہے۔ ہندوستانیوں کی جانیں ضائع ہوتی ہیں، ہندوستان کی رسد اور ہتھیار برباد ہوتے ہیں۔ حالانکہ ہندوستان کی قومی جماعتیں بالخصوص کانگریس ۱۸۹۶ء سے برابر اس کے خلاف آواز بلند کر رہی ہے مگر برطانیہ اپنے اعلان کو قابل وقعت قرار دیتی ہے اور ہندوستان کی عزت اور افلاس کا خیال کرتی ہے اور ہوس ملک گیری میں مست ہو کر ہر طرح کے شرمناک اور تیرہ و تاریک وقائع عمل میں لاتی رہتی ہے۔

مذکورہ بالا اعلان کے بعد کوٹ آف دوار کو اپنے قبضہ میں لایا گیا صوبہ برار پر قبضہ جمایا گیا ہز اگزالٹیڈ ہائینس نظام دکن کے ساتھ عہد ناموں کو توڑا گیا۔ ان کے اختیارات میں دخل اندازی کی گئی۔ ان کو طرح طرح سے مجبور کر کے مثل مضغۂ گوشت بے دست و پا بنا دیا گیا وغیرہ وغیرہ۔

اعلانات دربارہ مقامات مقدسہ و خلافت اور انکی خلاف [illegible] ی'

سنہ ۱۹۱۴ء ۲ نومبر کو وائسرائے ہند نے مندرجہ ذیل الفاظ میں اعلان کیا

"برطانیہ عظمی اور روس [illegible] کی وجہ سے جو دولت عثمانیہ نے قصداً

بغیر کسی قسم کی دھمکی دئے جانے کے غلط مشوروں سے شروع کی ہے ملک معظم کی گورنمنٹ ہز ایکسیلنسی وائسرائے ہند کو اختیار دیتی ہے کہ وہ عرب کے مقدس مقامات اور عراق کی مقدس زیارت گاہوں اور جدہ کے ساحل کے متعلق ایک عام اعلان کر دیں تاکہ ملک معظم کی بہت ہی وفادار ہندوستانی مسلم رعایا کو اس جنگ کے متعلق کسی قسم کی غلط فہمی نہ ہو۔ مذہبی سوال سے کسی قسم کا تعلق نہیں۔ اعلان یہ ہے کہ یہ مقدس مقامات اور جدہ برطانیہ کے بحری اور بری فوج کے حملے اور دستبرد سے بالکل محفوظ رہے گا۔ تاوقتیکہ ہندوستانی حاجی اور زوار کی آمد و رفت میں کوئی دست اندازی نہ کی گئی۔ ملک معظم کی گورنمنٹ کے کہنے سے فرانس اور روس کی حکومتوں نے بھی اسی قسم کا اطمینان دلایا ہے"۔

وزیر اعظم برطانیہ

۵ جنوری ۱۹۱۸ء کو ہاؤس آف کامنس میں کہتے ہیں نہ ہم اس لئے لڑ رہے ہیں کہ ترکوں کو ان کے دارالسلطنت یا ان کے مشہور اور زرخیز صوبجات ایشیائی کوچک اور تھریس سے محروم کر دیں جہاں ترکوں کی تعداد غالب ہے۔

وزیر اعظم برطانیہ

۲۶ فروری ۱۹۲۰ء کو کہتے ہیں۔

یہ اعلان ضروری اور غیر مشروط تھا اور جان بوجھ کر شائع کیا گیا تھا۔ اور آبادی کے ہر طبقہ کی رضامندی سے تھا۔ حزب العمال نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی تھی۔

مگر ان سب اعلانات اور عہود کے باوجود بندرگاہ جدہ پر ایک ہفتہ تک گولہ باری کی گئی۔ طائف کا حصار کیا گیا اور تقریباً ڈیڑھ ماہ یا اس سے زاید گولہ باری ہوتی رہی۔ ترک مردوں عورتوں بچوں کو مکہ معظمہ اور طائف اور جدہ سے اسیر کر کے مصر وغیرہ کے قیدخانوں اور اسارت گاہوں میں بھیجا گیا۔ بقول کرنل لارنس شاہ حجاز کو اتحادیوں کے ساتھ دینے پر آمادہ کیا گیا۔ عراق میں مقدس مقامات پر حملہ کیا گیا۔ ترکوں کو سمرنا اور تھریس سے دست بردار ہونے کا معاہدہ سیورے [TREATY OF SEVRES] میں مطالبہ کیا گیا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب امور زمانۂ تحریک خلافت میں پوری طرح واضح ہو چکے ہیں جن سے انگریزی اعلانات اور عہود و مواثیق کی حیثیت بخوبی واضح ہو چکی ہے اسی طرح شریف حسین اور عربوں سے معاہدہ کیا گیا۔ اور ان کو تمام اس سرزمین میں جہاں پر عربی زبان بولی جاتی ہے مستقل عربی حکومت اور آزادی کا سبز باغ دکھا کر اتحادیوں کی امداد اور ترکوں سے بغاوت پر آمادہ کیا گیا مگر کامیابی کے بعد ان کو ہر طرح ذلیل و خوار کیا گیا۔ شریف حسین کو جزیرہ قبرص میں نظر بند

کر دیا گیا۔ فلسطین میں جو کچھ ہو رہا ہے ہر ایک کو معلوم ہے۔ شام کو فرانس کے حوالہ کر دیا گیا۔ مشرق عراق کو اپنی زیر سیادت شریف کے بیٹوں کے سپرد کر دیا گیا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

ہندوستان کی آزادی کے متعلق اعلانات کی تفصیل

ہم اس سے پہلے [LORD MACAULAY] کی تقریر ۱۸۳۳ء کی نقل کر چکے ہیں جس میں وہ فرماتے ہیں:۔

"ممکن ہے کہ بہتر حکومت کے ذریعہ سے ہم اپنی رعایا میں بہتر حکومت کی صلاحیت پیدا کر دیں اور مغربی علوم سے آشنا ہونے کے بعد کسی آئندہ عہد میں وہ مغربی اداروں کا مطالبہ کرنے لگیں۔ وہ دن کبھی آئیگا نہ آئے گا، مجھے معلوم نہیں، لیکن میں اس کو روکنے کی ہرگز کوشش نہ کروں گا اور جب کبھی یہ وقت آئے گا تو برطانیہ کی زندگی کا وہ دن سب سے زیادہ فخر و مباہات کا دن ہوگا۔"

۲۔ ۱۸۵۸ء کے اعلان وکٹوریہ کے دفعہ ۴ میں مندرجہ ذیل الفاظ تھے۔

"جو لوازم بہ نسبت اپنی دوسری رعایا کے ہم پر واجب ہیں وہی لوازم بہ نسبت اپنی رعایا ہند کے ہم اپنے ذمہ لازم بنائیں گے اور بفضل خدا وفاداری اور راستی کے ساتھ ہم لوازم مذکور کا لحاظ کرتے رہیں گے یعنی آسٹریلیا، کینیڈا، فجی، مارشس کیپ کالونی، ساؤتھ افریقہ، نیوزی لینڈ وغیرہ کے بسنے والی انگریزی رعایا اور ہندوستان والی رعایا کے حقوق برابر رکھے جائیں گے۔ اور جو مراعات دوسروں کے ساتھ کی جائیں ہندوستانیوں کے ساتھ بھی ضرور بالضرور کی جائیں گی۔"

۳۔ قیصر ہند ایڈورڈ ہفتم [EDWARD VII] نے اپنے پیغام میں مندرجہ ذیل الفاظ

"تمام باشندگان ہند کو خواہ وہ رئیس معاون یا رعیت مطیع ہوں از سر نو یقین دلاتا ہوں کہ میں ان کی آزادیوں کا خیال رکھوں گا۔ ان کی ترقی پر نظر رکھوں گا اور ان کی فلاح و بہبودی میں کوشاں رہوں گا۔ اور میری حکومت کے [illegible] بھی مقاصد ان [illegible] سے ہندوستان کی سلطنت [illegible] کی حفاظت اور اس کے باشندگان کی مزید خوشحالی [illegible] کا باعث ہے

۴۔ مسٹر گلیڈسٹون [MR. GLADSTONE] ہاؤس آف کامنس میں یکم مئی ۱۸۹۳ء۔

" اور نہ صرف مصر بلکہ ہندوستان کے متعلق بھی میں یہ کہوں گا کہ کسی ملک پر دائمی قبضہ کر لینا برٹش گورنمنٹ کی قدیم روایات کے سراسر خلاف ہے۔ ہندوستانیوں کو یہی امید رکھنا چاہیئے کہ ہم ہندوستان کا قبضہ اس وقت تک اپنے ہاتھ میں رکھیں گے۔ جب تک کہ وہاں کی ضروریات اور ملکی ترقی و خوشحالی اس درجے پر نہ پہنچ جائے جو ایک مہذب ملک کے لئے ضروری ہے "

۵۔ رپورٹ لارڈ کرومر [LORD CROMER] متعلقہ مصر صفحہ ۱۲ مطبوعہ لندن ۱۸۹۶ء

برٹش گورنمنٹ کو اس بارے میں اعلان کرنے کے لئے ہرگز پس و پیش نہیں ہو سکتا کہ ہمارے ایشیائی مقبوضات کے متعلق ہمارا رویہ صاف صاف یہی ہے کہ دنیا میں ہماری دوسری نو آبادیوں کے برابر ان ملکوں کے حقوق بھی ہونا چاہئیں۔ میرے دوست مسٹر گلیڈسٹون [MR. GLADSTONE] نے جب کہ گذشتہ مہینہ میں میری اُن سے ملاقات ہوئی تھی مجھے یقین دلایا تھا۔

۶۔ سر ایلڈن گورسٹ [SIR ELDON GORST] ہاؤس آف کامنس میں ۷، مارچ ۱۹۰۹ء

ہندوستان کی نیشنل کانگریس کے ممبروں کو کوئن وکٹوریہ کی وہ مشہور تقریر ہرگز نہیں بھولنا چاہیئے جس میں صاف صاف اس بات کا اعلان کیا گیا ہے کہ ہم اس ملک پر کوئی زبردستی کا قبضہ نہیں رکھنا چاہتے۔ ہم وہاں کے باشندوں کی خوشحالی، ان کی آزادی اور امن و امان کے خواہاں ہیں اور اگر ہم کو یقین دلایا جائے کہ تعلیم نے اس ملک میں ایسی ترقی کر لی ہے کہ وہاں والوں کو اپنے معاملات میں ہماری سرپرستی کی ضرورت نہیں ہے تو ہم آج اس کا اعلان کرنے کے لئے تیار ہیں کہ ہندوستان کو بھی مثل دیگر برٹش مقبوضات کے خود مختار بنا دیا جائے۔

(سرزمین فراعنہ میں۔ ان دی لینڈ آف دی فیروز)

(مصنفہ دوست محمد ایڈیٹر اسپیکٹیٹر ٹائمز لندن)

تعلیمی ترقی کا ڈھونگ

واضح ہو کہ بسا اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ ہندوستانی اس وقت قابل خود مختاری ہو سکیں گے جب کہ ان میں تعلیم مثل دیگر ممالک متمدن نہ ہو جائے۔ یعنی فیصدی ۹۵ یا ۹۴ تعلیم یافتہ ہو جائیں مگر یہ صریح دھوکہ ہے وجوہ ذیل ملاحظہ ہوں۔

الف۔ "کیا جس وقت یونان، بلگیریا، ہرزی گونیا، بوسینیا، آرمینہ، رومانیہ وغیرہ کو آزاد کرایا گیا۔ ان میں یہ مقدار تعلیم یافتہ لوگوں کی موجود تھی اور کیا یہ قومیں تعلیم و تہذیب میں ہندوستان سے بھی گری ہوئی نہیں تھیں۔

ب۔ کیا ہندوستان کا تعلیم میں گرا ہوا ہونا برطانیہ ہی کا کرشمہ نہیں ہے۔ سر طامس منرو [SIR THOMAS MUNRO] مسٹر لڈلو [MR. LUDLOW] مسٹر ہاول، الگزنڈر ہملٹن [ALEXANDER HAMILTON] پروفیسر میکس مولر [MAX MULLER] مسٹر الفنسٹن الیف واڈن [MR. ELPHINSTON F. WARDEN] وغیرہ کی تصریحات دلالت کرتی ہیں کہ انگریزی حکومت سے پہلے ہندوستان تعلیم میں بہت آگے تھا۔ اس کی عام آبادی لکھنا، پڑھنا جانتی تھی۔ جگہ جگہ ہر قریہ اور آبادی میں مدرسوں کی کثرت تھی مگر انگریزی حکومت نے سب کو مٹا دیا۔ پس اس کی جملہ ذمہ داری برطانیہ کے سر پر ہے:

ج۔ ۱۸۷۱ء میں ہندوستانیوں کے تعلیم یافتہ افراد فی صدی ۳٫۲ تھے اور اب ۱۹۳۱ء میں ان کی تعداد فی صدی آٹھ سے کچھ زیادہ ہے اگر تعلیمی ترقی کی یہی رفتار رہی تو ایک ہزار برس سے زیادہ میں ہندوستان اس قابل ہو سکے گا کہ وہ دوسرے یورپین ملکوں کے مساوی ہو سکے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہندوستان کو ایک ہزار برس کے بعد آزادی دی جائے گی۔

د۔ برطانیہ نے تعلیمی ترقی میں لاپرواہی اور ناقابل عفو جرم کیا ہے۔ ہندوستان میں جبریہ تعلیم کا نہ ہونا۔ مصارف تعلیم میں ہندوستان کی آمدنی کا نہایت قلیل حصہ خرچ کرنا وغیرہ وغیرہ امور اس کے سبب ہیں۔ جاپان، روس وغیرہ نے نہایت تھوڑی مدت میں اپنے ملک کو تعلیم یافتہ بنا لیا۔

ھ ۔ انتظامات ملکیہ ہندوستان میں نہایت مکمل طریقے پر جاری تھے، مگر سب کو انگریزی حکومت نے ملیامیٹ کیا۔ انتظامات موقوف علم پر نہیں ہیں۔ مسٹر کرٹس [MR.CURTIS] لکھتا ہے۔

"نہ میں اس خیال کا مؤید ہوں کہ ایک رائے دہندہ محض ناخواندہ ہونے کی وجہ سے خارج کئے جانے کے قابل ہے، حالانکہ دوسرے اعتبارات سے وہ رائے دینے کی اہلیت رکھتا ہے۔ میں انگلستان میں ہوتا تو میرے نزدیک اپنے گاؤں کے اس دہقان کا فیصلہ جو نام لکھنا بھی نہیں جانتا ایک نووارد مدرس کی رائے سے جو اسی روز لندن سے پہنچا ہے زیادہ اعتماد کے قابل ہوتا" (صفحہ ۱۰ اخطوط)

و ۔ تعلیمی ترقی کا سوال اٹھانا محض مغالطہ اور ابلہ فریبی ہے اپنے مستقل مفادات کی بنا پر اس قسم کی ٹال مٹول کی جارہی ہے۔ مسٹر کرٹس [MR. CURTIS] کہتے ہیں:۔

"مختصر یہ ہے کہ تعلیمی ترقی کو ہندوستان کی سیاسی مشکل کا حل تصور کرنا جیسا کہ عرصے سے لوگوں کا خیال ہے ایک خطرناک مغالطہ ہے۔ جس میں صداقت جزوًا شامل ہے ۔ ہندوستانی عقدوں کے قفل کی جو اصل کنجی ہے تعلیمی ترقی اس کا صرف ایک ٹکڑا ہے اور اکیلے اس ٹکڑے سے کام لیا جائے گا۔ تو نتیجہ وہی ہوگا جو قفل پر ٹوٹی ہوئی کنجی آزمانے کا ہوتا ہے"

ہزایکسیلنسی سر مالکم ہیلی [SIR MALCOLM HAILEY] کہتا ہے:۔

"میرا دعویٰ یہ نہیں ہے کہ ملک سیاسی ترقی سے اس وقت تک روکا جائے جب تک کہ تعلیم یافتہ خواندوں کی تعداد غالب نہ ہو جائے اس کا انتظار تو ہم نے انگلستان میں بھی نہیں کیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس قسم کی شروط بھی اسی منافقت کے نتائج ہیں جو زمانہ موجودہ کے تمدن کا لب لباب ہے"

ز ۔ ۲۰ اگست ۱۹۱۷ء کو انگلستان کی پارلیمنٹ نے مندرجہ ذیل الفاظ اعلان کئے حضور ملک معظم کی پالیسی جس سے گورنمنٹ ہند بالکل متفق ہے یہ ہے کہ ہر شعبہ انتظامی میں ہندوستان کا اضافہ ہو اور خود مختار جماعتوں کا رفتہ رفتہ نشوونما دیں

فرض کیا جاتے کہ ہندوستان میں بتدریج حکومت خود اختیاری قائم ہو کر سلطنت برطانیہ کا جزو اعظم بنے۔

۸۔ لفٹنٹ گورنر صوبہ یو۔ پی۔ الہ آباد یونیورسٹی کے جلسہ کانوکیشن کے ایڈریس کے جوابات میں کہتا ہے:۔

"سلطنت برطانیہ نے اعلان کیا ہے کہ ہندوستان کا نصب العین حکومت خود اختیاری ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ ملک کا انتظام بذریعہ ایک انتظامیہ جماعت کے کیا جاتے جو بذریعہ ایک قانونی منتخب شدہ جماعت کے قائم ہوتی ہے اور وہ منتخب شدہ جماعت عوام الناس کے سامنے جواب دہ ہو اور اب ہمیں اپنا راستہ اس نصب العین کی طرف قائم کرنا ہے۔

۹۔ ڈیوک آف کناٹ [DUKE OF CANNAUGHT] ۱۹۲۱ء میں جدید اسمبلی کے افتتاح کے وقت ۹ فروری کو ملک معظم کی طرف سے کہتے ہیں۔

"سالہا سال سے بلکہ چند نسلوں سے ہمدردان ملک اور وفادار ہندوستانی اپنی بھارت ماتا کے لئے سوراج کا خواب دیکھ رہے تھے۔ آج میری سلطنت میں آپ کے لئے سوراج کی ابتدا ہو رہی ہے اور آپ کو ترقی کے وسیع ترین اور اعلےٰ درجہ کے مواقع مل رہے ہیں جن سے میری نو آبادیات کی مانند آزادی حاصل ہو۔"

۱۰ مذکورہ بالا تقریر کے بعد اسی مجلس میں وائسرائے کی اور دوبارہ ڈیوک آف کناٹ [DUKE OF CANNAUGHT] کی تقریریں ہوئیں جن میں واضح الفاظ میں بیان کیا گیا کہ

اب مطلق العنان حکومت کا اصول قطعی طور پر ترک کر دیا گیا۔ پس اس وقت سے ہندوستانی معتدبہ درجہ میں اپنا بوجھ خود اٹھائے گا۔

۱۱۔ ایکٹ گورنمنٹ آف انڈیا ۱۹۱۹ء۔

پارلیمنٹ کی پالیسی جس کا اعلان کیا جا چکا ہے یہ ہے کہ ہندوستان کے ہر شعبہ میں ہندوستانیوں کی تعداد مسلسل بڑھائی جائے تاکہ اس سے برٹش انڈیا میں بحیثیت سلطنت برطانیہ کے ایک اہم جزو کے ذمہ دار حکومت کا مسلسل احساس پیدا ہو۔

۱۲۔ لارڈ ارون [LORD IRWIN] وائسرائے ہند۔ ۳۱ اکتوبر ۱۹۲۹ء طویل اعلان میں۔

مجھے ملک معظم کی طویل حکومت کی طرف سے یہ صاف طور پر بیان کرنے کے اختیارات دیئے گئے ہیں کہ ہندوستان کی آئینی ترقی کا قدرتی نتیجہ درجہ نوآبادیات کا حصول ہے۔

ان مقالات کے علاوہ ۲ نومبر ۱۹۰۸ء کا اعلان اور ۲۳ دسمبر ۱۹۱۹ء کا مفصل اعلان بھی موجود ہے ان کو ہم نے بخوف طوالت حذف کر دیا ہے جن کا خلاصہ بھی انہیں مذکورہ بالا الفاظ میں پایا جاتا ہے۔

۱۳۔ دفعہ ۹۔ اعلان ۸ مارچ ۱۹۲۱ء کے مندرجہ ذیل الفاظ زیادہ تر صاف ہیں۔

سب سے بڑھ کر ہماری خواہش اور خوشنودی یہ ہے کہ ہماری پارلیمنٹ نے برطانی ہندوستان میں قلمرو کا ایک جزو رہ کر ذمہ دار حکومت کے قیام کو ترقی دینے کے لئے جو تجویز مرتب کر رکھی ہے اس کو آخری درجہ تک پورا کیا جائے تاکہ برطانی ہند ہماری نوآبادیات کے درمیان وہ درجہ حاصل کرے جس کا وہ مستحق ہے۔

۱۴۔ مسٹر بالڈون [MR. BALDWIN] ۱۹۲۹ء میں تقریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اس وقت سے منزل مقصود کو پہنچنے کے لئے بڑی ترقی کی گئی ہے اور دولت متحدہ برطانیہ کی اقوام کی مشترکہ سرگرمیوں میں اب ہندوستان بھی شریک ہے اور جب وقت آگیا تو ہم دیکھیں گے کہ ہندوستان بھی دیگر مستعمرات کے ساتھ مساوی حصہ دار ہے۔

ہم نے اس جگہ پر آزادی ہندوستان کے متعلق تاج برطانیہ اور اس کے ذمہ دار اصحاب کے چند مقالات کو اس وجہ سے جمع کر دیا ہے کہ آپ حضرات ان کو دیکھ کر فیصلہ کر لیں کہ ۱۸۵۷ء سے کر آج تک کس طرح اور کس قسم کے وعدے ہندوستانیوں کو سبز باغ دکھلائے گئے ہیں۔ شروع ہی سے [illegible] مدت ہو چکی ہے اسی عرصہ میں ہندوستانیوں کو [illegible] جب سے ۱۸۵۷ء سے کر [illegible] تک برطانیہ کی جتنی نوآبادیات تھیں سب کو [illegible] آزادی مل گئی کینیڈا، آسٹریلیا بھی، نیوزیلینڈ، ماریشس، کیپ کالونی [illegible]

ہے۔ بجز الفاظ اس کے پاس کچھ نہیں آیا۔ ادھر آزادی کے الفاظ تو یہ ہیں۔ ادھر رجعت پسندوں کے الفاظ اور ان کے اعمال کو ان الفاظ آزادی کے ہوتے ہوئے ملاحظہ فرمایئے۔ الفاظ مندرجہ ذیل ملاحظہ ہوں۔

۹
شاہی اعلان و مواعید کی ذمہ داران برطانیہ کی طرف سے قولی مخالفت۔

۱۔ لارڈ کرزن [LORD CURZON] ہندوستان کے انتظام کے متعلق (سول سروس کے لئے) زیادہ تر جماعت چیدہ یورپینوں کی ہونی چاہیئے۔

۲۔ مسٹر لائیڈ جارج [MR. LLOYD GEORGE] وزیر اعظم برطانیہ ہاؤس آف کامنس میں۔ ۲/ اگست ۱۹۲۲ء کو (گاندھی جی کے پونہ میں قید ہو جانے اور چوراچوری کے واقعہ کے بعد تحریک آزادی میں سستی پڑ جانے کے بعد):۔

"اگر پہلے سے یہ بات صاف نہیں ہے تو اب میں صاف طور پر کہنا چاہتا ہوں کہ ہماری غرض اصلاحات دینے سے یہ نہیں ہے کہ انجام کار ہم اپنی امانت سے بالکل دست بردار ہو جائیں۔ جو بات خاص طور پر میں یہ کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہندوستانی بحیثیت جماعت مقننہ کے یا بحیثیت مدبران ملک کے خواہ کیسے ہی کامیاب کیوں نہ ہوں۔ مگر میرے نزدیک کوئی زمانہ ایسا نہ ہوگا کہ ان کا کام انگریزی عہدہ داروں کی ایک تھوڑی تعداد کے بغیر چل سکیگا جو ساڑھے اکتیس کروڑ کی آبادی میں کل بارہ سو (۱۲۰۰) ہیں۔"

۳۔ پھر فرماتے ہیں:

انگریز افسران ملازمت کی تمام عمارت کے لئے بمنزلہ فولادی قالب کے ہیں اگر اس قالب کو ہٹا لیا جائے تو تمام عمارت منہدم ہو جائے۔

اس تقریر کی بنا پر جو کہ تاج برطانیہ کے نہایت ذمہ دار وزیر اعظم سے صادر ہوئی تھی دوسرے ہی دن ۳/ اگست ۱۹۲۲ء کو اور پھر ۶/ اگست ۱۹۲۲ء کو صاحبزادہ آفتاب احمد خان صاحب مرحوم نے جب کہ وہ لندن میں وزیر ہند کی کونسل کے ممبر تھے ـــ دو زبردست چٹھیاں وزیر ہند کو بطور احتجاج کے لکھیں اور درخواست کی کہ وہ وزیر اعظم کے پاس بھیج دی جائیں۔ ان میں تفصیل کے ساتھ دکھایا گیا کہ وزیر اعظم کی یہ تقریر شاہی

اعلان ۱۹۱۷ء اور گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۱۹ء اور شاہی اعلان ۱۹۲۱ء کے کس قدر منافی تھی اور حکومت کو وہ کون سی ضرورت پیش آئی کہ ۱۹۲۱ء کے اعلان کے صرف ڈیڑھ سال بعد تقریر کے ذریعہ اسے کالعدم کر دیا گیا۔ صاحبزادہ صاحب نے اپنی چٹھی میں یہ بھی دکھایا تھا کہ قانون گورنمنٹ ہند ۱۹۱۹ء کے الفاظ یہ تھے کہ "پارلیمنٹ کی پالیسی جس کا اعلان کیا جا چکا ہے" یہ ہے کہ ہندوستان کے ہر شعبہ میں ہندوستانیوں کی تعداد مسلسل بڑھائی جائے تاکہ اس سے برٹش انڈیا میں بحیثیت سلطنت برطانیہ کے ایک اہم جز کے ذمہ دار حکومت کا مسلسل احساس پیدا ہو۔

اسی سلسلے میں صاحبزادہ موصوف نے لکھا کہ "جب مندرجہ بالا الفاظ میں کوئی قید کسی قسم کی نہ تھی۔ تو اب بارہ سو انگریز عہدہ داروں کی کیوں قید لگائی جاتی ہے اور جب کہ وہ ہمیشہ مسلط رہیں گے تو ہندوستانیوں میں خود اپنا انتظام کرنے کی قابلیت کیسے پیدا ہوگی۔ وزیر اعظم نے اپنی تقریر میں یہ بھی فرمایا تھا کہ" انگریز افسران ملازمت کی تمام عمارات کے لئے بمنزلہ فولادی قالب کے ہیں۔ اگر اس قالب کو ہٹا لیا جائے تو تمام عمارات منہدم ہو جائے گی مگر جب کہ ہندوستان کے تعلیم یافتہ لوگوں نے امتحانات مقابلہ میں انگریزوں کو شکست دے کر اس درجہ پر پہونچا دیا کہ انہیں اپنی قوم کے لئے سول سروس کے عہدے مخصوص کرنے پڑے تو سوال یہ ہے کہ انگریز عہدہ داروں کے فولادی قالب کے مقابلہ میں یہ ہندوستانی سول سروس والے کیا کچھ کم حیثیت رکھتے ہیں کیا وہ باوجود امتحانات مقابلہ میں بالاتر رہنے کے فولادی قالب نہیں بلکہ چوبی قالب ہیں، جن کی کمزوری کی وجہ سے تمام سلطنت کی عمارت منہدم ہو جانے کا اندیشہ وزیر اعظم کو تھا۔ مختصر یہ کہ صاحبزادہ صاحب نے بہت کچھ زور لگایا مگر لاٹھی کی طاقت کے سامنے حجت و دلیل کہاں چل سکتی ہے اور سرکاری گماشتوں کی ایک محدود تعداد کے ذاتی منافع کے مقابلہ میں سلطنت برطانیہ کے حقیقی منافع کی کب پروا کی جاتی ہے وہاں تو اپنے حلوے مانڈے کی فکر لاحق رہتی ہے۔ (روشن مستقبل صفحہ ۲۱۳، ۲۱۴)

۴۔ سر ولیم جوائسن ہکس، ہوم سیکرٹری ۔ ۵ اکتوبر ۱۹۲۰ء :۔

ہم نے ہندوستان ہندوستانیوں کی بھلائی کے لئے فتح نہیں کیا ہے اور ہم ہندوستان میں ہندوستانیوں کی بھلائی کے لئے نہیں ہیں۔

۵. سنڈے ٹائمز [SUNDAY TIMES] مورخہ ۲۵ مارچ ۱۹۳۰ء:-

ہمیں صاف طور پر اس بات کو واضح کر دینا چاہئے کہ انگریز ہندوستان میں بحالی صحت کی غرض سے مقیم نہیں ہیں بلکہ ان کا مقصد روپیہ پیدا کرنا ہے۔ ہم ہندوستان کو نہیں چھوڑ سکتے اس لئے کہ ایسا کرنا ہمارے مفاد و مصلحت کے خلاف ہے۔ ہندوستان میں رہنا اور اپنا مقصد حاصل کرنا ہمارا فرض ہے۔

شاہی اعلانات و مواعید کی ذمہ داران برطانیہ کی طرف سے عملی مخالفت

اب آپ ان جملہ اعلانات کو جو کہ تاج برطانیہ اور ذمہ داران برطانیہ کی طرف سے ہوتے رہتے ہیں دیکھئے اور ان مقالات کو جو کہ ذمہ داران برطانیہ ہی کی طرف سے شائع ہوتے ہیں دیکھئے، اور پھر فیصلہ کیجئے کہ صداقت کس میں ہے اور اعتماد کس پر اور کس طرح کیا جا سکتا ہے۔

اسی کے ساتھ ساتھ حکومت برطانیہ اور حکومت ہند کی عملی حکمت کو بھی جانچئے کہ کہا کیا جاتا ہے اور کیا کیا جاتا ہے۔ ۱۹۲۰ء میں کہاں تو مطلق العنان حکومت کو قطعی طور پر ترک کرنے کا اعلان کیا جاتا ہے اور پھر مطلق العنانی کے ساتھ نمک کا محصول دوگنا کر دیا گیا۔ گورنمنٹ نے بذریعہ سرٹیفکیشنوں کے قوانین نافذ کرنے کا سلسلہ جاری کر دیا۔ ۱۹۲۳ء میں کینیا کے متعلق فیصلہ سے ہندوستانیوں کی ذلت کی تکمیل کر دی۔ لبرل اصحاب اور آزاد خیال ممبران اسمبلی گورنمنٹ کو مسلسل شکستیں دیتے تھے اور گورنمنٹ استبدادی پنجہ چلاتی تھی۔ ۱۹۲۸ء میں پبلک سیفٹی بل نافذ کیا گیا، آرڈیننس جاری کئے گئے۔ اس سے پہلے مسٹر لائیڈ جارج [MR. LLOYD GEORGE] نے انگریزی سول سروس کی معاونت کا شاخسانہ لگا کر اس کی تنخواہوں اور الاؤنس میں اضافہ کر دیا۔ ۱۹۲۹ء میں جب کہ لارڈ ارون [LORD IRWIN] نے انگلستان سے آکر نوآبادیات کی حکومت کا مبہم اعلان کیا تھا تو انگلستان کی ایک پارٹی نے اس پر بہت لے دے کی کا اظہار کیا۔ گاندھی نے ۱۳ دسمبر ۱۹۲۹ء کو وائسرائے لارڈ ارون [LORD IRWIN] سے ملاقات کی اور مطالبہ کیا کہ حکومت نوآبادیات کے متعلق حکومت کی طرف سے صاف صاف وعدہ کیا جائے کہ گول میز کانفرنس میں اس کے متعلق فیصلہ کیا جائے گا۔ وائسرائے نے اس سے گریز کیا اور

کہا کہ اعلان میں جو کچھ ظاہر کیا گیا ہے۔ گورنمنٹ کا نقطۂ نظر وہی ہے۔ حالانکہ اعلان میں نہایت مبہم مندرجہ ذیل الفاظ تھے۔

ہندوستان کی آئینی ترقی کا نتیجہ درجہ نوآبادیات کا حصول ہے۔

الفاظ کی وضاحت نہ ہونے سے اہل ہند کو حد درجہ کی مایوسی ہوئی اور یقینی طور پر سمجھا گیا کہ یہ محض دفع الوقتی کے لئے یہ بھی کہا گیا جیسے کہ پہلے متعدد اعلانوں اور وعدوں کے بعد بار بار رجعت کی جا چکی ہے۔

حضرات! برطانوی اعلانات اور شہنشاہی فرمانوں اور ذمہ داران حکومت کے وعدوں کی حقیقت اور پر زور الفاظ کی قوت تو آپ مندرجہ بالا تفاصیل سے بخوبی پہچان گئے ہوں گے کہ یہ سب محض طفل تسلی اور ابلہ فریبی کے لئے ظہور پذیر ہوتے ہیں بلکہ سب میں صرف دفع الوقتی مطلوب ہوتی ہے وقت گزر جانے کے بعد وہ ایسے فراموش ہو جاتے ہیں کہ گویا کچھ کہا نہ گیا تھا۔ یا ان کے ایسے معانی پہنا دیئے جاتے ہیں جو کہ کبھی وہم گمان میں بھی نہیں آ سکتے تھے برطانیہ کی یہ عادت نئی نہیں ہے۔ ایک سو سال سے زائد ہو چکا ہے اسی کا تجربہ ہو رہا ہے بالخصوص ہندوستان اس قسم کے فیوض سے بہت زیادہ سرخرو کیا جاتا رہا ہے۔ ایسی ایسی انوکھی شرطیں رکھ دی جاتی ہیں جو کہ غیر ممکن الحصول ہوں۔ ایسے ایسے حیلے تراشے جاتے ہیں جن کو کبھی کسی نے سُنا نہ دیکھا۔ آج جب کہ برطانیہ چاروں طرف سے جنگ عظیم میں گھری ہوئی ہے۔ جب بھی ہندوستان کے متعلق کسی قسم کی قابلِ اطمینان کارروائی نہیں کر رہی ہے۔ آپ (لارڈ زٹلینڈ) [LORD [illegible]TLAND] مسٹر چیمبرلین [MR. CHAMBER-LAIN] مسٹر ایمری [MR. AMERY] اور دوسرے ذمہ داران برطانیہ کے اقوال اور کلمات کو ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ جو اعلانات اور کلمات کو پہلے استعمال کیا گیا ہے کیا آج بھی اسی قسم کے بلکہ اس سے بھی زیادہ مبہم اور غیر اطمینان بخش کلمات اور طریقے استعمال نہیں کئے جا رہے ہیں۔ پھر ہم انتہائی تعجب اور ان سادہ لوحوں کے دل اور دماغ پر کرنے میں کیا حق بجانب نہیں ہیں جو کہ موجودہ کلمات اور اعلانات پر اعتماد کرتے ہیں اور اہلِ ہند بالخصوص مسلمانوں کو دیتے ہیں کہ اس پر اعتماد کرو اور سچ سمجھو، شبہات اور شکوک کو یک قلم نکال ڈالو۔

افسوس صد افسوس، کاش کچھ مفصل اور قابلِ اطمینان ہی الفاظ میں اور معتمد علیہ طریقوں ہی سے ہندوستانیوں کے دل و دماغ کو مطمئن کر دیا جاتا اور اپنی ہمدردی، انسانی اور خدمت اقوام ضعیفہ

کا الفاظ ہی میں حقیقی ثبوت پیش کر دیا گیا ہوتا تو بھی کچھ غنیمت سمجھا جاتا۔ اگرچہ وہ بھی حسب عادت قدیمہ دفع الوقتی پر ہی ہم جیسے کم سمجھ محمول کرنا ضروری سمجھتے ہیں

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

برطانیہ کہتا ہے کہ ہم اقوام ضعیفہ اور انسانی آزادی کے لئے لڑ رہے ہیں۔ ہندوستان کو بھی ہمارے اس اعلیٰ مقصد میں شریک ہونا چاہیئے۔

اگر برطانیہ سچا ہے تو ہندوستان کو پہلے آزاد کیوں نہیں کر دیتا۔ اگر اس کو انسانی ہمدردی مجبور کر رہی ہے کہ وہ فیسی ازم کے خلاف خون بہائے تو وہ پینتیس کروڑ ہندوستانیوں کو کیوں ہر طرح غلام بنا کر موت کے گھاٹ اتارے ہوئے ہے اگر اس جنگ کی وجہ سے فرصت نہیں ہے تو کیا وہ اجمالی طور سے ہندوستان کو آزادی دے دینے کا اعلان بذریعہ وائٹ پیپر نہیں کر سکتا ہے اور کیا وہ اسی پیپر میں یہ اعلان نہیں کر سکتا کہ ہم کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی قبول کرتے ہیں بے شک صرف ہندوستانیوں کو اپنے ملک کا دستور بنانے اور چلانے کا حق ہے۔

کیا جس طرح اس نے وزیرستان کو دردناک مظالم سے پامال کر رکھا ہے فلسطین میں آئے دن وحشیانہ قتل و غارت خونریزی اور خونخواری کا بازار گرم کئے ہوئے حضرموت پر بمباری کر کے قبضہ کر چکا ہے۔ یہ چیزیں صاف طور سے گواہی نہیں دے رہی ہیں کہ مدبرین برطانیہ کا یہ دعوے کہ ہم انسانی ہمدردی اور آزادی کے لئے جنگ کر رہے ہیں۔ بالکل اور سرتاپا جھوٹ اور فریب ہے۔ اس نے ابی سینیا کی آزادی سلب ہوتے ہوتے قریبی زمانے میں دیکھا مگر اس کی رگ حمیت کو جوش نہ آیا البانیا کو ذبح ہوتے ہوتے دیکھا مگر اس کے کان پر جوں نہ رینگی۔ اس نے چین کو برباد ہوتے ہوتے مشاہدہ کیا۔ مگر اس کا دل ٹھنڈا ہی رہا۔ اس نے حکومت اسپین کو موت کے گھاٹ اترتے ہوئے دیکھا مگر اس کے بدن میں حرارت پیدا نہ ہوئی۔ صرف پولینڈ اور ناروے دنیا میں آدمی اور انسان ہیں جن کے لئے یہ موت کا بازار گرم ہے۔

وہ ادھر تو آزادی آزادی کے راگ کو الاپ رہا ہے مگر آزادی چاہنے والے احرار اور کانگریسیوں کو جیل کی کوٹھری میں برابر ٹھونستا جاتا ہے ان کے کھلے ہوئے کارناموں کے بعد بھی اس کے دھوکے اور فریب میں اگر کوئی ہندوستانی مبتلا ہو رہا ہے تو اس کی عقل اور سمجھ پر رونا چاہیئے۔ کیا سنہ ۱۸۵۷ء

کیا یہ تجربات کثیرہ کافی نہیں ہیں۔

لا یلدغ المومن من جحر واحد مرتین۔ اسی گزشتہ جنگ عظیم میں ہندوستانیوں نے کس قدر وفاداری کی۔ کس قدر اپنا خون بہایا۔ کس قدر اپنا مال ضائع کیا۔ مگر کیا صلہ ملا کیا بجز خوشنما الفاظ اور ان کے ساتھ ساتھ رولٹ بل، جلیانوالہ باغ مارشل لا وغیرہ کے اور کوئی چیز ہاتھ آئی۔

من جرب المجرب حلت به الندامه آزمودہ را آزمودن جہل است۔

بہرحال ہندوستانیوں اور بالخصوص مسلمانوں کو ہرگز ہرگز اس ابلہ فریبی کا شکار نہ ہونا چاہیئے۔ برطانوی قوم اور برطانوی تاج کے عہد و مواثیق اور وعدوں کی حقیقت آفتاب سے زیادہ ظاہر ہو چکی ہے۔ جب تک قابل اعتماد کوئی صورت نہ پیدا ہو اس وقت تک ہندوستانیوں کو مطمئن نہ ہونا چاہیئے یہی ہمارا فریضہ ہے۔

موجودہ حالت میں برطانیہ کی امداد و اعانت کا سوال

ہمارے بہت سے کوتہ عقل بے سمجھ بھائی کہتے ہیں کہ ایسی مصیبت کے وقت میں برطانیہ کو پریشان نہ کرنا چاہیئے یہ بالکل غلط فلسفہ ہے۔ ایسے ہی وقت میں برطانیہ کی خیر خواہی اور محبت کا مظاہرہ ہونا لازمی ہے۔ برطانیہ نے اپنے فرائض کو عرصۂ دراز سے چھوڑ رکھا ہے ان کے ادا کرنے میں کوتاہی اور ٹال مٹول کر رکھی ہے خدا کے پینتیس کروڑ بندوں کو انتہائی مذلت اور تکالیف میں ڈالے ہوئے ستا رہی ہے مظلوم قلب سسک رہے ہیں۔ خدائے قدوس کا غضب اسی وجہ سے جوش میں آ رہا ہے وہ اپنے مظلوم بندوں کے انتقام پر تلا ہوا ہے اور جس طرح اس نے ظالم قوموں اور بادشاہتوں کو اپنے ضعیف بندوں کی امداد اور ان کی آہ و زاری کی فریاد رسی میں ہلاک اور نیست و نابود کر دیا۔ اسی طرح ان یورپین مظالم پادشاہتوں انگلینڈ اور فرانس پر قہر کی بجلی گرا رہا ہے ہم پر لازم ہے کہ اس خیر خواہی اور ہمدردی کی بنا پر جو کہ ہم کو تاج برطانیہ اور اس قوم سے چلی آتی ہے اس کو ان موجبات قہر الٰہی اور اسباب غضب غیر متناہی سے روکیں اگر وہ کہنا نہ مانے تو اس کا ہاتھ پکڑ لیں اور قوت کو استعمال کریں۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انصر اخاک ظالما او مظلوما قیل یا رسول اللہ کیف انصرہ ظالما قال تکفہ عن الظلم جس طرح ہم اپنے عزیز و قریب کو جب کہ وہ برائی کرتا ہے زبان سے کہتے ہیں اگر نہیں مانتا تو ہاتھ سے روکتے ہیں اور اگر نہیں رکتا تو طاقت اور قوت کو استعمال کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور یہ سب

اس کی خیر خواہی میں ہوتا ہے اسی طرح یہاں بھی ضروری ہے بلکہ اگر ہم نے حسب استطاعت برطانیہ کو ان مظالم سے نہ روکا تو خوف ہے کہ ہم پر بھی کہیں عتاب الٰہی نہ برس پڑے۔ قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم ان الناس اذا راوا الظالم لم یا خذوا علی یدیہ یوشک اللہ ان یعمھم بعقاب فیدعونہ فلا یستجیب لھم۔ اس لئے نہایت ضروری ہے کہ جس طرح ممکن ہو برطانیہ اور اس کی قوم کو اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچانے کی کوشش کی جائے اور اس کو خلق خدا کے ستانے سے روکا جائے جو کہ باعث غضب الٰہی ہوا ہے ورنہ نہ روکنے والے بھی موجب غضب ہو جائیں گے۔

برطانیہ کی امداد و اعانت کا صحیح طریقہ

آج بہت سے ناعاقبت اندیش یہ کہتے ہیں کہ برطانیہ کی امداد و اعانت اس میں ہے کہ اس کو لڑنے کے لئے سپاہ اور مال دیا جائے اور ان کی فتح مندی کی کوشش کی جائے ہمارے خیال میں حسب نصوص شرعیہ یہ لوگ برطانیہ کے سخت ترین دشمن ہیں اور اس کو اور اس کی قوم کو قعر جہنم میں جھونکنا چاہتے ہیں وہ برطانیہ کے جس نے دنیا کی قوموں کی آزادی سلب کر لی ہو جو انسانی آمتوں کو غلامی کے عذاب الیم میں مبتلا کرتی اور رکھتی ہو جو کہ بجز یورپین اقوام کے تمام ایشیائی اور افریقی اقوام وغیرہ کی انسانیت سے خارج اور مثل بہائم سمجھتی ہو جو کہ خدا کے کروڑوں بلکہ اربوں بندوں پر مظالم کے پہاڑ نہایت سنگدلی سے ڈھاتی رہتی ہو جو کہ قوموں کی تجارت دستکاری، دولت، حکومت، رفاہیت، عزت، زمینیں، علوم، زراعت وغیرہ چھین چھین کر اپنا پیٹ پالتی ہو۔ جو کہ بد فریبی اور مکر و دغابازی جھوٹے وعدوں اور عہد شکنیوں سے خدا کی پیدا کی ہوئی قوموں کو ستاتی رہتی ہو اس کی امداد اسی میں اور صرف اسی میں ہے کہ اس کو ان افعال شنیعہ سے روکا جائے اور اگر خدانخواستہ اس کی امداد مال یا فوج یا رسد وغیرہ سے کی گئی تو اس کے معنی یہ ہیں کہ امداد کرنے والے ان تمام مظالم اور گناہوں کے مؤید اور نشر کرنے والے ہیں وہ خلق خدا کو اور ستانا چاہتے ہیں۔ بیشک ایسے لوگ خدا کے قہر عظیم کے مستحق ہوں گے اور سخت ترین پکڑ میں مبتلا کئے جائیں گے۔ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔ ہم کو برطانیہ کا ہمدرد اور خیر خواہ ہونا چاہیئے اس میں ہماری اپنی خیر خواہی ہے۔ بد خواہ نہ ہونا چاہیئے اس میں اپنی بھی بد خواہی ہے۔

اگر کسی شخص میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ برطانیہ کی قول اور فعل سے حسب طریقہ مذکورہ مدد کر سکے تو کم از کم دل میں اس کی سنگدلی اور بربریت کو برا سمجھتے ہوئے حکومت کو عمل میں لاتے۔ ....
رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان اسی بنا پر میرٹھ کے جلسے میں جمعیۃ نے اپنا اعلان موجودہ جنگ کے متعلق صاف اور واضح الفاظ میں شائع کر دیا تھا۔ جس کا حرف حرف صحیح اور قابل عمل تھا۔

آزادی ہند کے متعلق ہماری جدوجہد

محترم بزرگو! حالات موجودہ اور زیادہ تر مجبور کرتے ہیں کہ آزادی ہند کے لئے اپنی مساعی میں زیادہ سے زیادہ سرگرمی عمل میں لائی جائے اور تمام خلق خدا کو عموماً اور اہل ہند کو خصوصاً اسی ذریعہ سے ہر قسم کے عذاب الیم سے نجات دلائی جائے۔

ہماری غلامی نہ صرف ہمارے لئے باعث مصائب و آفات ہے بلکہ بہت سی غیر ہندوستانی قومیں بھی اس کی وجہ سے انتہائی تکلیف میں مبتلا ہیں۔

مسلمانوں پر آزادی ہند کا فریضہ سب سے زیادہ ہے اس لئے آزاد مسلم کانفرنس کا انعقاد اور اس کی مساعی مشکور ہیں

اگرچہ یہ فریضہ تمام ہند کے باشندوں کا ہے مگر مسلمانوں پر یہ فریضہ سب سے زیادہ ہے چند وجوہ سے۔ (الف) ہندوستان مسلمانوں کا حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے وطن آبائی ہے۔ (ب) مسلمانوں کو مرنے کے بعد بھی اس سرزمین سے نفع اٹھانا ہے (ج) ہمارے پیغمبر خاتم النبیین علیہ السلام سے پہلے یہاں بہت سے پیغمبر گزرے ہیں اور سب کا دین اسلام ہی تھا اگرچہ لوگوں نے اس میں تحریف و تبدیل کر دی۔ (د) انگریزی حکومت نے اس ملک کو مسلمانوں سے چھینا ہے۔ (ہ) اس ملک کی آزادی میں قرب و جوار کے اسلامی ملک مثل افغانستان، بلوچستان، ایران وغیرہ بہت سے مصائب اور خطرات سے محفوظ ہو جائیں گے (و) مقامات مقدسہ اور دیار عرب، مصر، شام، فلسطین، سوڈان، شمالی لینڈ وغیرہ جن میں اسلامی آبادی ہے اور ہندوستان کی غلامی کی وجہ سے یہ سب غلامی کی بیڑیوں میں جکڑے گئے ہیں آزاد ہو سکیں گے (ز) مسلمانوں کو موجودہ حکومت نے تمام باشندگان

ہند سے زیادہ برباد کیا ہے (ح) یہ آزادی خواہ اسلام راج کی طرف ہو یا اہون البلیتین مشترک راج کی طرف مسلمانوں کا مذہبی فریضہ ہے (ط) بغیر آزادی یہ ہلاک کرنے والا افلاس اور قحط اور گرانی زائل نہیں ہوسکتے اور بغیر ان کے زوال کے نہ دنیاوی زندگی بہتر ہوسکتی ہے اور نہ دینی فرائض وواجبات پوری طرح ادا ہوسکتے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات دیانت کی حفاظت ہی نہیں ہوسکتی۔ کاد الفقر ان یکون کفراً بہت سے مسلمان شدت فقر و افلاس کی وجہ سے مرتد ہوگئے۔ اور ہوتے جاتے ہیں (ی) بغیر آزادی بیکاری اور بے روزگاری کا ازالہ نہیں ہوسکتا اور بغیر اس کے ازالہ کے ہر قسم کی دینی اور دنیوی مصائب سے چھٹکارا غیر ممکن ہے۔

بہر حال مسلمانوں کے لئے موجودہ غلامی سے آزاد ہونا اور اس کے لئے انتہائی جدوجہد عمل میں لانا تمام باشندگانِ ہند سے زیادہ ضروری اور لازم ہے۔

آزاد مسلم کانفرنس اور اسکی تجاویز کی توثیق و تصحیح

مسلمانانِ ہندوستان کا کسی وقت میں آزادی کی جدوجہد سے گریز یا تکاسل کرنا نہ شرعاً جائز ہے نہ سیاستہً نہ عقلاً درست ہے نہ نقلاً اور بحمداللہ سمجھدار اور غیرتمند مسلمان اسی عقیدے اور عمل کے پابند ہیں، مگر افسوس کہ نا عاقبت اندیش اور کم سمجھ مسلمانوں کے بعض اعمال اور اقوام سے دشمنان آزادی اور خود اغراض لوگوں کو موقعہ ملا کہ انہوں نے دنیا میں مشہور کر دیا کہ ہندوستانی مسلمان ہندوستان کی آزادی کے خواہاں نہیں ہیں بلکہ وہ آزاد خواہ قوموں کے لئے رکاوٹ بن رہے ہیں۔ یہ شہرت بالکل غلط اور افترا تھی بلکہ ہندوستان کے مسلمانوں کا بیدار طبقہ بلکہ اکثر افراد بالکل غلامی ہند کے مخالف اور آزادی پر جان دینے والے ہیں اور بارہا اس راہ میں تکالیف شاقہ برداشت کر چکے ہیں اور آئندہ کے لئے تیار ہیں اس لئے نہایت ضروری تھا کہ ترقی پسند اور آزادی خواہ جماعتیں مجتمع ہو کر اعلان کریں کہ ہم کسی طرح برطانوی غلامی کو ایک منٹ کے لئے بھی پسند نہیں کرتے۔ ہم آزادی کے چاہنے والے اور اس کے لئے ہر ممکن قربانی پیش کرنے والے ہیں۔ ہم پر یہ شرمناک افترا ہے کہ معاذ اللہ ہم غلامی کو پسند کرتے ہیں۔

اس لئے زعماء اسلام اور ذمہ داران قوم کو بروقت انتباہ ہوا اور ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰ اپریل کو دہلی میں ترقی پسند جماعتوں اور آزاد مسلمانوں کا عظیم الشان اجتماع ہوا اور مناسب اور ضروری تجویزیں بحث و مباحثہ غور و خوض کے بعد پاس ہوئیں جو کہ سب کی سب قابل قبول اور مستحق عمل ہیں،

مسلمانوں کو اُن پر عمل کرنا ازبس ضروری ہے۔

متحدہ قومیت کا لزوم اور اس کے مفہوم کی حقیقت

ہم باشندگان ہندوستان بحیثیت ہندوستانی ہونے کے ایک اشتراک رکھتے ہیں، جو کہ اختلاف مذاہب اور اختلاف تہذیب کے ساتھ ہر حال میں باقی رہتا ہے جس طرح ہماری صورتوں کے اختلافات، ذاتوں اور صنفوں کے تباین، رنگتوں اور قامتوں کے افتراقات سے ہماری مشترکہ انسانیت میں فرق نہیں آتا اور اسی طرح ہمارے مذہبی اور تہذیبی اختلافات ہمارے وطنی اشتراک میں خلل انداز نہیں ہیں ہم سب وطنی حیثیت سے ہندوستانی ہیں اور وطنی منافع کے حصول اور مضرات کے ازالہ کا فکر اور اس کے لئے جد وجہد مسلمانوں کا بھی اسی طرح فریضہ ہے جس طرح دوسری ملتوں اور غیر مسلم قوموں کا، اس کے لئے سب کو مل کر پوری طرح کوشش کرنی ازبس ضروری ہے اگر آگ لگنے کے وقت میں تمام گاؤں کے باشندے آگ نہ بجھائیں گے سیلاب آنے کے وقت میں تمام گاؤں کے بسنے والے بند نہ باندھیں گے تو گاؤں برباد ہو جائے گا اور سبھی کے لئے زندگی وبال ہو جائے گی (اسی طرح ایک ایک ملک کے باشندوں کا فرض ہے خواہ ہندو ہوں یا مسلمان، سکھ ہوں یا پارسی، کہ ملک پر جب کوئی عام مصیبت پڑ جائے تو مشترکہ قوت سے اس کے دور کرنے کی جد وجہد کریں۔ اس اشتراک وطنی کے فرائض سب پر یکساں عائد ہوئے ہیں۔ مذاہب کے اختلاف سے اس میں کوئی رکاوٹ یا کمزوری نہیں ہوتی (ہر ایک اپنے مذہب پر پوری طرح قائم رہ کر ایسے فرائض کو انجام دے سکتا ہے۔ یہی اشتراک میونسپل بورڈوں، ڈسٹرکٹ بورڈوں، کونسلوں اور اسمبلیوں میں پایا جاتا ہے اور مختلف المذاہب ممبر فرائض شہر یا ضلع یا صوبہ یا ملک کو انجام دیتے اور اس کو ضروری سمجھتے ہیں۔ یہی معنی اس جگہ متحدہ قومیت کے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسرے معانی جو لوگ سمجھ رہے ہیں وہ غلط اور ناجائز ہیں، اسی معنی کی بنا پر کانگریس نے فنڈامنٹل میں ہر مذہب اور ہر تہذیب اور ہر زبان اور رسم و رواج کے تحفظ کا التزام کیا ہے، دھوکہ نہ کھانا چاہیئے اور بیوقوفوں کی بات پر نہ جانا چاہیئے۔ اس کے خلاف یہ رپٹیں لوگ قومیت متحدہ کے جو معنی مراد لیتے ہیں اور جو کانگریسی اشخاص انفرادی طور پر کانگریس کے فنڈامنٹل کے مفہوم کے خلاف معانی بیان کرتے ہوں ان سے یقیناً جمعیۃ العلماء بیزار اور تبرا کرنے والی ہے۔۔۔۔

قیام امن کیلئے متفقہ طور پر رضاکارانہ خدمات کی ضرورت

میرے محترم بزرگو! اس وقت جب کہ برطانوی حکومت اور اس کی قوت انتہائی مشکلات میں متبلا ہے۔ جس کے نتائج ہماری آنکھوں سے اوجھل ہیں۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ کل کو کیا پیش آنے والا ہے اس لئے ہم پر بہت زیادہ ضروری ہے کہ پیش آنے والے خطرات کا ہم ابھی سے انتظام کریں۔ ایسے اوقات میں خود غرض، سیاہ دل، بدمعاش لوگ امن و امان میں خلل ڈالتے ہیں اور اپنی حرص و آز پوری کرنے کے لئے ہر قسم کی سفاکانہ زندگی عمل میں لاتے رہتے ہیں۔ ملک میں ہر طرح کی شورش برپا کرکے جان، مال عزت، راحت سب کو نیست و نابود کر دیتے ہیں اور ملک کو مثل جہنم بنا دیتے ہیں۔ اس لئے شدید ضرورت ہے کہ تمام سیاسی اور مذہبی جماعتیں اس مقصد عظیم کے لئے متحد ہو جائیں اور باوجود اپنے سیاسی اختلافات کے امن و امان کی خاطر ہر قسم کی جدوجہد عمل میں لائیں اور شریف النفس اور نیک دل جوانوں اور اقویاء کو والنٹیئر بنائیں اور ہر جگہ مکمل انتظام کے ساتھ امن و امان کے تحفظ کیلئے کوشاں ہوں۔ اس میں مسلمانوں کو ہرگز ہرگز دیر نہ کرنی چاہیے اور نہ اس میں کسی قسم کی فرقہ وارانہ چاشنی پیدا ہونے دینا چاہیئے۔ باضابطہ نظام کے ساتھ باشندگان ملک اور ان کی جان و مال کی حفاظت کرنا چاہیئے۔ ان والنیٹر کوروں کا نظام بھی پنچائتی ہونا چاہیئے اور جہاں تک ممکن ہو حکومت سے بھی اپنی باضابطہ ذمہ داری کو تسلیم کرانا چاہیئے۔

مسجد شہید گنج کے متعلق پریوی کونسل کا غلط رویہ

اس وقت ہم یہ ظاہر کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ پریوی کونسل نے مسجد شہید گنج کے متعلق جو فیصلہ قبضہ مخالفانہ کی بناء پر کیا ہے نہایت ہی غلط اور قابل نفرت ہے اور اعلان شاہی کوئن وکٹوریہ کے بھی سراسر مخالف ہے۔ مساجد اور موقوفہ زمینیں کسی طرح بھی قبضہ مخالفانہ کی بناء پر مملوک نہیں ہوسکتیں۔ جمعیۃ العلماء نے اپنے گزشتہ تجاویز میں اس کے متعلق پوری روشنی ڈال دی ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ مساجد اور اوقاف کو قبضہ مخالفانہ اور تمادی کے قوانین سے مستثنیٰ کرانے کی پوری جدوجہد کریں۔

حضرات!

میں آپ بزرگوں اور بالخصوص استقبالیہ کمیٹی اور اس کے اراکین اور جناب صدر استقبالیہ اور جنرل سیکرٹری اور دیگر ذمہ دار حضرات کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور جملہ حضرات کو پھر قیام امن و امان کے متعلق جدوجہد کرنے کی طرف توجہ دلاتا ہوا امیدوار ہوں کہ آپ حضرات میری مذکورہ بالا تجاویز کی طرف خصوصیت سے نظر عنایت منعطف فرمائیں گے۔"

واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا ومولانا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

۲۸ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ

ماخذ: مولانا سید حسین احمد مدنی، خطبۂ صدارت، بارھواں سالانہ اجلاس جمعیت العلماء ہند منعقدہ، ۹ تا ۹ جون ۱۹۴۰ء بمقام جونپور، دیوبند، ت ن، ۵۶ ص۔

۳۲

تجاویز

تجویز نمبر ا۔ تعزیت حضرت مولانا معین الدین صاحب اجمیری

جمعیۃ العلماء کا یہ جلسہ حضرت مولانا معین الدین صاحب اجمیری کی وفات حسرت آیات پر اپنے رنج و غم کا اظہار کرتا ہے حضرت مولانا ایک متبحر عالم اور سرگرم مجاہد تھے۔ ان کی وفات سے مسلمانانِ ہندوستان کو نقصانِ عظیم پہنچا ہے۔ یہ جلسہ دُعا کرتا ہے کہ حق تعالےٰ مولانا مرحوم کو فردوسِ بریں میں جگہ دے اور ان کے فیوض کو تا قیامت جاری رکھے اور مسلمانوں کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ یہ جلسہ مولانا مرحوم کے صاحبزادے مولوی عبدالباقی صاحب اور دوسرے اقارب کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے اور ان کو یقین دلاتا ہے کہ مولانا مرحوم کی وفات کے صدمۂ عظیمہ میں یہ جلسہ بھی انکا شریک ہے۔

(منجانب صدر)

تجویز نمبر ۳ ۔ تحریک آزادی اور جنگ یورپ

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس مجلسِ عاملہ کے اس بیان کی تصدیق و توثیق کرتا ہے جو اس نے اپنے اجلاس میرٹھ مورخہ ۱۶ ، ۱۷ ، ۱۸ ستمبر ۱۹۳۹ء میں موجودہ جنگ یورپ کے متعلق مرتب کرکے شائع کیا

تھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مسلمانانِ ہند کے لئے اس جنگ میں برطانیہ کے ساتھ تعاون اور اس کی امداد کرنے کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں ہے نیز یہ اجلاس یہ بھی ظاہر کر دینا چاہتا ہے کہ ورکنگ کمیٹی نے اس بیان میں جو وجوہات ذکر کئے تھے ان کی صداقت گذشتہ آٹھ نو ماہ کے واقعات اور ذمہ دارانِ حکومت برطانیہ کے طرزِ عمل نے روزِ روشن کی طرح واضح کر دی ہے یعنی حکومت برطانیہ نے انتہائی مشکلات میں گھرے ہونے کے باوجود اپنی ماتحت اقوام خصوصاً ہندوستان کے ساتھ جابرانہ اور مستبدانہ طرزِ عمل میں کوئی تفاوت پیدا نہیں کیا۔ اور محکوم اقوام کی آزادی تسلیم کرنے پر آج تک آمادہ نہیں ہوئی۔ ورنہ تدبر اور بصیرت سے کام لینے اور محکوم اقوام کے ساتھ انصاف کرنے کا یہ بہترین وقت تھا۔

جمعیۃ العلماء ہند کو عالم انسانیت کی اس تباہی و بربادی کا بے حد صدمہ ہے جو یورپ میں ہو رہی ہے۔ مگر اسی کے ساتھ اسے اس کا بھی عمیق رنج ہے کہ اس المناک تباہی میں بھی مظلوموں کی مدد کرنے کے لئے ہندوستان آزاد نہیں ہے۔ ہندوستان اپنی بے سروسامانی کی وجہ سے خود اپنی حفاظت کرنے کے قابل نہیں چہ جائیکہ دوسرے مظلومین کی دست گیری کے لئے ہاتھ بڑھائے۔

اس تمام تجربہ اور مشاہدات کا لازمی مقتضیٰ یہ ہے کہ ایسے نازک مواقع پر مظلوم انسانیت کی امداد و اعانت پر قدرت حاصل کرنے کی غرض سے اپنی آزادی کی جدوجہد کو تیز کر دے۔

جمعیۃ العلماء ہند کے سامنے ایسی کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہندوستان اس موقع پر اپنی جدوجہد ملتوی کر دے اس کے سامنے برطانیہ کو پریشان کرنے یا اس کی پریشانی میں اضافہ کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے کیونکہ اس کی جدوجہد اس نازک موقع کی پیداوار نہیں ہے۔ ہندوستان برسوں سے اس راستہ پر گامزن ہے اور ہر آنے والے دن میں اس کا مطالبۂ آزادی گذشتہ دن کے لحاظ سے تیز اور قوی تر ہوتا جا رہا ہے۔

بہرحال جمعیۃ العلماء ہند کو افسوس ہے کہ برطانیہ نے اس وقت بھی تدبر اور بصیرت سے کام نہ لیا، اور ہندوستان اس وقت بھی اس قابل نہ ہوا کہ وہ اپنی آزاد رائے کے ساتھ کسی فریق کے ساتھ تعاون یا مظلوم کی دستگیری اور اعانت کا فیصلہ خود کرتا۔

محرک : مولانا حفظ الرحمٰن صاحب

مؤید : مولانا مفتی نعیم صاحب

تجویز نمبر ۵ قانون طلاق یا کاظمی ایکٹ

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس اس امر پر اظہار افسوس کرتا ہے کہ ایکٹ نمبر ۸ ۱۹۳۹ء جو قانونِ طلاق یا

کا لمس ایکٹ کے نام سے مشہور ہے جس صورت میں پاس ہو کر شائع اور نافذ ہوا ہے اس میں بعض دفعات اسلامی پرسنل لا کے خلاف ہو گئی ہیں جن کی ترمیم کرانی ضروری ہے۔ جمعیتہ کا یہ اجلاس حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب سے درخواست کرتا ہے کہ وہ ترمیمی مسودہ تیار کرکے جمعیتہ کے سامنے پیش کریں اور جمعیتہ تمام مسلم ارکانِ اسمبلی کو اس کی ضرورت اور اہمیت بتا کر اس کو مرکزی اسمبلی میں پیش کرانے اور منظور کرانے کی سعی کرے۔

تجویز نمبر ۴ آزاد مسلم کانفرنس دہلی کی تجاویز

جمعیتہ العلماء ہند کا یہ اجلاس آزاد مسلم کانفرنس دہلی کی تجاویز کی تصدیق و توثیق کرتا ہے کہ یہ تجاویز وطن کی آزادی اور مسلم مفاد کے تحفظ کے لئے نہایت ضروری تھیں اور حصولِ مقصد کے لئے ان پر عمل کرنا لازم ہے۔

تجویز نمبر ۵ پیشہ ور برادریوں کی پوزیشن

جمعیتہ العلماء ہند کا یہ اجلاس اس حقیقت کا اعلان کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ اسلامی تعلیم کی رو سے مسلمان شریف اور رذیل طبقات میں منقسم نہیں ہیں اور صنعت و حرفت کے لحاظ سے رذیل اور شریف قرار دینا ہندوستان کے ہندوؤں کا طریقہ تھا جو مذہبی تعلیم سے ناواقفیت اور عصبیت و جہالت کی وجہ سے بعض مسلمانوں میں بھی پیدا ہو گیا۔ اسلام نے شرافت کا مدار تقویٰ و صلاحیت پر رکھا ہے اور سید المرسلین رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لا فضل لعربی علی عجمی الناس کلھم بنو آدم و آدم من تراب اس کی صاف اور صریح دلیل ہے۔

یہ اجلاس ان لوگوں کے رویہ کی پُر زور مذمت کرتا ہے جو مسلم پیشہ ور برادریوں کو رذیل قرار دے کر اسلامی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کی سعی کرتے ہیں اور اپنے ہاتھوں اسلام کو نقصان پہنچاتے اور مسلمانوں میں تفریق پیدا کرتے ہیں۔

تجویز نمبر ۶/۸ مدح صحابہ رضؓ

جمعیتہ العلماء ہند کا یہ اجلاس اس امر کا اعلان ضروری سمجھتا ہے کہ لکھنؤ میں مدح صحابہ رضؓ کی تحریک سنیوں کی تیس سالہ تحریک ہے جو وہ اپنے ایک مذہبی اور شہری حق کی تحصیل کے لئے جاری کئے ہوئے ہیں اور یہ کہ مسٹر گوپی ناتھ سری واستو نے اپنی کتاب "کانگریسی دورِ حکومت" میں بالکل غلط لکھا ہے کہ یہ تحریک سنیوں

نے کانگریسی حکومت کو مشکلات میں پھنسانے کے لئے جاری کی تھی۔

یہ اجلاس مدح صحابہؓ کے متعلق اپنی تجویز منظور شدہ اجلاس دہلی کی مکرر توثیق کرتا ہے کہ خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی علی الاعلان مدح وثنا کرنا سنیوں کا مذہبی حق ہے وہ اس کو کسی حال میں چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہیں اور نہ اس پر کسی پابندی کو قبول کرنے کے لئے تیار ہیں۔

یہ اجلاس ان سنی مسلمانوں کے رویّہ پر دلی افسوس کا اظہار کرتا ہے جو معاملات سے واقفیت بہم پہنچانے سے پہلے شیعوں کے ناجائز اور خلاف عقل ونقل رویّہ کی قولی یا عملی تائید کرتے اور سنیوں کے جائز اور مذہبی اور شہری حق کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

جمعیۃ العلمائے ہند کے گیارھویں سالانہ اجلاس منعقدہ ۳ تا ۶ مارچ ۱۹۳۹ء میں مسجد ٹیڑھی بازار فیض آباد کا معاملہ پیش کیا گیا تھا اس پر جمعیۃ العلماء نے تحقیقِ حال کے لئے اپنے اجلاس میں ایک تجویز منظور کی تھی اور ایک سب کمیٹی بنائی تھی جس کے داعی مولانا سید محمد نصیر الدین صاحب مقرر کئے گئے تھے مولانا نے اپنی رپورٹ کی روشنی میں حسب ذیل تجویز پیش کی۔

تجویز نمبر ۹ مسجد ٹیڑھی بازار فیض آباد

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس مسجد ٹیڑھی بازار فیض آباد کی تحقیقاتی سب کمیٹی کی رپورٹ کے ملاحظہ سے اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ یہ مسجد پرانی مسجد ہے اور مسلمانوں کو اس کی مرمت اور تعمیر کا پورا حق حاصل ہے اسی بنا پر میونسپل کمیٹی فیض آباد نے اس کی تعمیر اور مرمت کی اجازت دے دی تھی مگر ہندوؤں کے متعصبانہ رویّہ اور ان کی مخالفانہ سرگرمیوں کی وجہ سے حکومت نے اس کی تعمیر روک دی۔

یہ اجلاس حکومت صوبہ متحدہ سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس روک ٹوک کو فوراً اٹھالے اور مسلمانوں کو اس کی تعمیر کی اجازت دے کر ان کی دادرسی کرے۔

تجویز نمبر ۱۰ مسجد شہید گنج

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس مسجد شہید گنج کے متعلق پریوی کونسل کے فیصلہ کو جو قانون تمادی و قبضہ غاصبانہ کے ماتحت صادر کیا گیا ہے۔ اسلامی قانون وقف پر ایک افسوس ناک حملہ سمجھتا ہے۔ یہ اجلاس ضروری سمجھتا ہے کہ مساجد اور اسلامی اوقاف کو قانون تمادی و قبضہ غاصبانہ کی زد سے بچانے کے لئے کسی ترمیمی یا

استثنائی قانون کا مسودہ مرتب کر کے اس کو قانون بنوانے کی سعی کی جائے۔

تجویز نمبر ۹/۱۱ فسادات بیدر (حیدر آباد دکن)

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس بیدر کے گذشتہ فساد پر اظہارِ افسوس کرتا ہے اور اس موقع پر اس امر کا اعلان کرنا بھی ضروری سمجھتا ہے کہ اس فساد کے سلسلہ میں بعض کانگریسی رہنماؤں نے اخبارات میں جو یک طرفہ بیانات دیئے اور اس پر نکتہ چینی کرنے میں انہوں نے تحقیقات کے سامنے آئے بغیر جو عجلت کی وہ غیر دانشمندانہ بھی کیونکہ اس قسم کے بیانات سے ملک وطنی تحریک کو سخت صدمہ پہنچتا ہے۔ قومی کارکنوں کو ان کے کام کرنے میں شدید دشواریاں ہوتی ہیں اور ان کا فرقہ وارانہ تعلقات پر نہایت ہی ناگوار اثر پڑتا ہے۔

جمعیۃ کا یہ اجلاس حکومتِ آصفیہ کی اس کارروائی کو بہ نظرِ استحسان دیکھتا ہے جو اس نے ان لوگوں کے نقصان کی تلافی کے لئے اختیار کی جنہیں مذکورہ بالا فساد میں کسی قسم کا نقصان اٹھانا پڑا اور یہ امید کرتا ہے کہ وہ فساد کے بانیوں اور اس کے مجرموں کو قرار واقعی سزا دے گی۔

تجویز نمبر ۱۰/۱۲ واقعہ قتل چاندرسوا (سی۔پی)

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس چاندرسوا (سی۔پی) کے واقعہ قتل کے سلسلہ میں مسٹر شکلا وزیر اعظم اور ان کے شرکاء کے طرزِ عمل اور متعصبانہ ذہنیت کی پُر زور مذمت کرتا ہے اور اپنی بیزاری کا اظہار کرتا ہے۔

مسٹر شکلا نے تحقیقات سے قبل اس واقعہ کے متعلق اسمبلی میں ایک ایسا بیان دیا جس سے ہائی کورٹ کی رائے میں بے گناہ مسلمانوں کے خلاف جھوٹی شہادتیں بنائی گئیں اور مظلوم مسلمان طرح طرح کے مظالم میں گرفتار ہوئے۔

نیز یہ اجلاس پولیس کے رویہ کی بھی مذمت کرتا ہے کہ اس نے بے گناہوں کو پھانسنے اور ان کے ساتھ وحشیانہ سلوک کرنے میں آئین، انصاف اور انسانی شرافت کو پارہ پارہ کر دیا اور کانگریسی حکومت اور اس کے نظام کو بدنام کیا۔ مسٹر شکلا اور دیگر وزراء جو ان کے ہمنوا تھے اسکے مستحق ہیں کہ کانگریس کی طرف سے ان کے خلاف تادیبی کارروائی کی جائے۔

تجویز نمبر ۱۱/۱۳ وفد سرحد اور حکومت ہند

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ جلسہ گورنمنٹ کے اس طرزِ عمل کی پُر زور مذمت کرتا ہے کہ اس نے پراونشل کانگریس

کمیٹی صوبہ سرحد کے اس وفد کو وزیرستان جانے کی اجازت نہ دی جس کی غرض قیام امن وانسداد واقعات ڈاکہ زنی واغوا کے ذرائع تلاش کرنا اور ان کو عمل میں لانا تھا اس طرزِ عمل نے ثابت کردیا کہ حکومت فارورڈ پالیسی کو جاری رکھنا چاہتی ہے اور اس کے لئے ایسے واقعات ڈاکہ زنی واغوا کا جاری رہنا ضروری ہے جن کی حقیقت بھی پردۂ راز میں رہے اور وہ گورنمنٹ کی فارورڈ پالیسی کے لئے وجہِ جواز بھی بتلائے جاسکیں

یہ جلسہ آزاد قبائل کے ذمہ دار حضرات سے اپیل کرتا ہے کہ وہ انگریزی علاقہ کے ایسے مشتبہ لوگوں کو جو ان واقعات کے ذمہ دار ہوتے ہیں اپنے علاقے میں ٹھہرنے کی اجازت نہ دیں تاکہ وہ اپنی حرکات سے مجاہدین کے لئے بدنامی کا سبب نہ بنیں اور انگریزی حکومت کے لئے فارورڈ پالیسی کے جواز کا موقع بہم نہ پہنچا سکیں۔

تجویز نمبر ۱۲/۱۴ نظام رضاکاران

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس جمعیۃ العلماء کے نظام کو ملک کے ہر گوشہ میں موثر بنانے، جماعتی قوت میں اضافہ کرنے اور مذہبی اور قومی خدمت کی غرض سے ضروری سمجھتا ہے کہ جمعیۃ العلماء کے ماتحت رضاکاران کا ایک مستحکم نظام جلد قائم کیا جائے۔ یہ جلسہ جمعیۃ العلماء ہند کے صدرِ محترم کو اختیار دیتا ہے کہ وہ مناسب افراد کے مشورہ سے ایک ماہ کے اندر اس کا دستور العمل مرتب فرماکر اسے نافذ کردیں۔

محرک: مولانا سمیع اللہ صاحب

مؤید: مولوی محمد یٰسین صاحب خانپوری

تجویز نمبر ۱۳/۱۵ انتخاب امیر

اس تجویز پر تقریباً ۹ بجے سے بحث شروع ہوئی اور ڈھائی بجے تک ہوتی رہی۔ اس بحث میں دو خیال کے حضرات نے حصہ لیا۔ ایک وہ جو فی الفور بیعتِ امیر کے حق میں تھے اور ایک وہ جو ضرورتِ امیر کو تسلیم کرکے انتخابِ امیر کا مسئلہ کسی دوسرے وقت پر رکھنا چاہتے تھے بالآخر طویل بحث وتمحیص کے بعد حسب ذیل تجویز منظور ہوئی۔

" جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس ہندوستان میں مسلمانوں کی مذہبی ترقی اور اقتصادی اصلاح اور ہر نوع کی فوز وفلاح کے لئے ضروری سمجھتا ہے کہ وہ اسلامی تعلیم کے ماتحت اپنا امیر منتخب کرکے اس کے ہاتھ پر سمع و طاعت کی بیعت کریں یہ ایک اہم فریضہ ہے جس کی طرف جمعیۃ العلماء ہند ۱۹۲۱ء سے مسلمانوں کو توجہ دلارہی ہے اور اس کے ایک مخصوص اجلاس منعقدہ بدایوں میں تشکیل امارتِ شرعیہ کا ابتدائی خاکہ بھی مرتب کرکے

شائع کیا گیا تھا۔

بہر حال مسلمانوں پر اس فریضہ کی ادائیگی لازم ہے اس فریضہ کی ادائیگی کے بعد ہندوستان میں اسلامی اور اعلاء کلمۃ اللہ کا نیا دور شروع ہوگا اور یقین ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ پستی رفعت و ترقی کے ساتھ بدل جائے گی۔

البتہ امیر کا انتخاب ایسے شرعی اصول پر ہو جو زیادہ سے زیادہ ارباب حل وعقد کے نزدیک مقبول و مسلّم ہوں۔ امیر ایک ایسا شخص ہو جو علوم دینیہ (یعنی کتاب و سنت و سیرت خلفائے راشدین و فقہ اسلامی) کا ماہر، قومی ضرورتوں کا واقف اور سیاست حاضرہ کا اچھا جاننے والا ہو، اس کے اعمال و اخلاق پسندیدہ اور قابلِ اعتماد ہوں۔ وہ مستعد اور جری ہو اور اس کی عملی زندگی ممتاز درجہ رکھتی ہو۔

جمعیۃ العلماء ہند ضروری سمجھتی ہے کہ اول مسلمانوں کو اس فریضہ کی ضرورت و اہمیت سے روشناس کرا جائے، پھر مناسب وقت پر انتخاب امیر کے لئے ایسی مخصوص مؤتمر طلب کی جائے جس میں زیادہ سے زیادہ ارباب حل وعقد کو شرکت کی دعوت دی گئی ہو اور اس میں "امیر الہند" کا انتخاب کیا جائے اور اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے اور اسی روز "بیت المال" قائم کیا جائے۔

محرک: مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی

مؤید: مولانا زکریا صاحب محمودی

تجویز نمبر ۱۴ فتنہ خاکساران

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس عام اپنی اس تجویز کا اعادہ کرتا ہے جو اس نے ۱۹۳۹ء میں جماعت خاکسار کے امیر مسٹر عنایت اللہ خان مشرقی کی تحریک خاکسار اور ان کی کتاب "تذکرہ" وغیرہ کے متعلق منظور کر کے کی تھی جس کے الفاظ یہ ہیں:

تجویز نمبر (۲۴) منظور کردہ جمعیۃ العلماء ہند ۱۹۳۹ء۔

"جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس اپنی اس تجویز کا اعادہ کرتا ہے جو اس نے ۱۹۲۷ء میں جماعت خاکساران کے امیر اعظم مسٹر عنایت اللہ خان مشرقی کی کتاب "تذکرہ" کے متعلق پاس کی تھی کہ اس میں الحاد و زندقہ کی تعلیم اور اسلامی اصول و عقائد کی صریح مخالفت موجود ہے "تذکرہ" کے علاوہ ان کی مزید تالیفات نے اس امر کو واضح اور روشن کر دیا ہے کہ وہ انہیں ملحدانہ عقائد پر قائم بلکہ مصر ہیں۔

جمعیۃ العلماء کا یہ اجلاس اِن کی تحریک بیلچہ برداری کو اگرچہ وہ بظاہر عسکریت پر مبنی معلوم ہوتی ہے سخت خطرہ کی نظر سے دیکھتا اور ملحدانہ خیالات کی اشاعت کا ذریعہ سمجھتا ہے اور مسلمانوں کی مذہبی و سیاسی تباہی کے لئے خاکساری فتنہ کو قادیانی فتنہ سے کم نہیں سمجھتا۔ اس لئے یہ اجلاس تمام مسلمانوں کو متنبہ کرتا ہے کہ وہ عسکریت کی ظاہری نمائش سے دھوکہ نہ کھائیں اور ایک ایسے شخص کو جو ملحدانہ عقائد رکھتا ہے اپنا امیر بنانے اور اس کی تعلیم پر چلنے کا ملحدانہ رویہ اختیار نہ کریں اور جہاں تک ممکن ہو اس فتنہ کے انسداد کی سعی کریں۔

یہ اجلاس صدر جمعیۃ العلماء ہند سے درخواست کرتا ہے کہ اس تجویز کی روشنی میں ایک بیان مسلمانوں کی ہدایت کے لئے مرتب فرما کر شائع فرمائیں۔

تجویز نمبر ۵ شکریہ سابق صدر جمعیۃ

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ عام اجلاس حضرت علامہ مفتی کفایت اللہ صاحب متع اللہ المسلمین بطول بقائہ کی ان خدمات جلیلہ کا صدق دل کے ساتھ اعتراف کرتا ہے جو انہوں نے ابتدائے قیام جمعیۃ العلماء ہند کے وقت سے بحیثیت مستقل صدر جمعیۃ العلماء ہند مذہبی و ملکی خدمات مخلصانہ طور پر انجام دی ہیں اور جمعیۃ العلماء ہند کو یقین ہے کہ یہ حضرت ممدوح کی خداداد قابلیت اور صلاحیت اور حسن تدبیر سے ہمیشہ مستفید ہوتی رہے گی۔

ماخذ: محمد میاں، جمعیت العلماء کیا ہے؟ حصہ دوم، دہلی، ۱۹۴۱ء، ۲۱۵–۲۲۰

باب سیزدہم

اجلاس سیزدہم، لاہور ۲۰، ۲۱، ۲۲ مارچ ۱۹۴۲ء

(۲، ۳، ۴ ربیع الاوّل ۱۳۶۱ھ)

زیرِ صدارت

مولانا سیّد حسین احمد مدنی

۳۴

خطبۂ صدارت از مولانا سید حسین احمد مدنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا و مولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ اٰلہ وصحبہ وبارک وسلم ۔

میرے محترم بزرگو اور بھائیو! پچھلے سال جونپور میں جن نازک حالات اور ان کے باعث عائد شدہ فرائض اور ذمہ داریوں کی طرف میں نے آپ کی توجہ دلائی تھی ان کا سلسلہ ظاہری نظر میں آج بھی بدستور قائم ہے اگرچہ حقیقت میں نظر فیصلہ کر رہی ہے کہ حالات بد سے بدتر ہو گئے ہیں اس عرصہ میں نئے نئے واقعات پیش آئے ہیں اور اس عقرضداوندی نے جو کہ جنگ کی صورت میں دنیا کے ایک بڑے حصہ پر ظاہر ہو رہا ہے جو بھیانک اور پُرخطر صورت اختیار کر لی ہے ۔ اس نے دنیا کے اضطراب اور بے چینی میں نہایت تشویشناک اضافہ کر دیا ہے جو ممالک اور اقوام براہ راست اس جنگ کی عبرت آموز تباہیوں کا شکار ہو رہے ہیں ان کے درد سے بھرے ہوئے مصائب و آلام تو ہمارے وہم و گمان سے بالاتر ہی ہیں۔ لیکن دنیا کے تباہ کن اثرات سے محفوظ نہیں ہیں۔ سرمایہ دار اور خود غرض طاقتوں کی اس جنگ میں دنیا

کہ ہر حصہ کے غریب عوام اور مزدور ہی دشواریوں اور سخت پریشانیوں میں مبتلا نہیں ہیں بلکہ تجارت پیشہ حضرات اور دستکاروں کے لئے بھی طرح طرح کی مشکلات روزافزوں تباہی کی طرف لے جا رہی ہیں۔ قوموں اور ملکوں کے تمام وسائل جنگ کے لئے وقف کر دیئے گئے ہیں۔ جن چیزوں پر عوام کی زندگی کا مدار ہے وہ نہایت گراں کمیاب اور غریبوں کی دسترس سے باہر ہوتی جا رہی ہیں۔ چاروں طرف بے چینی اور برہمی کا منظر دکھائی دے رہا ہے۔ ہمارا وطن عزیز "ہندوستان" بھی اس قسم کے اضطراب انگیز حالات کے بھنور میں پھنستا جا رہا ہے۔ جنگ کی لعنت اپنی تمام سیاہ کاریوں کے ساتھ اس کے دروازے تک پہونچ چکی ہے اس کے تمام وسائل و ذرائع اس جنگ میں فتح حاصل کرنے کے لئے استعمال کئے جا رہے ہیں۔ دنیا کی اس بے چینی اور ہلاکت کا نامبارک آغاز کس ہولناک انجام تک پہنچے گا۔ اسکے متعلق ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

اس عالمگیر اضطراب کا انجام خواہ کچھ بھی ہو۔ ہمیں بہر حال اپنی منزلوں اور ذمہ داریوں کی طرف سے غافل ہونا یقیناً خودکشی کے مترادف ہوگا۔ ہم کو ہر اس ممکن صورت حال کا مقابلہ کرنا اور اس کے لئے تیار رہنا جو کہ اس جنگ کے نتیجہ میں پیش آ سکتی ہیں، ناگزیر ہے۔ اگر نازک لمحات میں ہم نے اپنی منزل اور اپنی ذمہ داریوں کو ایک لمحہ کے لئے بھی فراموش کر دیا تو ہم صدیوں کی راہ پیچھے ہٹ جائیں گے۔

ایسے نازک وقت میں آپ حضرات نے جمعیۃ علماء ہند کی صدارت اور رہنمائی کے لئے مجھ جیسے ناکارہ کا انتخاب کر کے جس اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے میری عزت افزائی فرمائی ہے۔ اس کے صلہ میں اگر میں ایک طرف شکر گذاری کے فرائض ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں تو دوسری طرف اپنی بے بضاعتی اور انتہائی مصروفیتوں کی بناء پر شکایت پیش کرنا بھی اپنا فریضہ سمجھتا ہوں ؎

فلئن نطقت بشکر برک مفصحا ۔ فلسان حالی بالشکایۃ انطق

محترم حضرات! آپ نے ہرگز انصاف اور بندہ پروری کا اس انتخاب میں ثبوت نہیں دیا ہے ایک ایسا شخص جو کہ کم مائگی اور کمزوریوں کے ساتھ ساتھ گوناگوں مصروفیتوں میں بھی مبتلا ہو۔ اتنی بڑی ذمہ داری کا اور وہ بھی تمام سال کے لئے کس طرح اہل ہو سکتا ہے۔ بحمد اللہ آپ کی جماعت میں اعلیٰ سے اعلیٰ سیاستدان، ارباب ذکاوت و فہم، خوش بیان و خوش تحریر، عالی ہمت اولوالعزم، معاملہ فہم اور حلال المعاقد انتھک کارکن حضرات موجود ہیں جو کہ ملت بیضاء کی کشتی

کو ساحل مقصود تک نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ پہنچا سکتے ہیں۔ ان سب بزرگوں کو چھوڑ کر مجھ ضعیف وناتواں کے کمزور کاندھوں پر دوبارہ اتنا بھاری بوجھ رکھ دینا کہاں کا انصاف ہے۔ میں اپنی کمزوریوں کے ساتھ ساتھ ایک سال تک اپنی ناچیز خدمات پیش کر چکا تھا۔ چاہئے تھا کہ اسی پر اکتفا کیا جاتا مگر وائے ناکامی کہ اب پھر آپ نے مجھی پر یہ بار گران محض ہمت بڑھانے اور قدر افزائی کے لئے رکھ دیا۔ مجھے آپ کی اطاعت و فرمانبرداری سے انحراف نہیں ہو سکتا مگر حقیقت حال کا پیش کرنا ضروری ہے بہرحال جب آپ نے اس ذمہ داری کا ثقیل بار مجھ پر رکھدیا ہے تو میں امیدوار ہوں کہ پہلے سے زیادہ گرم جوشی اور جدوجہد کے ساتھ آپ میری امداد و اعانت فرمائیں گے اور جمعیۃ کے نظام کو بڑے پیمانہ پر ملک و قوم میں پھیلا کر امت مسلمہ کی خدمات جلیلہ انجام دیں گے۔

حضرات! رفقائے کار کے اس اجتماع میں ہم حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم اور برگزیدہ شخصیت کو فراموش نہیں کر سکتے۔ جنہوں نے گزشتہ تیس سال میں مسلمانان ہند کی زبردست خدمات انجام دی ہیں۔ اس عرصہ میں مسلمانانِ ہند کی تمام اہم مذہبی اور سیاسی تحریکات میں کوئی ایک تحریک بھی ایسی نہیں ہے جس میں مرحوم نے پورے جوش اور سرگرمی کے ساتھ نمایاں حصہ نہ لیا ہو جمعیۃ علماء ہند میں ان کی شخصیت بہت اہم تھی۔ انہوں نے اپنی تمام زندگی جمعیۃ علماء کی خدمت اور اس کو ترقی دینے کے لئے وقف کر دی تھی۔ اپنی زندگی کے آخری دور میں مرحوم جمعیۃ علماء ہند کے ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے تھے۔ ان کی وفات مسلمانانِ ہند کے لئے عموماً اور جمعیۃ علماء ہند کے لئے ایک ایسا قومی و ملی صدمۂ عظیم ہے۔ جس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔

اسلامی نظام ہی انسانی دنیا کی حقیقی بہبودی کا کفیل ہو سکتا ہے اور اسی میں صحیح جمہوریت ہے

محترم حضرات! شخصی حکومتوں اور ملوکانہ جبر و استبداد اور حاکمانہ خود غرضیوں اور شہوت پرستیوں وغیرہ کی وجہ سے عالم انسانی پر جو جو بربادی اور ہلاکت کے پہاڑ ٹوٹا کرتے تھے ان سے تنگ آکر انسانی دنیا نے انقلاب کے دروازے کھولے اور جگہ جگہ جمہوری نظام جاری کیا گیا۔ اگرچہ بعض ممالک میں شاہی خاندانوں کو بھی باقی رکھا گیا۔ مگر ان کو اس قدر بے دست و پا کر دیا گیا تھا کہ نظم و نسق اور عام رعایا سے متعلق کسی قسم کے تصرف کا اختیار باقی نہیں رکھا گیا تھا۔ یہ جمہوری نظام اگرچہ ظاہری نظر میں عام انسانوں کے لئے خوش کن تھا اور ممکن ہے کہ ابتدائی مراحل میں اس میں پوری طرح ہر عام و خاص

غریب و امیر کا لحاظ بھی رکھا گیا ہو مگر اقتدار کے قائم ہوتے ہی بوالہوسی اور سرمایہ پرستی کا غلبہ ہو گیا غرباء اور مزدوروں کے خون پسینہ سے ہولی کھیلی جانے لگی نظام میں اس قدر سرمایہ پرستی، خود غرضی اور لوٹ میں قومیت کی لعنت گھس گئی کہ عالم انسانی دنیا شخصی حکومتوں سے اس قدر ہلاکت اور بربادی کا شکار نہیں ہوئی جتنی کہ اس فریب خوردہ جمہوریت اور نام نہاد خدمت خلق سے ہونے لگی بالآخر عالم انسانی میں دوبارہ انقلاب کا نشو و نما ہوا اس غلط اور برباد کن جمہوریت کے نظام کو مٹا دینے کے ولولے ظہور پذیر ہوئے اور بزعم خود اصلاح خلق اور ان کی عام پرورش کا بیڑا اٹھایا گیا۔ کہیں سے بالشوزم کی صدا اٹھی کہیں سوشلزم کی آواز بلند ہوئی کہیں سے نازی ازم کا ڈنکا بجا۔ کہیں سے فیسی ازم کا صور پھونکا گیا۔ کہیں سے ڈکٹیٹر شپ کی آوازیں اٹھیں۔ کہیں سے یورپین ازم اور کہیں سے جاپانی ازم اور مشرقی ازم کا راگ گایا گیا مگر واضح رہے کہ یہ تمام نظام کسی طرح بھی امن و امان عام اور حقیقی خدمت خلق کے متکفل نہیں ہیں اور ان کا ملعون اثر آج آفتاب سے زیادہ ظہور پذیر اور دنیا میں روشن ہے۔ ان نظاموں کی بدولت آج انسانی دنیا جس ہلاکت و بربادی میں مبتلا ہے اس کی نظیر ابتدائے عالم سے لے کر آج تک نہیں ملتی۔

ظھر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس لیذیقھم بعض الذی عملوا لعلھم یرجعون

کھل پڑا اور پھیل گیا ہے فساد جنگلوں اور سمندروں میں لوگوں کے ہاتھوں کی کمائی سے تاکہ چکھایا جائے ان کو کچھ مزہ ان کے کاموں کا۔ شاید کہ وہ لوٹ آئیں۔

ہم اس وقت صحیح اور کامل نظام تمام دنیا کے سامنے پیش کرنا چاہتے اور ضروری سمجھتے ہیں کہ ساڑھے تیرہ سو سال کی آواز سے دنیا کو پھر بیدار کریں۔

خداوند کریم جس طرح تمام چھوٹوں بڑوں، انسانوں حیوانوں، فلکیات اور عنصریات، نباتات اور جمادات، ملائک اور جنات، روح اور مادہ غرض ہر شئے کا خالق اور بنانے والا ہے۔ اسی طرح وہ سب کا پرورش کرنے والا اور مربی بھی ہے اور جس طرح وہ عرش سے لے کر فرش تک سب کا شہنشاہ اور مالک ہے اسی طرح وہی سبھوں پر حاکم اور ہر چیز جاننے والا بھی ہے وہ جس قدر ان کی ضرورتوں اور منافع و مضار کو جانتا ہے کوئی دوسرا نہیں جان سکتا ہے اسی نے انسان کو اشرف المخلوقات اور تمام کائنات کا مخدوم بنایا ہے اور اسی نے تمام روئے زمین کے انسانوں کو ایک انسان حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا کیا ہے۔

ھو الذی خلقکم من نفس واحدۃ

جب کہ فطری قاعدہ ہے کہ ہر بنانے والے کو اپنی بنائی ہوئی چیز سے محبت ہوتی ہے جیسے کہ ہر پالنے والے کو اپنی پالی ہوئی چیز سے ہوتی ہے بالخصوص جب کہ کسی چیز کے بنانے اور پالنے میں زیادہ تر کنج دکاؤ اور توجہ کی گئی ہو اس لئے اس کو تمام انسانی دنیا سے انتہائی محبت اور خیر خواہانہ شفقت ہوگی۔ اگر پہلی گزارش کی شہادت لما خلقت بیدی سے ملتی ہے تو دوسری عرض کی گواہی تمام انسانوں کے باپ کی مسجودیت اور ان کی خلافت اور ان اللہ بالناس لرءوف رحیم جیسی آیات سے ملتی ہے اس کی نظر میں کالے اور گورے، ایشیاٹک اور یورپین، افریقش اور امریکن، عرب اور عجم سپید، سرخ، زرد و سیاہ نسلوں کا کوئی فرق و امتیاز نہیں ہے۔ جس طرح ایک باپ کی متعدد اولاد سب کی سب اوسکے مراحم و الطاف کی مستحق ہوتی ہے اور وہ سب کو ایک آنکھ سے دیکھتا اور سب کی بہبودی اور بھلائی کا خیال کرتا ہے اس سے زیادہ وہ تمام انسانوں کا خیال رکھنے والا اور سب کی انتہائی بہبود کا چاہنے والا ہے اس لئے اس خالق الکل رب العلمین کا بنایا ہوا انسانی نظام ہی ہر خاص و عام اور ہر فرد و جماعت کے لئے مفید اور کارآمد اور انتہائی منفعت کا کفیل ہوسکتا ہے نہ کہ انسانوں کا خود ساختہ نظام۔

وہ خدائی نظام یقیناً ہر قسم کے غل و غش اور تمام آلائشوں سے پاک ہوگا۔ اس میں اغراض پرستی اور دوسروں کی اہانت و تذلیل وغیرہ کا شائبہ بھی نہ ہوگا اور اسی کے نظام میں حقیقی جمہوریت و شورائیت پائی جاتی ہے۔ اس میں ہر فرد انسانی سے وہ محبت و الفت بھری ہوگی جو کہ ان کے ماں باپ اور عزیز و اقارب میں بھی نہیں پائی جاتی اس میں کسی سے دشمنی، رقابت وغیرہ نہ ہوگی اس میں اچھوت، برہمن اور شودر، سید اور شیخ، بڑی ذات چھوٹی ذات وغیرہ کی کوئی تمیز نہ ہوگی ہاں فرق صرف اس قدر ضرور ہوگا کہ نظام میں داخل ہونے والے مطیع و فرمانبردار مستحق اعزاز و اکرام اور نظام سے گریز کرنے والے باغی و نافرمان اور مستحق اہانت و تذلیل قرار دیئے جائیں گے خواہ وہ کسی نسل اور قوم سے تعلق رکھنے والے ہوں۔ اور کسی ملک کے باشندے اور کسی رنگت کے آدمی ہوں۔ اسمیں کسی شخص یا جماعت یا قوم پر ظلم و تعدی کو گوارا نہ کیا جائے گا۔ ان اللہ لا یحب الظلمین ومن یظلم منکم نذقہ عذابا کبیرا اس کے تمام قوانین اور اصول رحمت و شفقت سے پر ہوں گے۔ اور حقیقی عروج و ترقی کی روح اس میں کارفرما ہوگی۔ اس میں عام امن و امان عدل و حقوق، فضل و احسان کوٹ کوٹ کر بھرا ہوگا۔ اور وہی سب کا طرفدار اور

پرسان حال ہوگا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ الحدیث اس میں روحانی تربیت، اخلاقی ترقیات، خالق ومخلوق کے تعلقات، مخلوقات میں آپس کے تعلقات، سب کے مراتب کا لحاظ وغیرہ کامل درجہ کا ہوگا۔ انسانوں کا بنایا ہوا نظام خواہ شخصی ہو یا جماعتی خواہ فوجی ہو یا سیاسی ــ اقتصادی ہو یا تجارتی، خواہ حکماء اور فلاسفہ کا بنایا ہوا ہو یا ارباب سیاست وحکومت کا، اگر خداوندی نظام کے زیرسایہ نہ ہوگا اور اس کی روشنی سے اس میں استفادہ نہ کیا گیا ہوگا تو یقیناً اس میں ہرجگہ خودغرضی اور ایسی خامیاں ہوں گی جن سے ہرقسم کے فتنہ وفساد ظلم وعناد، ہلاکت اور بربادی کا نشوونما ہوگا خواہ وہ نازی ازم ہو یا بالشویزم نیشنل ازم ہو یا سوشل ازم، فیسی ازم ہو یا اور کوئی ازم۔

میرے محترم بزرگو! آج اسلام ازم ہی وہ خداوندی نظام ہے کہ جس میں حقیقی جمہوریت اور سچی آمریت کو باحسن وجوہ جمع کردیا گیا ہے اور جس میں ہر ہر فرد بشر کے ساتھ انصاف وعدالت کی تاکید کی گئی ہے:

واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل (سورۃ نساء)

اور جب فیصلہ کرنے لگو لوگوں میں تو فیصلہ کرو انصاف سے۔

اس کا طرۂ امتیاز ہے:

یایھا الذین امنوا کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط ولا یجرمنکم شنان قوم علیٰ ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی (مائدہ ۲۷)

اے ایمان والو! کھڑے ہوجایا کرو اللہ کے واسطے گواہی دینے کو انصاف کی اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو۔ عدل کرو یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے۔

اس کا عادلانہ اور مساویانہ قانون ہے۔

آیت اولیٰ میں عدل وانصاف کا ارشاد تمام انسانوں کے لئے کیا گیا ہے خصوصیت مسلم یا مومن کی نہیں ہے، اسی طرح دوسری آیت میں نہایت زور سے حکم کیا گیا ہے کہ کسی قوم کو دشمنی کی حالت میں بھی عدل وانصاف کو نہ چھوڑنا چاہیئے اور اسی طرح گواہی بھی محض اللہ کے لئے ہونی چاہیئے اور حق بات کو ہرگز نہ چھپایا جانا چاہیئے اور اعراض کا بندہ نہ ہونا چاہیئے۔

یایہا الذین اٰمنوا کونوا قوامین بالقسط شہداء للہ ولو علیٰ انفسکم اوالوالدین والاقربین ان یکن غنیا او فقیرًا فاللہ اولیٰ بہما فلا تتبعوا الھوی ان تعدلوا وان تلوا او تعرضوا فان اللہ کان بما تعملون خبیراً۔

(سورۂ نساء رکوع ۲۰)

(اے ایمان والو قائم رہو انصاف پر گواہی دو اللہ کی طرف کی اگرچہ نقصان ہو تمہارا یا ماں باپ کا یا قرابت داروں کا۔ اگر کوئی مالدار ہے یا محتاج ہے تو اللہ کا خیر خواہ تم سے زیادہ ہے۔ سو تم پیروی نہ کرو دل کی خواہش کی انصاف کرنے میں اور اگر تم زبان ملو گے یا بچا جاؤ گے تو اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے (زبان ملنا یہ کہ سچی بات تو کہی مگر زبان دبا کر اور پیچ سے کہ سننے والے کو شبہ پڑ جائے یعنی صاف صاف سچ نہ بولا اور بچا جانا یہ کہ پوری بات نہ کہی بلکہ کچھ بات کام کی رکھ لی۔ سو ان دونوں صورتوں میں گو جھوٹ تو نہیں بولا مگر بوجہ عدم اظہار حق گنہگار ہوگا۔ گواہی سچی اور صاف اور پوری دینی چاہیئے۔

ان آیات سے وہ اصول و قوانین معلوم ہوتے ہیں جن سے تمام عالم انسانی انتہائی امن و امان اور خوشحالی و فارغ البالی کی زندگی بسر کر سکے۔ بس اسی انضباط نظام کے لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے مندرجہ ذیل عہد لیا اور تمام دنیا کو یہ طریقہ بتایا۔

بایعنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم علی السمع والطاعۃ فی العسر والیسر والمنشط والمکرہ وعلیٰ اثرۃ علینا وان لا ننازع الامر اھلہ وعلیٰ ان نقول بالحق اینما کنا لا نخاف فی اللہ لومۃ لائم۔

(متفق علیہ)

ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی کہ بہر حال میں سنیں گے اور اطاعت کریں گے خواہ تنگی ہو یا فراخی، خوشی ہو یا ناخوشی یا ہم پر ترجیح دیجائے اور اس بات پر کہ اولی الامر سے امارت میں کشمکش کریں گے اور جہاں کہیں بھی ہوں حق بات کہیں گے خدا لگتی بات کہنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے

یہ وہ تعلیم ہے کہ آزادی رائے کے ساتھ ساتھ حقیقی نظامِ حکومت کامل طریقہ پر اسی طرح چل سکتا ہے اور جبر و استبداد اور خود رائی کی جڑ کھودنے کے لئے ارشاد فرمایا گیا۔

فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظاً غلیظ القلب لانفضوا من حولک فاعف عنھم واستغفر لھم وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ ان اللہ یحب المتوکلین (آل عمران ع ۱۷)

(اللہ ہی کی رحمت ہے جو تو نرم دل مل گیا ان کو اور اگر تو ہوتا تند خو سخت دل تو متفرق ہو جاتے تیرے پاس سے سو تو ان کو معاف کر اور ان کے واسطے بخشش مانگ اور ان سے مشورہ لے کام میں پھر جب قصد کر چکا تو اس کام کا تو پھر بھروسہ کر اللہ پر، اللہ کو محبت ہے توکل والوں سے)

اور متقین انعام خداوندی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

والذین استجابوا لربھم واقاموا الصلوۃ وامرھم شوریٰ بینھم ومما رزقناھم ینفقون (شوریٰ ع ۴)

اور جنہوں نے کہ حکم مانا اپنے پالنے والے (رب) کا اور قائم کیا نماز کو اور کام کرتے ہیں مشورہ سے آپس کے اور ہمارا دیا کچھ خرچ کرتے ہیں۔

ان دونوں آیتوں میں استبداد اور خود رائی سے کنارہ کشی اور مشورہ سے تمام کاموں کے انجام دینے اور نرم خوئی اور لوگوں کی غلط روی سے چشم پوشی اور حقوق رب العلمین کے ادا کرنے کی تعلیم دی گئی ہے جس سے اجتماعی طاقت کا پورا تکفل ہو سکتا ہے اور سب کے حقوق کی مکمل نگرانی ہوتی ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کو خواہ حکام ہوں یا رعایا خطاب فرماتے ہیں۔

الا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ فالامام الذی علی الناس راع وھو مسئول عن رعیتہ والرجل راع علی اھل بیتہ ومسئول عن رعیتہ والمرأۃ راعیۃ علی بیت زوجھا وولدہ وھی مسئولۃ عنھم وعبد الرجل راع علی مال سیدہ وھو مسئول عنہ الا فکلکم

خبردار ہو جاؤ تم سب کے سب راعی اور والی ہو (چونکہ ہر حاکم پر اپنے محکوم اور رعایا کی خبرگیری اور خیر خواہی اسی طرح لازم کی گئی ہے جس طرح جانور چرانے والے پر جانوروں کے مالک کی طرف سے لازم کی جاتی ہے اگر چرواہا جانوروں کی خیر خواہی اور خدمات مفیدہ کے انجام دینے میں کوتاہی کرتا ہے تو مالک کے سامنے مسئول قرار دیا جاتا ہے اسی لئے حکام

راع وکلکم مسئول عن رعیتہ (متفق علیہ)۔

کو راعی کے لفظ سے تعبیر کیا گیا) بادشاہ جو کہ لوگوں پر مقرر کیا گیا ہے راعی ہے اور اپنی رعیت سے مسئول ہے اور مرد اپنے گھرانے کے لوگوں کا راعی ہے اور اپنی رعیت سے مسئول ہے اور عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کے بچوں کی راعی ہے اور اپنی رعیت سے مسئول ہے اور آدمی کا خادم اپنے مالک کے مال کا راعی ہے اور اپنی رعیت سے مسئول ہے خبردار ہو جاؤ تم سب راعی ہو اور اپنی رعیت سے مسئول ہو)

یہ وہ صحیح نظام حکومت کے اصول ہیں جن کے ہوتے ہوتے کسی حاکم کو بیدھڑک ہو کر رعایا کی خیرخواہی سے بے پرواہ ہونا یا ان کے حقوق اور مصالح کو پامال کرنا یا ان کی بہبودی سے غافل ہونا درست نہ ہو۔ ان میں بتلا دیا گیا ہے کہ مالک حقیقی کے ساتھ تم سب مسئول اور ذمہ دار ہو۔ خبردار رہو اور اس کے سوال سے ڈرو۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

ما من والی رعیۃ المسلمین فیموت وھو غاش لھم الا حرم اللہ علیہ الجنۃ (متفق علیہ)

(کوئی شخص اگر مسلمان رعایا کا والی اور حاکم بنا دیا گیا اور وہ اس حالت میں مرا کہ وہ ان کے حقوق میں خیانت کرنے والا ظالم تھا۔ تو جنت اس پر حرام ہوگی۔)

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

ما من عبد یسترعیہ اللہ رعیۃ فلم یحطھا بنصیحۃ الا لم یجد رائحۃ الجنۃ (متفق علیہ)

(کوئی بندۂ خدا ایسا نہیں ہوگا کہ اگر اس کو اللہ تعالیٰ نے کسی رعیت کا راعی اور حاکم بنایا اور اس نے ان کی نگہبانی اور حفاظت ان کی خیرخواہی کے ساتھ نہ کی تو اس کو جنت کی خوشبو بھی ملے)

یہ وہ نظام ہے جس میں ہر حاکم اور والی کو اپنی تمام رعایا خواہ اس کی قوم سے ہو یا دوسری قوم کی ہو خواہ وہ نظام اسلامی میں داخل ہو یا نہ ہو سب کی خیرخواہی اور ہمدردی کا شدید ترین حکم

دیا گیا ہے۔

ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:-

ان المقسطین عند اللہ علیٰ منابر من نور عن یمین الرحمٰن وکلتا یدیہ یمین الذین یعدلون فی حکمہم واھلیہم وما ولوا۔ (متفق علیہ)

(انصاف اور عدل کرنے والے اللہ تعالیٰ کے داہنی طرف نور کے ممبروں پر ہوں گے اور وہ لوگ ہیں جو کہ اپنے حکم میں اور اہل وعیال اور اپنی رعایا میں عدل وانصاف کرتے ہیں۔)

ایک جگہ فرماتے ہیں:-

ان شر الرعاء الحطمۃ (رواہ مسلم)

(یعنی سب سے بُرے راعی اور والی وہ بادشاہ اور حکام ہیں جو کہ لوگوں کو توڑتے ہیں یعنی رعیت پر ظلم کرتے ہیں اور ان پر رحم نہیں کرتے۔ لوگوں کے مال میں طمع کرتے اور اپنے نفسانی ارادوں کو پورا کرتے رہتے ہیں۔)

ایک جگہ فرمایا جاتا ہے:-

مامن امیر عشرۃ الا یؤتی بہ یوم القیامۃ مغلولا حتی یفک عنہ العدل او یوبقہ الجور۔ (دارمی)

اگر دس آدمیوں پر بھی کوئی امیر ہوگا تو وہ قیامت کے دن ہتھکڑی بند لایا جائے گا اور جب تک کہ اس کا عدل اس کو کھول نہ دے یا اس کا ظلم ہلاکت میں نہ ڈال دے اسی طرح رہے گا)

ایک جگہ ارشاد ہے:-

الا من ظلم معاھدا او انتقصہ او کلفہ فوق طاقتہ او اخذ منہ شیئا بغیر طیب نفس فانا حجیجہ یوم القیٰمۃ (ابوداؤد)

کسی غیر مسلم رعیت پر اگر کسی نے ظلم کیا یا اس کی توہین کی یا اس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف دی یا اس سے کچھ بغیر اس کی خوشی کے لے لیا تو میں قیامت کے دن اس کی طرف سے جھگڑا کروں گا۔

ارشاد فرمایا جاتا ہے۔

من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنة وان ريحها توجد من مسيرة اربعين خريفا۔ (البخاری)

جس نے کسی غیر مسلم رعیت کو قتل کر دیا تو اس کو جنت کی خوشبو بھی نہ ملے گی حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس برس کی دوری تک جاتی ہے یعنی جنت کے قریب بھی نہ جا سکے گا۔ داخل ہونا تو درکنار۔

یہ نظام اور اصول رعایا پروری اور ان میں عدل و انصاف کے ہیں جن میں مسلم، غیر مسلم، چھوٹے بڑے، مرد اور عورت، ہم قوم، غیر قوم، دیسی، پردیسی وغیرہ وغیرہ سب کے ساتھ مساوات و عدالت کا ارشاد کیا گیا ہے۔

ایک جگہ فرماتے ہیں۔

ان الله يعذب الذين يعذبون الناس فى الدنيا (مسلم)

جو لوگ آدمیوں کو دنیا میں عذاب دیتے اور ستاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دے گا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

الراحمون يرحمهم الرحمٰن ارحموا من فى الارض يرحمكم من فى السماء (ترمذی و ابوداؤد)

جو لوگ رحم کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کرتا ہے۔ تم زمین کے بسنے والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

ایک جگہ ارشاد ہے۔

لا يرحم الله من لا يرحم الناس (متفق علیہ)

خدا تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

الخلق عيال الله فاحب الخلق الى الله احسن الى عياله (البیہقی)

مخلوق خداوند کریم کی بمنزلہ عیال ہے تو جو شخص اللہ تعالیٰ کے عیال پر احسان کرے گا وہ خدا کے یہاں سب سے زیادہ محبوب ہوگا۔

ان روایات صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ خداوند کریم کی تمام مخلوق اور بالخصوص تمام انسانوں

کے ساتھ بھلائی اور ان پر رحمت و شفقت اور ان کی بہبودی اور خیر خواہی کرنا ضروری ہے۔

قرآن شریف میں فرمایا جاتا ہے:۔

ولا یجرمنکم شنآن قوم ان صدوکم
عن المسجد الحرام ان تعتدوا وتعاونوا
علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی
الاثم والعدوان واتقوا اللہ ان
اللہ شدید العقاب۔
(مائدہ ع ۱)

(اس قوم کی دشمنی جو کہ تم کو مسجد الحرام سے
روکتی تھی اس کی باعث نہ ہو کہ تم ان پر زیادتی
کرنے لگو اور آپس میں ایک دوسرے کے نیک
کام اور پرہیزگاری پر مدد کرو اور گناہ اور
ظلم پر مدد نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے
رہو اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے)

دوسری آیت میں فرماتے ہیں:۔

یا ایھا الذین امنوا لا یسخر قوم
من قوم عسی ان یکونوا خیراً منھم ولا
نساء من نساء عسی ان یکن خیراً منھن
ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا
بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان
ومن لم یتب فاولئک ھم الظالمون
(حجرات ع ۲)

(اے ایمان والو! ٹھٹھا اور استہزاء نہ کرے ایک
قوم دوسری قوم سے شاید وہ بہتر ہوں ان سے
اور نہ عورتیں دوسری عورتوں سے شاید وہ بہتر
ہوں ان سے اور عیب نہ لگاؤ ایک دوسرے
کو اور نام نہ ڈالو چڑانے کو ایک دوسرے کے
برا نام ہے گنہگاری ایمان کے بعد اور جو کوئی
توبہ نہ کرے تو وہی ہے بے انصاف)

اگلی آیت میں ارشاد ہے:۔

یا ایھا الذین امنوا اجتنبوا کثیراً من
الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا
ولا یغتب بعضکم بعضاً ایحب احدکم
ان یاکل لحم اخیہ میتاً فکرھتموہ واتقوا اللہ ان
اللہ تواب رحیم (حجرات)

اے ایمان والو! بچتے رہو بہت تہمتیں کرنے سے یقیناً
بعض تہمت گناہ ہے اور بھید نہ ٹٹولو کسی کا
اور پیٹھ پیچھے برا نہ کہو ایک دوسرے کو بھلا
پسند آتا ہے کسی کو کہ کھاوے گوشت اپنے
مردہ بھائی کا؟ حالانکہ اس سے تم کو گھن آتی ہے
اور ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ
معاف کرنے والا مہربان ہے۔

اِن اصول اور قوانین بین الاقوامی میں بہت سے وہ اصول ذکر کئے گئے ہیں جن سے حقیقی امن اور رفاہِ عام قائم ہوتا ہے اور ان جھوٹے پروپیگنڈوں اور ناشائستہ کارروائیوں کی جڑ کٹتی ہے جنہوں نے انسانی دنیا کو ہلاکت کے گھاٹ تک پہونچا دیا ہے۔ ہم نے اسلام کے اصول اور قوانین میں سے بطور مشتے نمونہ از خروارے چند اصول اس مختصر میں پیش کئے ہیں۔ اگر ہم جملہ امور کے پیش کریں تو بہت ضخیم کتاب ہو جائے۔ قرآن اور حدیث اور فقہ ان سے بھرا ہوا ہے ہم کو ان کا استیعاب یہاں منظور نہیں ہے اس لئے کہ اس مختصر وقت میں ہم کو اور بھی دوسرے اہم امور پیش کرنے ہیں۔ ان اصول نے صاف طور پر یہ بھی روشن کر دیا ہے کہ کوئی امیر اور سلطان نہ مطلق العنان ہے اور نہ صرف اپنے خاندان یا کسی پارٹی کا نمائندہ ہے اور نہ کسی استبدادی آمریت کا مالک ہے بلکہ وہ خداوند کریم کا نائب اور خدائی قانون کو نافذ کرنے والا حاکم ہے اور اسی کے قانون کے ماتحت جوابدہ اور مسئول ہے۔

قل اللھم مالک الملک توتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء و تعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شئ قدیر۔

(تو کہہ اے اللہ مالک سلطنت کے تو سلطنت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور سلطنت چھین لیتا ہے جس سے چاہتا ہے اور عزت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ذلیل کرتا ہے جس کو چاہتا ہے تیرے ہاتھ میں سب خوبی ہے تو ہر چیز پر قادر ہے)

اِس پر فرض اور لازم ہے کہ تمام رعایا کی خبرگیری اور بہبودی کا خیال رکھے۔ اگر کسی قسم کی کوتاہی اس میں کرے گا تو وہ اور اس کے معاونین سب کے سب مالک حقیقی کے سامنے جوابدہ اور مستحق سزا ہوں گے۔ سب کے ساتھ انصاف کرے اور سب پر رحم اور شفقت کرے۔ سب کا خیال رکھے۔ کسی کی توہین اور تذلیل نہ کرے ہاں جو شخص نظام خداوندی سے بغاوت اور سرتابی کرے اس کو بغیر تعدی اور بغیر نفسانیت کے جرم کے موافق سزا دے کر اس کی اور دوسری کی اصلاح کرے۔ یہی وہ حقیقی اور کارآمد نظام ہے جو دنیائے انسانی کو تمام ذلتوں کے گڑھے سے نکالنے والا اور ہر قسم کی عزت کی چوٹیوں پر پہنچانے والا ہے اور تمام جمہور اور افرادِ انسانی کی سچی پرورش کا کفیل بھی ہے اسی نظام خداوندی کو لے کر تمام انبیاؑ اور

پیغمبر (علیہم السلام) آتے رہے۔

شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ (الآیۃ)

شروع کیا تمہارے واسطے اسی دین کو جو کہ کہہ دیا تھا نوح کو اور حکم بھیجا ہم نے تیری طرف اور وہ جو کہہ دیا ہم نے ابراہیم کو اور موسیٰ اور عیسیٰ کو (الخ)

مگر جب لوگوں نے اس میں اپنی نفسانی خواہشوں اور اغراض اور مظالم و تعدی کو داخل کرکے بدل ڈالا اور دنیا سے انسانی کو بربادی اور فلاکت کے گڑھوں میں دھکیل دیا تو دوسرے انبیاء بھیجے گئے خودسر اور باغی قوموں کو برباد کیا گیا اور اطاعت شعار اور ماننے والوں کو عزت اور حکومت بخشی گئی۔ عیسائیوں کے پاس بھی ایسا ہی نظام تھا انہوں نے اس کو جب تک مضبوطی سے پکڑے رکھا ان کا بول بالا رہا اور ان کے مخالف ذلیل و خوار رہے۔

وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ (آل عمران ۲ع)

(اور رکھوں گا تیرے تابعداروں کو منکروں کے اوپر قیامت کے دن تک)

مگر جب انہوں نے اسکو چھوڑ دیا تو ان سے امن وامان، عزت و رفاہیت کا فور ہو کر مسلمانوں کے پاس آگئی جو کہ حقیقتہً حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور تمام گزشتہ پیغمبروں کے تابعدار تھے۔

ومن الذین قالوا انا نصاریٰ اخذنا میثاقہم فنسوا حظا مما ذکروا بہ فاغرینا بینہم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیامۃ وسوف ینبئہم اللہ بما کانوا یصنعون

(المائدہ ۳ رکوع ۴ع)

اور وہ جو کہتے ہیں اپنے آپ کو نصاریٰ ان سے بھی لیا تھا ہم نے ان کا عہد پھر بھول گئے وہ ایک فائدہ لینا اس نصیحت سے جو ان کو کی تھی پھر ہم نے لگادی آپس میں دشمنی اور کینہ قیامت کے دن تک اور آخر جتادے گا اللہ ان کو جو کچھ کرتے تھے۔

کانت بنوا سرائیل تسوسہم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ

(بنی اسرائیل میں تمام سیاسی نظام انبیاء کے ہاتھ میں تھا۔ جب ایک پیغمبر وفات پاجاتا تھا۔ دوسرا

نبی وانہ لانبی بعدی سیکون خلفاء فیکثرون قالوا فما تامرنا قال فوابیعۃ الاول فالاول اعطوھم حقھم فان اللہ سائلھم عما استرعاھم۔

(متفق علیہ)

پیغمبر اس کی جگہ قائم مقام ہو جاتا تھا مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے میرے بعد میرے خلفاء ہوں گے اور بہت سے ہوں گے لوگوں نے پوچھا پھر ہم کو آپ کیا حکم کرتے ہیں۔ فرمایا ترتیب وار ہر ایک کے عہد کو پورا کرو تم ان کے حق کو ادا کرو۔ ان سے اللہ تعالےٰ رعیت کے حقوق کا سوال کرے گا۔)

پس سب سے آخر میں اسی نظام خداوندی کو مکمل طور پر لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آئے جو کہ نہایت واضح اور صاف طور پر موجود ہے اور وہی عالم انسانی کے لئے ہر قسم کی بہبودی کا (خواہ روحانی ہو یا مادی، اخروی ہو یا دنیاوی، شخصی ہو یا جماعتی، سیاسی ہو یا اقتصادی بین الاقوامی ہو یا ایک ہی قوم کا) کفیل اور ضامن ہے:۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا

(سورہ مائدہ رکوع ۱)

(آج میں پورا دے چکا تم کو دین تمہارا اور پورا کیا میں نے تم پر احسان اپنا اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے دین مسلمانی)

دوسرے مذاہب اگرچہ آسمانی ہونے کے دعویدار ہیں مگر ان میں اس قدر تحریف اور تبدیل اور خود غرضی کے قوانین اور نفسانی چیزیں داخل ہو گئی ہیں کہ ان میں اصلی احکام کا پتہ چلانا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ بہت سی چیزیں ضائع کر دی گئی ہیں اور بہت سی ان میں داخل کر دی گئی ہیں۔

بہر حال آج ہم تمام دنیا کے انسانی کو دعوت دیتے ہیں کہ اگر وہ امن عام اور کار آمد ترقی اور حقیقی رفاہیت اور خوشحالی چاہتے ہیں تو صرف اسلامی نظام میں ہی پا سکتے ہیں۔ بالشویزم یا نازی ازم یا یورپ کا نیشنلزم، ڈیموکریسی یا اور کوئی نظام جو کہ انسانی عقل و دماغ کا اختراع کیا ہوا ہے ہرگز اس کی کفالت نہیں کر سکتا نہ اس میں رب العلمین کے حقوق کی کفالت ہے نہ مخلوقات اور اقوام و افراد انسانی کے حقوق کی۔

محترم بزرگو! کوئی نظام کیسا بھی اعلیٰ کیوں نہ ہو جب تک اس پر مضبوطی سے عمل نہ کیا

جائے اس وقت اس کے ثمرات و فوائد حاصل نہیں ہو سکتے متقدین اُمتِ محمدیہ نے اس نظام کو نہایت مضبوطی سے پکڑا تو اعلےٰ درجہ کے کامیاب ہوتے۔

وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصلحٰت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیئًا (سورہ نور ع ۷)

وعدہ کیا اللہ تعالےٰ نے کہ جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کئے ضرور ان کو حاکم کرے گا ملک میں جیسا کہ اُن سے اگلوں کو حاکم کیا تھا اور جما دے گا ان کے اس دین کو جس کو پسند کیا ہے اور ان کو ان کے ڈر کے بدلے امن دے گا میری بندگی کریں گے اور میرا شریک کوئی نہ کریں گے۔

حسب وعدہ ان کو وہ کامیابی حاصل ہوئی جس کی نظیر دکھلانے سے تاریخ کے صفحات عاجز ہیں۔ مگر افسوس کہ قرون اخیرہ میں ہم اس مکمل نظام پر عمل کرنے سے قاصر رہے۔ اسی کی وجہ سے امت محمدیہ فلاکتوں میں مبتلا ہو گئی۔

ذلک بان اللہ لم یک مغیرًا نعمۃ انعمھا علےٰ قوم حتی یغیروا ما بانفسھم
(انفال ع ۸)

(یہ اس وجہ سے ہوا کہ اللہ بدلنے والا نہیں ہے اس نعمت کو جو دی تھی اس نے کسی قوم کو جب تک وہ نہ بدل دیں اپنے دلوں کی بات کو یعنی جب تک وہ اپنے اعتقاد اور نیت نہ بدلیں اس وقت تک اللہ تعالےٰ کی بخشی ہوئی نعمت نہیں چھینی جاتی)

اس لئے نہایت ضروری ہے کہ اس نظام خداوندی کو مضبوطی سے قائم کیا جائے اور اس پر عمل درآمد ہونے کی پوری جدوجہد کی جائے۔ ہر فرد و بشر کو اس کی طرف بلایا جائے اور ہر مسلمان اس کا عامل ہو۔

جمعیۃ علمائے ہند کی جدوجہد آزادی

آپ کو تاریخ کے صفحات دیکھنے بالخصوص علمائے ہند کا شاندار ماضی" کے دیکھنے سے پتہ چل جائے گا کہ علماء ہند نے ہمیشہ سے اسی مقصد کی تکمیل کے لئے کوشش کی ہے (حالانکہ

شاندار ماضی میں ان کی جدوجہد کے سمندر میں سے چند قطرے ہی دکھائے گئے ہیں ۔ مگر وائے بدقسمتی کہ باوجود انتہائی جدوجہد اور بے شمار قربانیوں کے اصل مقصد حاصل نہ ہوسکا تب موجودہ احوال اور گردوپیش کی انتہائی مشکلات سے جو کہ داخلی اور خارجی بیحد و بے شمار ہیں ضروری معلوم ہوا کہ اہون البلیتین کو اختیار کیا جائے اور ہندوستان کی آزادی کے لئے مشترکہ جدوجہد میں حصہ لیا جائے —— اہون البلیتین کو اختیار کرنا شرعی اصول ہے اور ہر زمانہ میں معمول بہ رہا ہے اور اگرچہ مشترکہ جدوجہد سے حاصل ہونے والی آزادی نظام اسلامی نہ کہلا سکیگی تاہم بہت سی مشکلات اور سخت موانع کے رفع ہو جانے سے حقیقی نصب العین کے لئے راستہ کھل جائے گا ۔

جمعیۃ علماء کی ضرورت

میرے بزرگو! جب کہ مسلمانوں کے لئے خصوصاً اور تمام دنیا کے لئے عموماً کوئی نظام مکمل طریقہ پر سوائے نظامِ اسلامی کے کامیابی کا منہ نہیں دکھا سکتا تو ضروری ہے کہ مسلمانوں کو بالخصوص اسی نظام کی روشنی میں چلایا جائے اور ان کی اسی کے ماتحت رہنمائی کی جائے بغیر اس کے نہ وہ خوشنودی خداوندی حاصل کر سکتے ہیں اور نہ خدا کی نعمتوں سے خواہ وہ مادی ہوں یا معنوی مستفید ہو سکتے ہیں ۔ وہ جس قدر بھی اس سے دور ہوں گے اسی قدر ان کو فلاکت و ذلت کا سامنا ہوگا اور دنیا اور آخرت میں محروم ہوں گے ۔ اسی ضرورت کی بنا پر جمعیۃ علماء قائم کی گئی کیونکہ جماعت بجز اس جماعت اور اس کے نظام کے مسلمان کو ان کی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچا سکتی اور اسی بنا پر اس کا قائم رہنا ہمیشہ کیلئے ضروری ہے اور اگر ہندوستان میں خالص مسلمانوں کی حکومت بھی قائم ہو جاتے جب بھی جمعیۃ العلماء کا وجود ناگزیر اور ضروری ہے ۔

جمعیۃ العلماء ہند کیا ہے ؟

جمعیۃ علماء ہند مسلمانانِ ہندوستان کی وہ جماعت ہے جو مسلمانوں کی رہنمائی مسلمانوں کی تمام ضروریات میں شریعت کی روشنی میں کرتی ہے اس کے دستور اساسی دیکھنے والے اور اس کے اغراض و مقاصد پر مطلع ہونے والے بخوبی جانتے ہیں کہ وہ ہندوستان کے مسلمانوں کی تمام ضروری خدمات کو انجام دینے والی جماعت ہے اس کے ریکارڈ سے بخوبی عیاں ہے کہ اس نے مسلمانوں کی مذہبی اور ملی اقتصادی اور سیاسی اور جملہ دیگر امور میں ہمیشہ بروقت رہنمائی کی اور دیگر خدمات انجام دی ہیں ۔ (دیکھو "تذکرہ" مصنفہ مولانا سجاد صاحب مرحوم) (مخالفین کا یہ پروپیگنڈا کہ جمعیۃ کانگریس کی آلہ کار

ہے بالکل غلط اور افترا۔ اور ناقابلِ التفات ہے۔)

اب ہم چند ضروری اور اہم چیزیں واقعات حالیہ ملکیہ کے متعلق عرض کر دینا چاہتے ہیں۔

موجودہ جنگ کے متعلق جمعیۃ علماء کی رائے اور پالیسی

حضرات! ستمبر ۱۹۳۹ء سے قدرت جس ہولناک تصادم کا تماشا کر رہی ہے وہ اگرچہ ہندوستان سے بہت دور تھا اور وہ اس کے مفادات سے صرف اسی قدر متعلق تھا کہ ہندوستان کو اس کی آزاد مرضی، آزاد پسند اور آزاد رائے سے محروم رکھنے والے آقا اس تصادم میں اپنی شہنشاہیت، اپنا سیادت و اقتدار، اپنی تجارت، اپنی قومی زندگی اور امپیریل اغراض کی بازی لگا چکے ہیں۔ چنانچہ ہندوستان کی طرف سے بھی جنگ کا اعلان کر دیا گیا اور باوجود یہ کہ برطانوی شہنشاہیت کے تمام ملکوں کو کسی بیرونی مداخلت کے بغیر اپنی مرضی سے اس جنگ کے متعلق اپنے اپنے طرزِ عمل کا فیصلہ کرنے کے لئے موقع بہم پہونچایا گیا لیکن ہندوستان کو ٹھیک اس وقت اس کی آزاد مرضی اور آزادانہ انتخاب کے حق سے محروم رکھا گیا جب کہ برطانوی مدبرین خود ہندوستان اور تمام دنیا کو یہ یقین دلانے میں مصروف تھے کہ برطانوی حکومت کی ان فیاضیوں کے طفیل ہندوستانی بہت جلد مگر ایک غیر معین مدت میں اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے والے ہیں۔ جنگ کے ان اولین لمحات میں برطانیہ کے اس طرزِ عمل نے واضح کر دیا تھا کہ جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے برطانوی شہنشاہیت اپنی روایتی خصوصیات کے ساتھ زندہ ہے اور ہندوستان کے قومی حق اور مطالبہ کی طرف اس کا رویہ قطعاً غیر اطمینان بخش ہے اس تمام صورتِ حال کے ساتھ جمعیۃ علماء ہند نے جنگ کے متعلق فیصلہ کرتے ہوئے اس مذہبی تصور کو بھی پیشِ نظر رکھا جو اس کی تمام سیاسی سرگرمیوں میں بنیادی اہمیت کا مالک رہا ہے اسلام نے صرف خاص حالات میں اور خاص خاص شرائط کے ساتھ اجتماعی مقاصد کے لئے جنگ کی اجازت دی ہے اگر کسی جد و جہد کے نتیجہ میں خدا کی ایک فرمانبردار ملت کو دنیا کے کسی حصہ میں خدائی احکام کے مطابق یا اس سے قریب تر کوئی اجتماعی نظام قائم کرنے کے مواقع حاصل کرنے ہوں تو اس کو اسلام کی تائید حاصل ہو سکتی ہے اور صرف اسی جد و جہد کو اسلام نے جہاد فی سبیل اللہ اور قتال فی سبیل اللہ قرار دیا ہے۔ اس کے برعکس اگر کسی جنگ کا نتیجہ ایسی صورت میں ظاہر ہو سکتا ہے

حق کی راہ میں مزید مشکلات پیدا ہو جائیں اور حق پرستوں کی پابندی اور مجبوریوں میں مزید اضافہ ہو جاتے تو اسلام کی شرعی زبان میں اس کو محض قتال فی سبیل الطاغوت ہی کہا گیا ہے۔ اس لئے جس وقت موجودہ جنگ کے سطحی مقاصد کا اعلان کیا گیا تو جمعیۃ علماء نے مذہبی اور سیاسی نقطۂ نظر سے ان کا جائزہ لیا اور اکتوبر ۱۹۳۹ء میں ایک مفصل تجویز کے ذریعہ پوری جرأت اور بے باکی کے ساتھ اپنے دو ٹوک فیصلہ کا اعلان کر دیا۔ اور اب تک وہ مضبوطی کے ساتھ اپنے اسی محکم فیصلے پر قائم ہے۔ ستمبر ۱۹۳۹ء کے بعد سے اس وقت تک اگرچہ حالات میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں لیکن ہر جانے والی گھڑی جمعیۃ علماء کے فیصلہ کے لئے یقین و اطمینان کی بنیادیں مضبوط کرتی ہوئی جاتی ہے اور ہر آنے والا لمحہ اس کی صحت و صداقت کا ایک تازہ ثبوت لے کر آتا ہے۔

ہندوستان کے مطالبہ کا جواب اور اسکی حقیقت

حضرات! چونکہ ہندوستان کے عموماً اور مسلمانوں کے خصوصاً دینی اور دنیوی مصائب کا ازالہ اور ان کے ہر قسم کے حقوق کا تحفظ، ان کی ہر قسم کی ترقی آزادی ہی پر منحصر ہے اس لئے تمام جماعتوں اور افراد کا اولین نصب العین یہی ہونا ضروری ہے۔ ہندوستان کی آزادی کے سوال پر برطانیہ اور ہندوستان کے درمیان تقریباً ایک صدی سے کشمکش جاری ہے جو مختلف حالات اور مختلف منزلوں سے گزر کر آج ایک خاص مرحلہ پر پہنچ چکی ہے گزشتہ ایک صدی میں ہندوستان کی طرف سے جب کبھی اپنے حقوق خود اختیاری کا مطالبہ کیا گیا ہے، برطانوی مدبرین نے اس کے جواب میں صرف ایک ہی بات کہی ہے ۱۸۵۷ء کی تحریک انقلاب کے بعد ملکہ وکٹوریہ کے اعلان میں ہندوستانیوں کے قومی حق کا اعتراف کرتے ہوئے ہندوستان کی سیاسی منزل مقصود کے متعلق کہا گیا تھا۔

"جو لوازم بہ نسبت اپنی دوسری رعایا کے ہم پر واجب ہیں وہی لوازم بہ نسبت اپنی رعایائے ہند کے ہم اپنے ذمہ لازم بنائیں گے اور بفضل خدا وفاداری اور راستی کے ساتھ ہم لوازم مذکور کا لحاظ کرتے رہیں گے یعنی آسٹریلیا، کینیڈا، فجی، ماریشس، کیپ کالونی، ساؤتھ افریقہ، نیوزی لینڈ وغیرہ کی بسنے والی انگریزی رعایا اور ہندوستان کے بسنے والی رعایا کے حقوق برابر رکھے جائیں گے اور جو مراعات دوسروں کے ساتھ کی جائیں گی وہ ہندوستانیوں کے ساتھ بھی ضرور بالضرور

کی جائیں گی۔

نومبر ۱۹۱۸ء سے اکتوبر ۱۹۲۹ء تک برطانوی حکمرانوں، امراء و وزراء کی طرف سے اسی قسم کے اعلانات اور وعدوں کا اعادہ کیا جاتا رہا۔ ان تمام خوش آئند اور امید افزا وعدوں سے قطع نظر جو گزشتہ جنگِ عظیم سے پہلے ہندوستان کے سیاسی مستقبل سے متعلق کئے گئے تھے۔ خود جنگِ عظیم ہی کے دوران میں برطانوی پارلیمنٹ کی طرف سے ۲۰ اگست ۱۹۱۷ء کو اعلان کیا گیا تھا کہ :-

"حضور ملک معظم کی پالیسی جس سے حکومت ہند بالکلیہ متفق ہے یہ ہے کہ ہر انتظامی شعبہ میں ہندوستانیوں کا اضافہ ہو اور رفتہ رفتہ خود مختار جماعتوں کو اس غرض سے نشو و نما کیا جائے کہ ہندوستان میں بتدریج حکومت خود اختیاری قائم ہو جائے اور وہ سلطنت برطانیہ کا ایک جزو اعظم بنے۔"

لیکن جنگ کے بعد برطانوی وزیر اعظم نے حکومت کے تمام پچھلے وعدوں سے گریز کرتے ہوئے ۲ر اگست ۱۹۲۲ء کو دارالعوام میں اپنی تقریر کے دوران اعلان کیا کہ "اگر پہلے سے یہ بات صاف نہیں ہے تو اب میں صاف طور پر کہنا چاہتا ہوں کہ ہماری غرض اصلاحات دینے سے یہ نہیں ہے کہ انجام کار ہم اپنی امانت سے بالکل دست بردار ہو جائیں۔"

آپ نے کہا کہ :-

"میرے نزدیک کوئی زمانہ ایسا نہ ہوگا کہ ان کا کام انگریزی عہدہ داروں کی ایک تھوڑی تعداد کے بغیر چل سکے گا۔"

پھر اس کے بعد ۲۰ر جولائی ۱۹۲۸ء کو مسٹر ریمزے میکڈانلڈ [RAMSAY McDONALD] نے اپنی تقریر میں فرمایا:—

"مجھے امید ہے کہ چند سال کے اندر نہیں بلکہ صرف چند ماہ کے اندر ہی ہماری دولت مشترکہ کی اقوام میں ایک نئی نوآبادی کا اضافہ ہوگا۔ یعنی ایک دوسری نسل کی نوآبادی کا جو دولت مشترکہ میں مساویانہ حیثیت سے حفظ نفس رکھتی ہوئی

میری مراد ہندوستان سے ہے۔"

پھر، نومبر ۱۹۲۹ء کو مسٹر بالڈون [MR. BALDWIN] نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:-

" کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ جب ہندوستان کو ذمہ دار حکومت مل جائے گی تو درجہ نوآبادیات کیا ہوگا۔ انتقال اختیارات کی یہ تاریخ قریب ہو یا بعید لیکن کسی شخص کے دماغ میں یہ تصور نہیں آ سکتا کہ خود مختار ہندوستان کا درجہ کسی طرح کمتر ہوگا کوئی ہندوستانی اس خیال کو دل میں نہیں لا سکتا اور ہم بھی اس کو پسند نہیں کر سکتے کہ ہندوستان کمتر درجہ سے مطمئن ہو جائے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم ہندوستان کے مشن میں ناکام رہے۔"

لارڈ ولنگڈن [LORD WILLINGDON] نے ۲۸ اگست ۱۹۳۳ء میں فرمایا:-

" حکومت کی پالیسی میں ان دو حقائق سے کلی تطابق موجود ہے کہ ہندوستان کو جلد سے جلد اصلاحات جتنے بھی دیے جا سکیں دیدیے جائیں تاکہ اسے درجہ نوآبادیات اور دوسری نوآبادیات کے ساتھ مساوی حیثیت حاصل کرنے میں مدد ملے اور دوسرے ملکوں کی طرح اپنے قانون کا اجرار و نفاذ اور احترام کر سکے۔"

دسمبر ۱۹۳۳ء میں مدارس میں ایک دوسری تقریر کے دوران میں کہا:-

" میرے ہر اقدام کا صرف ایک مقصد ہے یعنی اطمینان آفرین اور پُرامن فضا پیدا کرنا اور دستوری اصلاحات کے لئے آگے بڑھنا تاکہ ہندوستان کو سلطنت کی دوسری نوآبادیات کے ساتھ مساوی پوزیشن حاصل کرنے میں مدد دے اور یہ کام میں ہندوستان سے تعلق پیدا ہونے کے وقت ہی سے کر رہا ہوں۔"

مسٹر چرچل [SIR WINSTON CHURCHILL] نے جب کہ وہ وزیر بادیات تھے ۱۹۲۱ء میں امپیریل کانفرنس میں فرمایا تھا کہ:-

" ہندوستان اب ہمارے معاملات اور ہماری مشاورتی کونسلوں میں برابر کے شریک اور ایک طاقت ور حصہ دار کی حیثیت سے حصہ لے رہا ہے ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہندوستان نے جنگ عظیم میں ہماری کتنی زبردست امداد کی ہے اور

محاذ جنگ کے ایک حصہ کو جب کہ دنیا کے کسی گوشہ سے سپاہی لا کر اس کے پُر کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں رہا تھا کو وشاندار ہندوستانی فوجوں نے پُر کیا اور دونوں فلانڈرس کی سردی میں ٹھٹھر کر اور دشمن کی گولہ باری کا مقابلہ کرتے ہوئے قریب قریب برباد ہو گئیں۔"

پھر مسٹر چرچل نے نوآبادیات اور ہندوستان کے نمائندوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے مندرجہ ذیل الفاظ فرماتے:-

"ہم پر ہندوستان کا زبردست احسان ہے اور ہم اعتماد کے ساتھ اس وقت کا انتظار کر رہے ہیں جب کہ ہندوستان کی حکومت اور ہندوستان کے عوام مکمل طریقہ پر درجہ نوآبادیات حاصل کر لیں گے۔"

لیکن دس سال گزر جانے کے بعد مسٹر چرچل [SIR WINSTON CHURCHILL] فرماتے ہیں:-

"میں نے اس وقت لفظ درجۂ نوآبادیات رسمی مفہوم کے لئے استعمال کیا تھا۔"

ذرا غور فرمایئے کہ برطانیہ کے اعلیٰ مدبرین اور ذمہ دار اشخاص کی سچائی اور حق پرستی کہاں تک اور کیسی ہے۔ دار العوام میں جوائنٹ کمیٹی کی رپورٹ پر بحث کرتے ہوئے سر جان وارڈلا [SIR JOHN WARDLAW] قدامت پسندوں کی ہندوستانی کمیٹی کے صدر فرماتے ہیں:-

"کسی وزیر یا وائسرائے کا کوئی وعدہ قانونی جواز نہیں رکھتا۔ پارلیمنٹ جس چیز کی پابند ہے وہ صرف ۱۹۱۹ء کا آئین ہے۔"

برطانیہ کے چوٹی کے ذمہ دار عہدہ داروں کی ہمیشہ سے یہی وعدہ خلافی کی عادت ہے جس سے وہ کبھی نہیں شرماتے چنانچہ لارڈ لٹن [LORD LYTTON] نے ۳ مئی ۱۸۷۸ء میں جب کہ وہ وائسرائے تھا وزیر ہند کو مندرجہ ذیل الفاظ لکھے تھے۔

"مجھے یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ انگلستان اور ہندوستان دونوں ملکوں کی حکومتوں کے پاس اس وقت تک اس الزام کا کوئی جواب نہیں ہے کہ

انہوں نے جو وعدے کئے ان کی خلاف ورزی کرنے کے کسی ذریعہ کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ یہی وہ چیز ہے جس نے یورپ میں آگ لگادی ہے۔ چنانچہ مالک سولیوین جنگ ... اور بے چینیوں کے اسباب کی تشخیص کرتے ہوئے کہتا ہے :-

"اس کی ذمہ داری انہی وعدہ خلافیوں پر عائد ہوتی ہے"

ہندوستان برطانوی حکومت کے اسی سامراجی مزاج کا تجربہ کر رہا تھا کہ ۳ ستمبر ۱۹۳۹ء کو برطانیہ کی طرف سے جنگ کا اعلان کر دیا گیا اور جنگ عظیم کے بعد دنیا پھر ایک مرتبہ آزادی، جمہوریت اور امن کے دلفریب نعروں سے گونج اٹھی۔ جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے برطانوی ذہن کی آزمائش کا یہ نازک ترین لمحہ تھا لیکن برطانوی مدبرین نے تمام مصلحتوں اور وقت کے تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر برطانوی ذہنیت کو اپنے اصلی رنگ و روپ میں ظاہر کر دیا اور ہندوستان کو اپنے خود اختیاری فیصلہ سے محروم رکھ کر اس کی طرف سے جنگ کا اعلان کر دیا۔ ان حالات میں یہ بالکل قدرتی امر تھا۔ برطانوی پالیسی کے اس نشیب و فراز میں ہندوستان اپنی سیاسی منزل کے متعلق یقین آفرینی کا مطالبہ کرتا۔ یہ مطالبہ کیا گیا اور برطانوی مدبرین کی طرف سے اس مطالبہ کے جواب میں دور از کار بیانات کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ لیکن یہ تمام بیانات ان وعدوں سے کسی طرح مختلف نہ تھے جن کا تجربہ ہندوستان ۱۸۳۲ء کی لارڈ میکالے [LORD MACAULAY] کی تقریر سے اگست ۱۹۳۹ء کے اعلان وائسرائے ہند تک کرتا رہا۔ مسٹر چیمبرلین [MR. CHAMBERLAIN] نے برمنگھم میں تقریر کرتے ہوئے ۲۴ فروری ۱۹۴۰ء کو یہ واضح کر دیا کہ :-

"ہمارا مقصد جنگ یہ ہے کہ ہم یہ ضمانت حاصل کریں کہ یورپ کی چھوٹی قومیں آئندہ اپنی آزادی و خود مختاری کو بے جا زیادتیوں اور دھمکیوں سے بالکل محفوظ پائیں گی"

جہاں تک ہندوستان کی آزادی کا تعلق ہے اس طویل تقریر میں کہا گیا کہ :-

"برطانوی حکومت نے ۱۹۱۹ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی تمہید میں اپنی جس پالیسی کا اعلان کیا تھا۔ اور جس کے نتیجے میں ۱۹۳۵ء کا ایکٹ سامنے آیا ہے آج بھی وہی پالیسی اس کے پیش نظر ہے اس سے زیادہ برطانوی حکومت ہندوستان کے مستقبل کے متعلق کچھ نہیں کر سکتی"

ظاہر ہے کہ ہندوستان کے لئے یہ جواب اطمینان بخش نہیں تھا۔ ۱۹۱۹ء کی وہ پالیسی جس کا حوالہ مسٹر چیمبرلین [MR. CHAMBERLAIN] نے اپنی تقریر میں دیا ہے اور اس پالیسی کی وہ تشریح جو مسٹر لائڈ جارج [MR. LLOYD GEORGE] نے ۲۱ اگست ۱۹۲۲ء کو دارالعوام میں کی تھی ہندوستان کے پیش نظر تھی اور اس کی موجودگی میں یہ بالکل واضح تھا کہ برطانوی حکومت خواہ اس کی کتنی ہی پرجوش خواہش رکھتی ہو کہ ہندوستان ایک نامعلوم مدت میں دولت مشترکہ برطانیہ کی دوسری نوآبادیات کے مساوی درجہ حاصل کرے لیکن وہ ہندوستانیوں کے اس حق کو آج بھی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ وہ اپنی قسمت کے خود مالک ہوں اور دنیا کی دوسری قوموں کی طرح انہیں بھی خود اختیاری فیصلے کا حق حاصل ہو۔

بہر حال مسٹر چیمبرلین [MR. CHAMBERLAIN] کی اس تقریر کے بعد برطانوی مدبرین کے بہت سے بیانات سامنے آئے لیکن بنیادی طور پر وہ اسی پالیسی پر مبنی تھے۔ جس کا اعلان مسٹر چیمبرلین [MR. CHAMBERLAIN] نے اپنی تقریر میں کیا تھا۔ اس لئے ہندوستان کی تمام ذمہ دار جماعتوں نے برطانیہ کے اس مایوسانہ طرز عمل کے بعد اپنے لئے ایک راہ متعین کر لی اور اس کے نتیجہ میں نہ صرف ہندوستان کے گیارہ صوبوں میں سے آٹھ صوبوں کی وزارتیں مستعفی ہو گئیں بلکہ ہندوستان کی بعض ذمہ دار جماعتوں کی طرف سے مشترکہ قومی مطالبات کے لئے تحریک شروع کر دی گئی۔

اٹلانٹک کا نوشتہ

اس آئینی جمود سے ہندوستان میں خود ہندوستان اور برطانیہ کے مفادات کے لئے جو صورت حال پیدا ہو گئی تھی وہ برطانیہ کے لئے خوش آئند نہ تھی۔ اس لئے یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ برطانوی مدبرین زندگی کے اس نازک مرحلہ پر اپنے ارادوں میں صداقت اور اپنی نیتوں میں اخلاص پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔ اسی قسم کی فضا میں "اٹلانٹک چارٹر" دنیا کے سامنے آیا جس کو کمزور اور پامال قوموں کے لئے زندگی اور آزادی کے ایک دلفریب پیغام کی حیثیت سے پیش کیا گیا تھا۔

ہندوستان کی مردہ امیدوں میں پھر زندگی کی ایک لہر پیدا ہوتی اور یہ خیال کیا گیا کہ جنگ کے بعد دنیا میں زندگی، آزادی اور جمہوریت کا جو نیا نظام قائم کیا جائے گا۔ ہندوستان بھی اس نظام میں اپنا باعزت مقام حاصل کرے گا۔ لیکن ستمبر ۱۹۴۱ء کے آغاز میں دارالعوام میں تقریر کرتے ہوئے مسٹر چرچل نے واضح کر دیا کہ صدر جمہوریہ امریکہ اور برطانوی وزیر اعظم

گے اس چارٹر سے ہندوستان کو یہ توقع وابستہ نہ کرنی چاہیے کہ اسے بھی آزادی اور جمہوریت کی ان نعمتوں سے استفادہ کا کوئی موقعہ میسر آسکے گا جو جنگ کے بعد یورپ کی چھوٹی اور ناقابلِ اعتبار قوموں کے لئے عام ہوں گی۔ ان ملکوں پر اس نوشتہ کا کوئی اطلاق نہیں کیا جائے گا جو برطانوی حکومت کے سامنے جواب دہ ہیں اور ہندوستان کو اسی قسم کے ملکوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کا نوشتہ تقدیر جنگ کے بعد بھی برطانیہ کے ہی ہاتھوں میں رہے گا۔ ابھی ۲۷ نومبر ۱۹۴۱ء کو دارالعوام میں بحث کرتے ہوئے مسٹر میگگورن [MR. McGOVERN] اٹلانٹک چارٹر کے متعلق کہا تھا :-

"یہ دورِ حاضر کا سب سے بڑا دھوکہ ہے اس چارٹر کی رو سے ان قوموں کو آزادی دلائی جائے گی جنہیں ہٹلر [ADOLF HITLER] نے مغلوب کیا ہے"

ہندوستان کا ذکر کرتے ہوئے مقرر مذکور نے کہا کہ :-

"مسٹر چرچل [SIR WINSTON CHURCHILL] یہ فرما چکے ہیں کہ انہیں یقین ہو گیا ہے کہ ہندوستان کی سیاسی پارٹیوں کو درجہ نوآبادی یا ذمہ دار حکومت نہیں دی جائے گی۔ یہ سوال ایسا ہے کہ اس پر غور کیا جانا چاہیئے۔"

آزادی کی جدوجہد

محترم بزرگو! یہی مایوس کن صورتِ حال ہے جس سے آج ہم گزر رہے ہیں۔ تباہیوں اور بربادیوں کا ایک خوفناک سیلاب ہے جو دبے پاؤں مشرق و مغرب سے ہندوستان کی طرف بڑھتا چلا آرہا ہے۔ دوسری طرف برطانوی حکومت کا وہ یاس انگیز طرزِ عمل ہے جس نے ہندوستان کے احساس میں مزید تلخیاں پیدا کر دی ہیں۔ لیکن ان مایوس کن حالات میں بھی ہم اپنی تمام مجبوریوں اور لاچاریوں کے باوجود اپنے مقصد کی طرف قدم بڑھانے کو نظر انداز نہیں کر سکتے اگر تاریخ کے اس نازک ترین دور میں برطانوی شہنشاہیت کا مقام ناقابلِ تبدیل ہے اگر مصیبت و ابتلا کی اس کٹھن گھڑی میں بھی برطانوی مدبرین کی اس تاریک ذہنیت میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی۔ تو برطانیہ اور تمام دنیا کو یہ یقین کر لینا چاہیئے کہ ہم اس کی اور اپنی زندگی کی آخری گھڑی تک اپنی آزادی و خود مختاری کے نصب العین کو فراموش نہیں کر سکتے۔ ہم اس جابرانہ تصور کے سامنے سر جھکانے سے انکار کرتے ہیں جو ہمارے نصب العین سے متصادم ہے اور زندگی کی ہر اس فرصت میں جس میں ہمارے لئے اپنی

منزل کی طرف سفر کرنا ناممکن ہے ہم اپنے نصب العین کی طرف قدم بڑھاتے رہیں گے۔

سیاسی قیدیوں کی رہائی

میرے بزرگو! میں اس موقعہ پر اس تازہ صورت حال کی طرف بھی آپ حضرات کی توجہ منعطف کرانا ضروری سمجھتا ہوں جو سیاسی قیدیوں کی رہائی کے بعد سے ملک میں پیدا ہو چکی ہے۔ حالات کی موجودہ سنجیدگی کے پیش نظر اس وقت آئینی طبقہ میں یہ ایک عام رجحان پیدا ہو رہا ہے کہ موجودہ کشمکش کو وقتی طور پر ختم کر دیا جائے اور ہندوستان کے مستقبل کے متعلق برطانیہ کے وعدوں پر اعتماد کرتے ہوئے اس وقت جو کچھ بھی اس کی طرف سے پیش کیا جا رہا ہے اس کو قبول کرنے پر اکتفا کی جائے۔ پارلیمنٹری گروپ کے اسی احساس سے متاثر ہو کر حکومت نے سیاسی قیدیوں کو رہا کر کے یہ توقع قائم کی ہے کہ وہ ہندوستان کے مطالبات کی طرف کوئی حوصلہ افزا اقدام کئے بغیر اپنے موجودہ رویہ کے لئے ہندوستانی رائے عامہ کی تائید حاصل کر سکتی ہے۔ لیکن وقت کی تمام نزاکتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے جہاں تک ہندوستانی عوام کے جذبات کا تعلق ہے یہ یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہ اپنے اٹھائے ہوئے قدم کو واپس لینے کے لئے تیار نہیں ہیں اور اگر حالات کی ان تاریکیوں میں جو ہمیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں ہم زیادہ جوش اور سرگرمی کے ساتھ اپنے سفر کو جاری نہیں رکھ سکتے۔ تاہم جو قدم منزل کی طرف بڑھایا جا چکا ہے اسے بھی واپس نہیں لیا جا سکتا آزادی کی موجودہ جدوجہد میں آج ہم جس نازک اور اہم مقام پر پہنچ چکے ہیں وہاں سے ایک قدم ہٹانا بھی ہمارے لئے ناممکن ہے اگر ہم نے اپنی راہ کو چھوڑ کر کوئی دوسری راہ اختیار کرنے کی کوشش کی تو ہم ناکامیوں کے ایک عمیق غار میں گر جائیں گے اور آزادی کی وہ منزل جو اس وقت ہمارے سامنے ہے ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو جائے گی۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ حکومت نے قیدیوں کی رہائی میں جو امتیازی سلوک روا رکھا ہے وہ بھی ایک ناقابل برداشت طرز عمل ہے اور باشندگان ہند کی وطنی و ملی محبت و ہمدردی اور غیرت و حمیت کو کھلا چیلنج ہے کیا یہ کھلا ہوا ظلم نہیں ہے کہ حکومت نے بہت سے شریف و مظلوم ہندوستانیوں کو ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کی آڑ میں نظر بند کیا ہوا ہے اور ان کو جرم کو ظاہر کئے اور کھلی عدالت میں مقدمہ چلائے بغیر ان کو قید و بند کی مصیبت میں مبتلا کر رکھا ہے۔

ہندوستانیوں کا فرقہ وارانہ اختلاف

مدبرین برطانیہ ہندوستانیوں کے آپس کے اختلافات کو بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر ذکر فرما رہے ہیں اور اسی بنا پر اپنے ایفائی وعدہ آزادی اور اجراء لوازم جمہوریت سے معذوری کو ہر خاص و عام کے سامنے ظاہر کرتے ہیں حالانکہ یہ اختلاف برطانیہ ہی کا پیدا کیا ہوا ہے برطانیہ کے ہندوستان میں آنے سے پہلے ہندو اور مسلمان آپس میں نہ جھگڑتے تھے نہ ان میں منافرت تھی۔ بلکہ شاہان مغلیہ کی اتحادی پالیسیوں نے ہر طرح آپس میں تعلق و ارتباط پیدا کر دیا تھا اور یہی تربیت اسلامی چلی آتی تھی۔ جیسا کہ ہم نے اسلامی اصول پہلے ذکر کئے ہیں۔ شہنشاہ بابر نے اپنی وفات کے وقت شاہزادہ ہمایوں کو خفیہ وصیت کی تھی جس کی فارسی عبارت کا ترجمہ حسب ذیل ہے:-

"اے پسر سلطنت ہندوستان مختلف مذاہب سے پُر ہے الحمدُ للہ کہ اس نے اس کی بادشاہت تمہیں عطا فرمائی تمہیں لازم ہے کہ تمام تعصبات مذہبی کو لوح دل سے دھو ڈالو اور عدل و انصاف کرنے میں ہر مذہب و ملت کے طریق کا لحاظ رکھو جس کے بغیر تم ہندوستان کے لوگوں کے دلوں پر قبضہ نہیں کر سکتے اس ملک کی رعایا مراحم خسروانہ اور الطاف شاہانہ ہی سے مرہون منت ہوتی ہے جو قوم یا ملت حکومت کی مطیع اور فرماں بردار ہے اس کے مندر اور مزار برباد نہ کئے جائیں عدل و انصاف ایسا کرو کہ رعایا بادشاہ سے خوش رہے۔ ظلم و ستم کی نسبت احسان اور لطف کی تلوار سے اسلام زیادہ ترقی پاتا ہے شیعہ اور سنی کے جھگڑوں سے چشم پوشی کرو ورنہ اسلام کمزور ہو جائے گا جس طرح انسان کے جسم میں چار عناصر مل جل کر اتحاد و اتفاق سے کام کر رہے ہیں اسی طرح مختلف مذاہب رعایا کو ملا جلا رکھو اور ان میں اتحاد عمل پیدا کرو تاکہ جسم سلطنت مختلف امراض سے محفوظ و مامون رہے سرگذشت تیمور کو جو اتفاق و اتحاد کا مالک تھا اپنی نظر کے سامنے رکھو تاکہ نظم و نسق کے معاملات میں پورا تجربہ ہو"

روزنامہ خلافت جلد نمبر ۶۰ مورخہ ۱۸ اگست ۱۹۲۶ء از پرنسپل راجہ رام کالج (ڈاکٹر مان کرشن)

شہنشاہ اورنگ زیب مرحوم نے مندرجہ ذیل مکتوب ابوالحسن حاکم بنارس کو ۲۵ رجمادی الاول ۱۰۶۵ھ میں لکھا تھا ۔

" ہماری پاک شریعت اور سچے مذہب کی رو سے یہ ناجائز ہے کہ غیر مذہب کے قدیمی مندروں کو گرایا جائے ہماری اطلاع میں یہ بات لائی گئی ہے کہ بعض حاکم بنارس اور اس کے گردونواح کے ہندوؤں پر ظلم وستم کرتے ہیں اور ان کے مذہبی معاملات میں داخل دیتے ہیں ۔ اور ان برہمنوں کو جن کا تعلق پرانے مندروں سے ہے ان کو ان کے حقوق سے محروم کیا جاتا ہے لہٰذا یہ حکم دیا جاتا ہے کہ آئندہ کوئی شخص ہندوؤں اور برہمنوں کو کسی وجہ سے بھی تنگ نہ کرے اور نہ ان پر کسی قسم کا ظلم کرے "

(روزنامہ خلافت)

کیتان الگزنڈر ہملٹن [ALEXANDER HAMILTON] اپنے سفرنامہ جلد اصفحہ ۱۲۷ ، ۱۲۸ میں دربارہ شہر ٹھٹہ ملک سندھ لکھتا ہے :

" ریاست کا مسلمہ مذہب اسلام ہے لیکن تعداد میں اگر دس ہندو ہیں تو ایک مسلمان ہے ۔ ہندوؤں کے ساتھ رواداری پورے طور پر برتی جاتی ہے وہ اپنے برت رکھتے ہیں اور تہواروں کو اسی طرح مناتے ہیں جیسے کہ اگلے زمانہ میں کرتے تھے جب کہ بادشاہت خود ہندوؤں کی تھی وہ اپنے مردوں کو جلاتے ہیں لیکن ان کی بیویوں کو اجازت نہیں ہے کہ شوہروں کے مردوں کے ساتھ ستی ہوں "

دوسری جگہ صفحہ ۱۵۹ جلد اول میں لکھتا ہے ۔

" پارسی بھی ہیں اور وہ اپنے رسوم مذہب زردشت کے بموجب ادا کرتے ہیں عیسائیوں کو پوری اجازت ہے کہ اپنے گرجے بنائیں اور اپنے مذہب کی تبلیغ کریں اور بعض مرتبہ وہ اس میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں لیکن جو لوگ عیسائی ہو جاتے ہیں ان کے اخلاق اس شہر کے تمام لوگوں سے بدتر ہوتے ہیں "

جلد اصفحہ ۱۶۲ میں لکھتا ہے (دربارہ شہر سورت)

" اس شہر میں تخمیناً سو مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہیں لیکن ان میں

کبھی کوئی سخت جھگڑے ان کے اعتقادات وطریقہ عبادت کے متعلق نہیں ہوتے ہر ایک کو پورا اختیار ہے کہ جس طرح چاہے اپنے طریقے سے اپنے معبود کی پرستش کرے صرف اختلاف مذہب کی بنیاد پر کسی کو تکلیف دینا اور آزار پہنچانا ان لوگوں میں بالکل مفقود ہے۔"

یہ مصنف کپتان الگزنڈر ہملٹن [ALEXANDER HAMILTON] اورنگ زیب مرحوم کے زمانہ میں ہندوستان آیا تھا اور پچیس برس ہندوستان میں رہا تھا اس نے اپنا سفرنامہ دو جلدوں میں لکھا ہے وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا ملازم نہیں تھا۔ ڈبلیو ایم ٹارنس [W.M.TORRENS] (اپنی کتاب "ایشیا میں شہنشاہیت") میں لکھتا ہے:

"سیواجی کو متعصب اور سلطان ٹیپو کو کٹر مذہبی کہا جاتا ہے لیکن جس وقت ہم نے جنوبی ہند کی ریاستوں میں دخیل ہونا شروع کیا اس وقت اس کے یہاں اس قسم کے مذہبی تنفر کا کہیں نام تک نہ تھا جس طرح انگلستان اور یورپ کے تقریباً سب حصوں میں مخلوق کو تباہ کرنا روا رکھا جاتا ہے جب کہ آئرلینڈ میں کوئی رومن کیتھولک نہ اپنے بزرگوں کی جاگیر کا حقدار سمجھا جاتا تھا نہ فوج کا افسر ہو سکتا تھا جب سویڈن میں سوائے لوتھر [MARTIN LUTHER] کے معتقدین کے اور کسی عقیدہ کا کوئی ملازم نہیں ہو سکتا ٹھیک اس وقت ہندوستان کے اندر ہر شہر اور شاہی دربار میں ہندو مسلمان عزت اور سرمایہ کمانے میں اور ایک دوسرے سے بازی لے جانے میں آزاد تھے۔"

محترم بزرگو! ہندوستانیوں کے اندر انگریزی راج سے پہلے نہ یہ فرقہ وارانہ منافرت تھی نہ آپس میں عداوت اور خونریزی ہوتی تھی باوجود اختلافات عقائد و اعمال و مذاہب سب شیر وشکر ہو کر محبت اور ہمدردی کے ساتھ گزر بسر کرتے تھے ایک دوسرے کی شادی اور غمی میں شریک ہوتا تھا اور ایک دوسرے کی امداد کرتا تھا۔ حکومت کے صیغوں میں کوئی مذہبی امتیاز نہ تھا جہانگیر کے توپ خانے کا افسر اعلیٰ راجہ بکرماجیت تھا جو کہ پچاس ہزار توپچیوں کا افسر تھا اور تین ہزار توپیں اس کے زیر کمان تھیں۔ یہ راجہ بکرماجیت کھتری تھا اکبر کے زمانے میں ترقی کرتا ہوا فیلخانہ کے داروغہ مشرقی سے خدمت دیوانی اور مرتبہ امرائی کو پہنچا تھا فن سپہ گری

اور تدابیر جنگ کو خوب جانتا تھا (ترجمہ تزک جہانگیری صفحہ ۲۱)۔

اسی طرح مرہٹوں کا توپ خانہ مسلمانوں کے زیر کمان تھا حالانکہ احمد شاہ ابدالی سے لڑائی ہو رہی تھی۔ احمد شاہ ابدالی نے ان کو اپنے یہاں بلایا تو انہوں نے جواب دیا کہ نمک حلالی کے خلاف ہے۔

شاہان مغلیہ کے زمانہ میں ہندوؤں کے اعلےٰ عہدوں کی فہرست حسب ذیل ہے۔

نام عہدہ	اکبر مرحوم	جہانگیر مرحوم	شاہجہان مرحوم	اورنگ زیب مرحوم
ہفت ہزاری		۰	۰	۲
شش ہزاری	۰	۰	۰	۲
پنج ہزاری	معلوم نہیں	معلوم نہیں	معلوم نہیں	۵
چار ہزاری	"	"	"	۵
ساڑھے تین ہزاری	"	"	"	۴
تین ہزاری	"	"	"	۱۳
ڈھائی ہزاری	"	"	"	۵
دو ہزاری	"	"	"	۱۶
ڈیڑھ ہزاری	"	"	"	۲۷
ایک ہزاری	"	"	"	۱۵

(کتاب اورنگ زیب اور اس کا عہد مولفہ ظہیرالدین فاروقی بی اے علیگ بیرسٹر ایٹ لا)

سر سی پی رائے صدر بنگال مسلم فیڈریشن کانفرنس فرماتے ہیں۔

" اورنگ زیب کے عہد میں بنگال کے ہندوؤں کو منصب داری اور بڑی بڑی جاگیریں عطا کی گئیں اور بڑے بڑے زمیندار بنا دیئے گئے اورنگ زیب نے ہندوؤں کو گورنر بنایا۔ گورنر جنرل بنایا۔ وائسرائے بنایا یہاں تک کہ اس نے خالص اسلامی صوبہ افغانستان پر بھی جو نائب دارالسلطنت مقرر کیا تھا وہ ہندو راجپوت ہی تھا

(روشن مستقبل صفحہ ۲۸)

یہ حال اس بادشاہ کا ہے جس کو یورپین پروپیگنڈے میں نہایت متعصب مذہبی اور تنگدل دکھلایا گیا ہے اور جس کے ذریعہ سے ہندوستانی نوجوانوں کے دلوں میں عداوت کی آگ بھڑکائی جاتی ہے اور یہ واقعات اس زمانہ کے ہیں جب کہ اسلامی اقتدار کا آفتاب انتہائی عروج پر تھا۔

"شیر شاہ سوری مرحوم کے بیٹے عادل شاہ نے جب کہ ہاتھی پر سوار ایک ہندو عورت کو جو کہ اپنے کھلے ہوئے احاطہ میں نہا رہی تھی دیکھ کر پان کا بیڑا پھینکا تھا۔ بادشاہ مذکور نے خبر ہونے پر حکم دیا کہ عادل شاہ کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ کیا جائے اس کی بیوی ننگی کی جائے اور اس ہندو عورت کا خاوند اس کو دیکھ کر پان کا بیڑا پھینکے"۔

(روشن مستقبل صفحہ ۲۹ و ۳۰)

شہنشاہ جہانگیر اور اس کی محبوبہ نورجہاں کا قصہ جب کہ اس نے ایک ہندو مرد کو جو کہ بے خبری میں پردہ کی جگہ پر گھس آیا تھا ریوالور سے قتل کر دیا تھا مشہور و معروف ہے شہنشاہ نے نورجہاں کی مشکیں بندھوا کر قتل کا حکم بطور قصاص دے دیا تھا جس کو مولانا شبلی مرحوم نے واضح طور پر نقل کیا ہے۔

(روشن مستقبل صفحہ ۳۰)

یہ اور ایسے بہت سے واقعات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان میں انگریزی حکومت سے پہلے تمام مختلف المذاہب رعایا کے باہمی تعلقات نہایت خوشگوار تھے اور حکومت کا سلوک بھی غیر مسلم رعایا کے ساتھ اس قدر رواداری کا تھا کہ بعض واقعات میں شرعی معیار سے بھی متجاوز ہو جاتا تھا۔ ہمارا مقصود تاریخی واقعات سے اس وقت کی انتہائی رواداری دکھلانا اور یہ ثابت کرنا ہے کہ مختلف المذاہب رعایا کی باہمی تلخی اور روزانہ فسادات انگریزی حکومت کے ہی ثمرات ہیں۔

سر جان مینارڈ [SIR JOHN MAYNARD] لکھتا ہے:

"ہندو مسلمانوں کے مابین عام مخالفت برطانیہ کے عہد میں شروع ہوئی"

(روشن مستقبل از ان ہیپی انڈیا

لاجپت رائے صفحہ ۲۶۶)

مسٹر جان میلکم [SIR JOHN MALCOLM] کہتا ہے:

اس قدر وسیع سلطنت میں ہماری غیر معمولی قسم کی حکومت کی حفاظت اس امر پر منحصر ہے کہ ہماری عملداری میں جو بڑی جماعتیں ہیں ان کی عام تقسیم ہو اور پھر ہر ایک جماعت کے ٹکڑے مختلف ذاتوں اور فرقوں اور قوموں میں ہوں جب تک یہ لوگ اس طریقہ سے جدا رہیں گے اس وقت تک غالبًا کوئی بغاوت اٹھ کر ہماری قوم کے استحکام کو متزلزل نہ کر سکے گی۔

(کمپنی کے عہد کی تاریخ تعلیم انگریزی از میجر باسو
صفحہ ۱۸۷)

سر جان مینارڈ [SIR JOHN MAYNARD] لکھتا ہے (لندن کے اخبار موسومہ معاملات خارجیہ میں) یہ شخص پنجاب اگزکیٹو کونسل کا سینیر ممبر تھا۔

"ہندوستان میں خانہ جنگی کی طرف رجحان موجود ہے جس کا ایک نمونہ ہندو مسلم عناد ہے اور یہ واقعہ ہے کہ یہ رجحان نہ ہوتا تو ہماری حکومت قائم نہ ہو سکتی نہ برقرار رہ سکتی یہ بھی صحیح ہے کہ ہندو مسلمانوں کے مابین عام مخالفت برطانیہ کے عہد میں شروع ہوئی۔ برطانیہ سے پہلے بھی ظالم سلاطین گزر چکے ہیں جنہوں نے کبھی غیر مسلمین پر جزیہ لگایا اور کبھی گائے ذبح کرنے پر مجنونانہ جوش میں سزائیں دیں لیکن یہ واقعات گاہے گاہے پیش آتے تھے شجر علم کا پھل چکھنے سے پہلے عوام میں مذہبی افتراق کا احساس نہ تھا۔"

(ان ہیپی انڈیا لالہ لاجپت رائے صفحہ ۴۰۸)
ح خ (صفحہ ۵۲)

لارڈ الفنسٹن [LORD ELPHINSTONE] گورنر بمبئی ۱۴ مئی ۱۸۵۹ء میں لکھتا ہے۔

"نفاق ڈال کر حکومت کرنا رومیوں کا اصول تھا اور یہی اصول ہمارا بھی ہونا چاہیئے۔"

اسی اصول کو میجر جنرل سمتھ کے۔سی۔بی [SMITH K.C.B] لکھتا ہے جس کو پراسپرس برٹش انڈیا [PROSPEROUS BRITISH INDIA] میں ڈگبی [WILLIAM DIGBY] نے نقل کیا ہے اور اسی اصول کی تلقین کار ٹیکس ۱۸۲۸ء میں

کہتا ہے۔

مسٹر چرچل [SIR WINSTON CHURCHILL] اپنی تقریر مورخہ ۸ جون ۱۹۳۲ء میں فرماتے ہیں۔

"وزیر اعظم نے طے کر لیا ہے کہ وہ فرقہ وارانہ فیصلہ دیں گے۔ میرے نزدیک اس میں سخت خطرہ ہے۔ اگر انہوں نے جملہ جماعتوں کے خوش کرنے کی کوشش کی تو وہ کسی کو بھی خوش نہ کر سکیں گے۔ اہل روم کا اصول تھا کہ نفاق ڈال کر حکومت کرو لیکن ہم نے بالاتفاق طے کر لیا ہے کہ یہ اصول نامناسب ہے مگر اسی کے ساتھ اس اصول کو بھی اختیار نہ کرنا چاہیئے جو اس کے برعکس ہو اور وہ یہ ہے کہ رعایا کو متحد کر دیا جائے جس کا نتیجہ سلطنت سے دست کشی ہوگا۔ دراصل یہ ایک بڑا خطرہ ہے اور اندیشہ ہے کہ ہم اس بڑی غلطی میں نہ پڑ جائیں"۔

اخبار لیڈر ۱۴ جولائی ۱۹۳۲ء

حضرات! مذکورہ بالا اقتباسات سے صاف طور سے واضح ہے کہ ہندوستان بادشاہوں اور راجاؤں کے زمانہ میں افتراقات اور عام خانہ جنگی سے بالکل پاک و صاف تھا اور ان میں آپس میں اعتماد اور اتحاد و یگانگت کا دور دورہ تھا اور اسی کی بناء پر قدیم حکومتیں مستحکم اور استوار تھیں مگر مدبرین برطانیہ نے انسانیت سوز اصول اختیار کیا اور افتراق و شقاق کی آگ اس ملک میں اپنے استحکام کے لئے سلگائی اور اس کے لئے گلتے' باجا' تفرقہ انگیز پراپیگنڈا مذمتوں سے بھری ہوئی کتب ہائے تاریخ' سیاسی افتراقات فرقہ وارانہ انتخاب وغیرہ پھیلائے گئے اور آج یہ آواز اٹھائی جاتی ہے کہ ہندوستانی آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں ان میں فرقہ وارانہ اختلافات ہیں۔ یہ آپس میں متحد نہیں ہیں۔ انکا نظریہ ایک نہیں ہے اس لئے ہم اپنا قدیمی وعدہ پورا کرنے سے قاصر ہیں۔ آپ کو خود مسٹر چرچل [SIR WINSTON CHURCHILL] کے بیان سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ وہ ہندوستانیوں کے متحد ہونے کو اپنی حکومت کے زوال کا باعث سمجھتے ہیں۔ اس لئے وہ اتحاد کے مخالف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ روزانہ اس قسم کے جھگڑے اور اصول پیدا کئے جاتے ہیں جن سے اختلاف کی خلیج روز افزوں ہوتی جائے۔ فرقہ وارانہ انتخاب قائم کرنا اسی کا ایک کرشمہ ہے جب بھی کوئی آواز اتحاد کی اٹھائی جاتی ہے یا سیاسی مطالبات میں سرگرمی دکھائی جاتی ہے تو اختلافات کے نئے نئے واقعات بکثرت پیدا کر لئے جاتے ہیں یہ مدبرین برطانیہ ہی کی کارروائی نہیں ہے جس کی وجہ سے عام ہندوستانی اور بالخصوص مسلم عوام انتہائی مصائب میں برباد ہو رہے ہیں۔

برطانیہ کے چوٹی کے عہدہ دار ادھر تو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہندوستانیوں کو متحد ہونا چاہیئے اور بڑے زور سے اس کی ترغیب اور خواہش ظاہر کی جاتی ہے اور بار بار اتحاد کے وعظ سنائے جاتے ہیں اور دوسری قوموں کے سامنے ہندوستانیوں کو مجرم اور اپنے آپ کو معصوم بتایا جاتا ہے اور ہندوستانی حقوق جمہوریت کے نہ دینے میں اپنی معذوری ظاہر کی جاتی ہے اور اُدھر حالت یہ ہے کہ ڈیوائیڈ اینڈ رول کو اپنی استحکام حکومت کا ذریعہ اور نفاق ڈال کر حکومت کرنا اصل اصول قرار دیا جاتا ہے، ہندوستانی اتحاد کی انتہائی مخالفت کی جاتی ہے۔ برطانوی ملاء اعلیٰ سے ملاء سافل کو ہندوستان میں احکام (ایسی حالت میں تفرقہ اندازی کے پہونچنے ضروری ہیں اور اگر نہ بھی پہونچیں جب بھی اس قدر روشنی ان کو تفرقہ کی جدوجہد کے لئے کافی ہے۔ خلاصہ یہ کہ جو کچھ ہندوستان میں تفرقہ اور اختلاف فرقہ وارانہ ہے اسکا تمام یا اکثر حصہ برطانیہ ہی کی عنایتوں اور ریشہ دوانیوں سے پیدا ہوا ہے ؎

ہوئے تم دوست جس کے اس کا دشمن آسماں کیوں ہو

ہندوستانیوں کے سر اسکو تھوپنا سراسر بے راہی اور ظلم ہے۔

جداگانہ انتخاب

اس مختصر وقت میں اس طویل الذیل مسئلہ پر مفصل بحث کی گنجائش نہیں ہے تاہم میں بالاجمال اس قدر عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ مسئلہ مفکرین ملت کے پورے غور و توجہ کا مستحق ہے مولانا سید طفیل احمد صاحب منگلوری نے اپنے رسائل اور اخباری بیانات میں اس مسئلہ پر پوری بحث کی ہے اور اس کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ مسلمانوں کے ایک بڑے ذی بصیرت اور ماہر سیاست طبقہ کی رائے میں جداگانہ انتخاب مسلمانوں کے لئے زیادہ مضر ہے اور یہ تو یقینی ہے کہ اس کی موجودگی میں مختلف فرقوں کے درمیان آشتی اور سیاسی اور معاشرتی یگانگت اور اتفاق پیدا ہونا ناممکن ہے جو ہندوستان جیسے ملک کے لئے ناگزیر ہے جمعیۃ علماء ہند نے اس پر متعدد مجالس میں غور و بحث کر کے یہ سمجھا ہے کہ جمہوری اور نیابتی طرز حکومت کی صورت میں مخلوط انتخاب ہی پبلک کے درمیان رابطۂ مودت و اتحاد قائم رکھ سکتا ہے اور جداگانہ انتخاب ہمیشہ ہمیشہ باہمی اختلاف اور کشمکش بلکہ فتنہ و فساد پیدا کرنے کے سوا کسی مفید نتیجے پر نہیں پہنچا سکتا۔ جمعیۃ علماء نے اپنے سہارنپور والے فارمولا میں مسلم حقوق کی حفاظت کے تمام ذرائع اور شرائط محفوظ کرتے ہوئے مخلوط انتخاب قبول کرنے کی تجویز اسی نظریہ کے ماتحت رکھی تھی،

تاہم یہ امر بھی یقینی ہے کہ مسلمانوں کی کوئی جماعت یا کوئی غیر مسلم طاقت مسلمانوں کو مخلوط انتخاب قبول کرنے پر مجبور نہیں کر سکتی اور جبراً مخلوط انتخاب جاری نہیں کیا جا سکتا اس کی صورت تو یہی ہے کہ مسلمان ٹھنڈے دل سے خود مسئلہ پر غور کریں اور مخلوط اور جداگانہ انتخاب کے منافع اور مضار کا مقابلہ کر کے دیکھیں اور ان کی متعدد جماعتیں باہم تبادلہ خیالات کر کے اجتماعی طور پر فیصلہ کریں کہ ان کے لئے اب بھی اور آئندہ آئین میں بھی ان دونوں میں سے کون سا طریقہ انتخاب بہتر اور مفید ہے اور جو طریقہ مفید قرار پائے اس کو اپنے اتفاق یا اکثریت سے منظور کرنے کا اعلان کر دیں۔

مسلمان اور آئندہ آئین حکومت

ہندوستان کے داخلی مسائل میں مسلمانوں کا مسئلہ خاص اہمیت رکھتا ہے گزشتہ ایک صدی سے ہندوستان میں برطانیہ کی حکمت عملی نے مسلمانوں کو بھی ہندوستان کی اقلیتوں میں داخل کر کے ان کے متعلقہ مسائل کو اقلیتوں کے مسائل سے وابستہ کر دیا ہے۔ برطانوی سیاسیین اور مدبرین ہمیشہ مسلمانوں کو ایک سیاسی اقلیت کی صف میں شمار کرنے اور ان کے معاملے کو اقلیتوں کے معاملات میں شامل کرنے کے عادی ہو گئے ہیں اور اسی بنا پر ہندوستان کی غیر مسلم قومیں بھی ہندوستان کے سیاسی مستقبل میں مسلمانوں کے متعلقہ مسائل کے ساتھ وہی سلوک کر رہی ہیں۔ جو اقلیتوں کے مسائل کے ساتھ کرنے والی ہیں یہ خیال انگریزوں اور غیر مسلموں تک محدود نہیں رہا بلکہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود مسلمانوں کے ایک طبقہ کے دلوں میں بھی یہ احساس پیدا ہو گیا کہ وہ ہندوستان میں ایک سیاسی اقلیت ہیں اور اس وجہ سے وہ تمام اندیشے اور وسوسے اور خطرات ان کے دلوں پر چھا گئے جو ایک اقلیت کو اپنی زندگی اور انفرادیت کے متعلق اکثریت کی طرف سے پیش آتے ہیں اس میں شبہ نہیں کہ ہندوستان کی مجموعی مردم شماری میں تعداد کے لحاظ سے مسلمان بھی عددی اقلیت میں ہیں لیکن یہ بھی یقینی ہے کہ بجائے خود ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد یورپ کے کسی بڑے سے بڑے خطے کی آبادی سے کہیں زیادہ ہے نیز ہندوستان کی تعمیر میں ان کا حصہ سب سے زیادہ ہے ہندوستان میں ان کی تعداد نو اور دس کروڑ کے درمیان ہے۔ تہذیب اور ثقافت کے لحاظ سے وہ اہم خصوصیات کے مالک ہیں جغرافیائی حیثیت سے انہیں قدرتی استحکام حاصل ہے۔ ہندوستان کے گیارہ صوبوں میں سے چار میں وہ اکثریت رکھتے ہیں اور اگر صوبوں کی از سر نو تحدید اور توسیع کی جائے تو وہ تیرہ مجوزہ صوبوں میں سے چھ صوبوں میں اکثریت

حاصل کریں گے ان تمام حالات میں بھی اگر مسلمانوں کو ایک سیاسی اقلیت قرار دے کر دیگر اقلیتوں میں انہیں شامل کر دیا جائے تو اس سے زیادہ سیاسی غلطی اور کیا ہو سکتی ہے اور اس سے بڑا اور کیا فریب دنیا کو دیا جا سکتا ہے اور اگر مسلمان ابھی تک اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ ان کی زندگی بغیر برطانیہ کی سرپرستی کے قائم نہیں رہ سکتی تو مسلمانوں کی تاریخ میں اس سے زیادہ المناک کوئی دوسری مثال نہیں مل سکتی۔ مسلمان ہندوستان میں اپنی پوری مذہبی آزادی اور پوری تہذیب اور ثقافت کے ساتھ زندہ رہیں گے۔ اور کسی غیر کی غلامی قبول کرنے سے وہ عزت کے ساتھ مرجانے کو ترجیح دیں گے۔

(شعر)

هُمَا خُطَّتَا اِمَّا اِسَارٌ وَ ذِلَّةٌ   وَاِمَّا رِدًی وَالقَتلُ بِالحُرِّ اَجدَرُ

آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کا سیاسی مقام

آئندہ آزاد ہندوستان میں برطانیہ نے اپنے مقاصد میں استعمال کرنے کی غرض سے مسلمانوں کے لئے کون سا سیاسی مقام تجویز کیا ہے۔ میں اس وقت اس بحث کو چھیڑ کر تلخیوں میں اضافہ کرنا نہیں چاہتا لیکن خود ہندوستان کے سیاسی مفکرین کے سیاسی تصورات کا جہاں تک تعلق ہے انہیں تین گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک گروہ وہ ہے جو ہندوستان کے آئندہ آئین حکومت کی تشکیل اس طریق پر کرنا چاہتا ہے کہ فرقہ وارانہ اکثریت کی ایسی مستحکم مرکزی حکومت قائم ہو کہ مسلمانوں کو تمام ہندوستان میں ایک اقلیت کی جگہ ملے اور ان کی زندگی اور بقا تمام تر ایک طاقتور اور ناقابل تسخیر اکثریت کی مرضی سے وابستہ ہو لیکن یہ تصور محض ایک پریشان کن خواب ہے جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا یہ تصور اندھی سیاست ہونے کے علاوہ صائب الرائے مفکرین کے نزدیک ناقابل عمل بھی ہے اس تصور کو جس قدر جلد دماغوں سے محو کر دیا جائے اسی قدر ہندوستان کے مجموعی مفاد کے لئے بہتر اور ہندوستانیوں کے لئے مفید ہوگا۔

دوسرا گروہ وہ ہے جو پہلے گروہ کے تصور اور اس کے عواقب و نتائج سے گھبرا کر مسلمانوں کی نجات اور خوش عیشی کے لئے صرف یہ راستہ تجویز کرتا ہے کہ ہندوستان کی وحدت کو پارہ پارہ کر کے اپنا جداگانہ سیاسی منطقہ بنا کر براہ راست تاج برطانیہ کے ساتھ اپنی قسمت کو وابستہ کر دے اس گروہ نے اپنے تقسیم ہند کے مطالبہ کو تو نہایت بلند آہنگی اور شدت کے ساتھ منظر پر لانا شروع کر دیا ہے لیکن اس کے کسی پہلو پر ہلکی سی روشنی بھی نہیں ڈالی ظاہر ہے کہ

ہندوستان کے ہر صوبے میں مسلمانوں کی آبادی ان کے مذہبی مقدس شعائر، مساجد، مزارات علمی ادارے اوقاف وغیرہ اس قدر کثیر تعداد میں موجود ہیں کہ مسلمان کسی حالت میں ان کو نظر انداز نہیں کر سکتے اور تقسیم ہند کی صورت میں ان کا حشر کیا ہوگا اس پر مجوزین تقسیم بالکل خاموش ہیں اس لئے جب تک یہ نظریہ پوری تفصیل کے ساتھ روشنی میں نہ آتے اس وقت تک اس پر کوئی بحث بے سود اور بے نتیجہ ہے۔

یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ مجوزین تقسیم کے نزدیک بھی اسلامی منطقہ میں قائم ہونے والی حکومت کا دستور اساسی بھی اسلامی اور الٰہی حکومت کا دستور نہ ہوگا اس کی بنیاد بھی یوروپین طرز حکومت پر ہوگی اور اپنے تحفظ کے اطمینان ہو جانے پر اسے قبول کرنے میں بھی وہی اہون البلیتین اختیار کرنے کا اصول برتنا ہوگا۔ نیز اس نظریہ کے ماتحت ہندو منطقے اور مسلم منطقے قائم ہو جانے کی صورت میں ہندو منطقوں میں مسلمان جن کی پوزیشن زیادہ سے زیادہ ۱۴ فی صدی اور اکثری طور پر ۷ یا پانچ فی صدی ہوگی بالکل بے دست و پا اور زندہ درگور ہو جائیں گے اور مسلم منطقوں میں غیر مسلم جن کی تعداد ۴۵ فیصدی تک ہوگی مسلم حکومت کے لئے وبال جان ہوں گے۔

پس مسلم منطقے ہندو منطقوں کے تقریباً ساڑھے تین کروڑ مسلمانوں کی تباہی اور ہلاکت کی دستاویز پر خود دستخط کرکے اور اپنی جگہ ایسی حکومت جس میں غیر مسلم متعصب موثر اقلیتیں ان کیلئے وبال جان ہوں حاصل کرکے کون سی فلاح و بہبود اور اطمینان و مسرت حاصل کر سکیں گے کیا یہ غضب کچھ کم ہے کہ مسلم اقلیتوں کے مسلمانوں کی حفاظت کے لئے جو کام کیا گیا ہو وہ ایسے طرز پر کیا جائے کہ انہیں غریب بے کس مسلمانوں کی ساڑھے تین کروڑ کی تعداد ہلاک و برباد کر دی جائے اور اپنی اکثریت بھی شدید خطرات میں مبتلا ہو جائے۔

تیسرا گروہ وہ ہے جو ہندوستان کے آئندہ آئین کو وفاقی لامرکزی اصول پر مرتب کرنا ہندوستان کے لئے اور اس کے تمام صوبوں اور قوموں کے لئے مفید اور قابل عمل سمجھتا ہے وفاق میں شامل ہونے والی حکومتیں اپنی اپنی جگہ کلیۃً آزاد اور خود مختار ہوں گی مرکزی حکومت ان کی آزادی میں کوئی مداخلت نہیں کر سکیگی۔ مرکز کو صرف وہ اختیارات ملیں گے جو وفاق کے اجزا اسکو اتفاق رائے سے سپرد کریں گے اور غیر مصرحہ اختیارات صوبائی حکومتوں کو حاصل رہیں گے ہر حکومت میں اقلیتوں کے تہذیبی سیاسی، مذہبی حقوق کی حفاظت کی جائے گی اور ان کی مرضی کے موافق تحفظات دیئے جائیں گے۔ اکثریت اپنے حقوق اکثریت سے مستفید ہوگی اور اقلیتیں امن

اطمینان کی زندگی بسر کریں گے غیر مسلم اکثریت کے صوبوں میں مسلمان اقلیت کو کسی تکلیف اور بے انصافی کا خوف نہ ہوگا ان کے تمام سیاسی اور مذہبی حقوق اور مقدس شعائر بجائے خود محفوظ ہو جائیں گے اور مسلم اکثریت کے صوبوں میں غیر مسلم اقلیتیں امن و اطمینان سے زندگی بسر کریں گی اور ان کے ساتھ کوئی بے انصافی نہ کی جائے گی۔ اور ان کے تمام سیاسی اور مذہبی حقوق اور شعائر محفوظ ہو جائیں گے ہندوستان کے ذی بصیرت اصحاب رائے اس تجویز کو موجودہ ماحول میں قابل عمل اور ہندوستان کے پیچیدہ مسائل کے حل کرنے کا واحد راستہ سمجھتے ہیں آزاد مسلم کانفرنس منعقدہ دہلی کی تجویز اس رائے کی آئینہ دار ہے جس کا اجمالی خاکہ یہ ہے کہ ہندوستان کے آئندہ دستور اساسی میں مندرجہ ذیل اصول کو پیش نظر رکھا جائے۔

۱۔ مسلمانوں کے شخصی قانون (پرسنل لا) اور ان کے مذہب اور تہذیب کی حفاظت۔

۲۔ مسلمانوں کے سیاسی حقوق اور ان کی حفاظت۔

۳۔ آئندہ حکومت کی ایسی تشکیل جس میں صوبہ دار کامل خود مختاری کے ساتھ لامرکزیت کے اصول پر وفاق کے لئے ناگزیر وفاقی امور کی تشریح۔

۴۔ مسلمانوں کے اقتصادی معاشرتی تمدنی حقوق اور ملازمتوں میں تناسب کی تفصیل اور ان کے لئے تحفظات۔

جمعیۃ علمائے ہند اور آزاد مذہبی طاقت

حضرات! ہندوستان کی آزادی اور آزاد ہندوستان میں قومی حیثیت سے مسلمانوں کے لئے ایک باعزت مقام حاصل کرنے کی جدوجہد میں جمعیۃ علمائے ہند کا اولین مقصد مسلمانوں کی مذہبی آزادی اور اسلامی تہذیب و تمدن کی حفاظت ہے اس لئے جس طرح وہ آزاد ہندوستان کے آئین حکومت میں کسی ایسی چیز کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے جو مسلمانوں کی واجبی سیاسی اہمیت پر اثر انداز ہو اسی طرح وہ کوئی ایسا اصول بھی تسلیم نہیں کر سکتی جو مسلمانوں کی مذہبی تمدنی اور ثقافتی آزادی اور ترقی کے لئے سد راہ ہو سکتا ہے۔ تعمیر اس کا واحد نصب العین ہے اور اس کے لئے جن تدریجی اور ارتقائی منزلوں سے گزرنا ضروری ہے جمعیۃ علمائے ہند کو بالکل قدرتی سمجھتی ہے وہ ان ارتقائی منزلوں سے گزرتے ہوئے پوری احتیاط کے ساتھ اپنے اس مقصد کو پیش نظر رکھتی ہے کہ آنے والے حالات میں مسلمانوں کی شرعی تنظیم اور اسلامی نقطۂ نظر سے ان کی معاشرتی اصلاح و تعمیر کے لئے صحیح مقام حاصل کیا جائے۔

نظارت امور شرعیہ مستقبل کے ہندوستان میں خواہ کسی قسم کا نظام حکومت قائم کیا جائے مسلمانوں کی عام شرعی، معاشرتی، اقتصادی اور مجلسی اصلاح کے لئے جمعیۃ علماء ہند یہ ضروری خیال کرتی ہے کہ مسلمانوں کے اس قسم کے معاملات کی نگرانی کے لئے ایک نظارت شرعیہ قائم کی جائے جس کا نظام اسلامی شریعت کے مطابق ہو اور اس کے لئے یہ حق تسلیم کیا جائے کہ وہ اسلامی تعلیمات کے مطابق مسلمانوں کی مجلسی اور اقتصادی اصلاح و ترقی کے لئے قوانین بنا سکے۔ نظارت شرعیہ کے نظام کو آئین حکومت میں ایسی جگہ ملنی چاہیئے کہ وہ مشترکہ حکومت کی مداخلت سے محفوظ رہتے ہوئے اپنے پروگرام کی تنفیذ کے لئے آئینی طاقت رکھتی ہو۔

مذہبی رہنمائی کی ضرورت حضرات! یہ ایک المناک حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی عملی زندگی روز بروز اسلامی روح اور اسلامی تصور سے دور ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ان کے فکر و عمل کی بنیادیں غیر اسلامی نظریات و افکار پر قائم ہیں ان کی اجتماعی اور شخصی زندگی میں اس وقت جو عوامل کام کر رہے ہیں ان کو اسلام اور اس کی تعلیمات سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے اور اس طرح ہم مسلمان بجائے خود اسلام اور مسلمانوں کی ترقی کی راہ میں ایک زبردست رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ میرا یہ عقیدہ ہے کہ اسلام اور اس کی روح سے یہ بے نیازی ہی مسلمانوں کی تمام اجتماعی اور انفرادی مشکلات کا واحد سبب ہے۔ اور جب تک ہم اپنے آپ کو اسلام کے دامن سے وابستہ نہیں کریں گے اس وقت تک ہماری مشکلات کا یہ تاریک دور ختم نہیں ہو سکے گا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا۔

لا یصلح آخر ھذہ الامۃ الا ما صلح بہ اولھا۔

اس لئے جب تک ہم اپنی بقا اور زندگی کے طلب گار ہیں اس وقت تک کسی ایسی جماعت کی ضرورت سے بے نیاز نہیں ہو سکتے جو اسلامی روح اور اس کی تعلیمات کے مطابق ہماری رہنمائی کا فرض ادا کرتی رہے۔

جمعیۃ علمائے ہند نے اپنے یوم تاسیس سے آج تک مسلمانوں کی دفاعی اور تعمیری سرگرمیوں میں اسی اصول کو مشعل راہ بنایا ہے زندگی کے تمام مسائل میں اسلامی تصور کو پیش نظر رکھتے ہوئے مسلمانوں کی رہنمائی کی ہے۔ اور جب کبھی ایسے حالات پیش آئے ہیں جو مسلمانوں کی شرعی اور اسلامی زندگی پر اثر انداز ہو سکتے تھے جمعیۃ علماء نے پوری جرأت اور بے باکی کے ساتھ ان کے دفاع

اور مزاحمت کا فرض انجام دیا ہے اس لئے مسلمانوں کی یہ ایک اہم مذہبی اور سیاسی ضرورت ہے کہ جمعیۃ علماء کے نظام کو زیادہ سے زیادہ وسعت دے کر ایک ایسی جماعت کے ہاتھ مضبوط کئے جائیں جو ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے نہ صرف سیاسی نقطۂ نظر سے ایک باعزت مقام حاصل کرنے کی جدوجہد کر رہی ہے بلکہ مذہبی حیثیت سے اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی کے لئے کوشاں ہے۔

جمعیۃ علماء کے دائرہ کو وسیع کرنے کے لئے میں اس جگہ سے پنجاب اور مسلم اکثریت کے دوسرے صوبوں کے مسلمانوں کو مخاطب کرنا چاہتا ہوں۔ ان صوبوں کی بہ نسبت جن میں مسلمان تعداد کے لحاظ سے کم ہیں اکثریت کے صوبوں میں جمعیۃ کے نظام کو پھیلانے کی زیادہ ضرورت ہے ان صوبوں میں مسلمانوں کے لئے دفاع اور تعمیر کی راہیں کھلی ہوئی ہیں اور وہ معمولی جدوجہد کے ساتھ نہ صرف اسلامی تعلیمات سے متصادم حالات کا مقابلہ کر سکتے ہیں بلکہ تعمیری طور پر ان کے لئے ایک پروگرام کو لے کر چلنا بھی زیادہ آسان ہے۔

مسلمانوں کے اختلافات

حضرات! مسلمانوں کے اندرونی اختلافات اس وقت جو نوعیت اختیار کر چکے ہیں وہ ہر ایسے شخص کے لئے انتہائی رنجیدہ اور افسوسناک ہیں جو مسلمانوں کے ملی مقاصد سے محبت اور ہمدردی رکھتا ہے۔ ان اختلافات نے نہ صرف مسلمانوں کی ملی وحدت کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا ہے بلکہ ان کی قومی اور مجلسی زندگی میں غیر معمولی مشکلات کا ایک دروازہ کھول دیا ہے مسلمانوں کے درمیان عقیدہ اور مذہبی خیالات کے جو اختلافات موجود تھے۔ وہ بجائے خود افسوسناک تھے لیکن سیاسی اختلافات کو اس وقت جو حیثیت حاصل ہو چکی ہے وہ نہ صرف مسلمانوں کے موجودہ قومی اور ملی مقاصد کے لئے خطرناک ہے بلکہ ان کے مستقبل کے لئے براہ راست ایک تہدید ہے۔ مسلمانوں کی تمام سیاسی جماعتوں کا یہ دعوٰی ہے کہ مسلمانوں کی ترقی اور ان کے مفاد کی حفاظت ان کا اولین نصب العین ہے یہ ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کے مفاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے کسی مسئلہ کے متعلق رائیں مختلف ہوں۔ مختلف خیالات پر اصولی تنقید اور نکتہ چینی بھی ناقابل برداشت نہیں ہے لیکن اس قسم کے اختلافات رائے کو ایسی منزلوں تک پہنچا دینا کہ اتحاد اور اشتراک عمل کی تمام بنیادیں منہدم ہو جائیں کسی طرح پسندیدہ طرز عمل نہیں کم از کم جمعیۃ علماء ہند نے اس قسم کے اختلاف کو کبھی اچھی نظر سے نہیں دیکھا نقطۂ نگاہ کے اختلاف کے باوجود مسلمانوں کے ایسے اجتماعی مسائل میں

جن کے اندر اتحادِ عمل ہو سکتا ہے نہ صرف مسلم جماعتوں کے اتحادِ عمل اور مشترکہ جدوجہد کو جمعیۃ علماء نے پسندیدہ نظر سے دیکھا ہے اور اس کے لئے دوسری جماعتوں کو دعوت دی ہے بلکہ وہ خود بھی اس قسم کے مسائل میں اتحادِ عمل کے لئے تیار رہی ہے اور آج بھی آمادہ ہے کہ متفقہ مفاد کے لئے دوسری جماعتوں کے ساتھ اتحادِ عمل کرے اور میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کے لئے صحیح اسلامی راہ یہی ہے اور انہیں اسی راہ کو اختیار کرنا چاہیئے۔ اختلافِ رائے کے اظہار کے لئے ذاتی توہین کو کبھی بھی درمیان میں نہیں لانا چاہیئے اور نہ ایسی خفیف حرکات کرنی چاہئیں جس پر خود ہمارا ضمیر بھی ملامت کرے اور دوسروں کی نظر میں بھی حقیر و ذلیل ہو جائیں۔

ممالکِ اسلامیہ گذشتہ مئی اور جون میں عراق اور ایران وغیرہ میں جو واقعات پیش آئے ہیں وہ جمعیۃ علماء کے فیصلہ میرٹھ کی صداقت کے لئے روشن دلیل ہیں۔

ان ممالک پر برطانیہ کے اقدامات نے برطانوی مدبرین کی نیتوں اور ان کے تمام گذشتہ وعدوں کی حقیقت اور بھی بے نقاب کر دی ہے۔

عراق اور ایران دو اسلامی حکومتیں تھیں جنہوں نے اس جنگ میں غیر جانبدار رہنے کا فیصلہ کیا تھا ان کی غیر جانب داری کا برطانیہ نے جو احترام کیا وہ اس سے ظاہر ہے کہ آج عراق اور ایران دونوں میں حقیقتہً برطانی حکومت ہے اور وہاں کی موجودہ حکومتیں محض نمائشی ہیں۔

سید راشد علی گیلانی نے انگریزی عراقی معاہدے کی پابندی اور اس پر عمل کرتے ہوئے صرف یہ کیا تھا کہ برطانیہ سے بھی پابندی معاہدے کا مطالبہ کر دیا اور برطانیہ کی طرف سے پابندی معاہدہ سے انکار اور خلاف معاہدہ عراق میں برطانوی فوجوں کو رکھنے پر اصرار کرنے کی وجہ سے اختلاف ہوا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ برطانیہ نے عراق پر قبضہ کر لیا اور اس ضمن میں وہاں جو تشدد ہوا اس کی تفصیل کے لئے طویل وقت درکار ہے۔

ایران کے متعلق یہ کہہ کر کہ وہاں نازی ازم قوت پکڑ رہا ہے اور روس کو امداد پہنچانے کے لئے ہمارے لئے یہی راستہ اسہل ہے اس کی غیر جانب داری کو توڑ کر ایران میں برطانوی فوجیں داخل ہو گئیں اور اس کے اہم مقامات پر قبضہ کر لیا گیا۔

جمعیۃ علماء یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتی ہے کہ ہندوستان کے مسلمان ممالک اسلامیہ

میں کسی بیرونی مداخلت کو برداشت نہیں کر سکتے۔ ممالک اسلامیہ کے خلاف کسی یورپین یا ایشیائی طاقت کی تعدی خواہ وہ جرمن ہو یا اٹلی یا روس یا برطانیہ یا جاپان ان کے نزدیک یکساں قابلِ نفرت و مذمت ہے اور وہ ان اعذار بار دہ سے مطمئن نہیں ہو سکتے جو خوش آئند الفاظ میں دنیا کے سامنے اپنی معصومیت ظاہر کرنے کے لئے پیش کئے جاتے ہیں۔

حضرات محترمین! میں اس وقت آپ کو وقت کی نہایت اہم اور اشد ضروری چیز کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ جنگ کی ہلاکت آمیز چنگاریاں اور اس کے امن و امان کو بھسم کرنے والے شعلے بحر الکاہل سے اُٹھ کر بڑھتے بڑھتے ہندوستان کی مشرقی سرحدوں تک پہنچ گئے ہیں۔ نیز مغربی جانب میں بھی اگرچہ وہ ہمارے وطن عزیز سے قدرے دور ہیں مگر کچھ عجب نہیں کہ اسی موسم بہار میں ان کی آتش فشاں موجیں ہمالیہ اور دریائے سندھ سے ٹکرانے لگیں۔ ایسی صورت میں ہمارے وطن میں جس طوفان بربادی کے مظاہرے کا خوف ہے اس کا تصور کرتے ہوئے بھی جسم کا رُواں رُواں کانپ اٹھتا ہے ہم ہندوستانی جو کہ تقریباً سو برس سے بزدلانہ نازونعم کے عادی بنا دیئے گئے ہیں ہمارے ان کانوں کو توپ اور مشین گنوں کی آواز تو درکنار کبھی رائفل یا ریوالور کی آواز سننے کی بھی عادت نہیں ہوئی۔ ہماری ان آنکھوں کو ہوائی جہازوں کی آتش فشانی تو درکنار کبھی کارتوسوں کی چمک اور بندوقوں کے دھوئیں کو دیکھنے کی بھی نوبت نہیں آئی۔ ہم نے مشین گنوں اور بڑے دہانے والی توپوں کے گولوں اور گولیوں کی جھڑی اور بارش تو درکنار معمولی اسلحہ کی جھنکار بھی نہیں سنی۔ ہم کو ہوائی جہازوں اور ایروپلینوں کی جاں گداز آوازیں تو درکنار گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں بھی کبھی سنائی نہیں دیں۔ آگ لگانے والے بم، شور مچانے والے گولے، زمینوں کو لرزانے والے آلات جن سے بڑے بڑے شجاعانِ عالم آج کانپ رہے ہیں اگر ہمارے شہروں میں ظہور پذیر ہوتے تو یہاں کی آبادی کی جو کچھ حالت ہوگی ظاہر و باہر ہے، پھر ایسے وقت میں اچکوں، لیٹروں، ڈاکوؤں، چوروں، بدمعاشوں، منچلوں، اہلِ فتنہ و فساد سے جو کچھ بھی بربادی کا اندیشہ کیا جاتے وہ نہایت ہی کم ہے، ہمارے سامنے ملایا، برھما، سماٹرا، جاوا وغیرہ کی عام بربادی کا سماں موجود ہے، ایسی صورت میں اگر ہم نے کوئی متحدہ قدم نہ اٹھایا اور منظم اقدام نہ کیا تو یقیناً وہ ہلاکت و بربادی اور موت سرخ کی نوبت آئے گی کہ الامان والحفیظ۔

میرے محترم بزرگو! اسی خطرہ کو محسوس کر کے جمعیۃ العلماء نے ۲۵ جولائی ۱۹۴۰ء میں مندرجہ ذیل الفاظ میں تجویز پاس کی تھی۔

"جمیعۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کا یہ جلسہ تمام امن پسند باشندگان ہند سے پُرزور اپیل کرتا ہے کہ وہ اس پریشان کن فضا میں جو جنگ یورپ کے سلسلے میں روزانہ تشویشناک خبروں اور صبح و شام کی افواہوں سے موجب اضطراب ہو رہی ہے، ضبط و نظم قائم رکھنے کی پوری سعی کریں۔ اور فساد انگیز طاقتوں اور شرارت پسند افراد کو اتنا موقع نہ دیں کہ وہ ہندوستان میں فتنہ و فساد پیدا کریں۔ قیام امن کے سلسلہ میں لازم ہے کہ حلقہ وار اور محلہ وار محافظ امن جماعتیں قائم کر لی جائیں اور تمام اختلافات کو نظر انداز کر کے حفاظت امن کے نیک اور اعلیٰ مقصد میں باہمی تعاون سے کام کریں۔"

اور اسی بنا پر مرکزی جمیعۃ کی طرف سے تمام صوبہ وار اور ضلع وار جمعیتوں کے نام مسلمانوں اور عام پبلک کے لئے سرکلر جاری کر دیئے گئے۔ جن کا خلاصہ مندرجہ ذیل الفاظ میں ہے۔

"جنگ کی وجہ سے جو مہیب خطرات روز بروز قریب ہوتے جا رہے ہیں وہ مختلف نوعیت کے ہیں۔ دشمن کی طاقت سے قطع نظر کرنے کے باوجود داخلی فتنوں کی ہولناکی بھی کچھ کم نہیں ہے ایسے ہنگاموں میں ہوش و حواس قائم رکھنا استقلال سے کام کرنا۔ کمزوروں کی ڈھارس بندھانا مظلوموں اور آفت زدوں کی امداد کرنا ایک اہم ترین اسلامی خدمت ہے۔ جمیعۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ اپنے اجلاس منعقدہ ۲۵۔ جولائی ۱۹۴۰ء مطابق ۷ جمادی الآخر ۱۳۵۹ھ میں اس کی اہمیت واضح کر چکی ہے اب کہ خطرات کی قوت و شدت میں اضافہ ہو گیا ہے اور وقت کا تقاضا ہے کہ مزید ایک دن ضائع کئے بغیر خدمت خلق کا عملی نظام قائم کیا جائے اور مجلس عاملہ کی تجویز کی روشنی میں نہایت ضروری ہے کہ خدام خلق کے نام سے عاملین کی جماعتیں فوراً قائم کر دی جائیں ان جماعتوں میں جمیعۃ انصار اللہ (والنٹران جمیعۃ علماء) کے علاوہ تمام مسلمان جو نظام کے قواعد کی پابندی اور مخلصانہ خدمت خلق انجام دینے کا معاہدہ کریں شریک ہو سکیں گے۔"

اس جماعت کا کام اپنے امیروں کے احکام کے ماتحت بندگان خدا کی خدمت ان کے جان و مال کی حفاظت اور ان کو استقلال و امن پسندی کی تلقین کرنا ہوگا۔ یہ جماعت ان تمام جماعتوں سے جو ان مقاصد کیلئے کام کریں اشتراک عمل کرے گی اور کوئی ایسی صورت وجود میں نہ آنے دیگی جو موجب تصادم ہو حکومت کی طرف سے جو لوگ ان مقاصد کے لئے کام کریںگے ان سے مزاحمت نہ کرے گی۔ بلکہ

اگر وہ کسی جگہ اس جماعت کی امداد چاہیں گے تو اس جماعت کے عامل اپنے امیر کی قیادت میں انکی امداد کریں گے۔ اس جماعت کا مرکز دہلی ہوگا۔ خدمات کی نوعیت مقرر کرنے کے لئے ایک سب کمیٹی بنا دی گئی ہے۔

محترم حضرات! میں آپ سے پرزور استدعا کرتا ہوں کہ حالات حاضرہ کی ہولناکی کو محسوس کرتے ہوئے جمعیۃ عاملہ کی مذکورہ بالا قرارداد اور مذکورہ بالا سرکلر کو جلد از جلد عملی جامہ پہنایئے اور ہر جگہ میں امن وامان اور خدمت خلق کا مکمل انتظام کر دیجئے۔ بغیر اجتماعی نظام کے ایسے فتنوں کا سدباب نہیں ہوسکتا۔ یہ وقت کی شدید ترین ضرورت ہے اس میں غفلت اور کسلمندی کو ہرگز ہرگز راہ نہ دیجئے۔

حضرات محترمین! میں نے آپ کا بہت سا وقت لیا ہے، میں آپ کا صدق دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آپ نے میری معروضات کو سکون قلب سے سنا۔ اب میں التجا کرتا ہوں کہ آپ میری معروضات مذکورہ کی طرف توجہ فرمائیں اور مجلس انتخاب مضامین میں شرکت فرما کر ملک اور قوم اور مذہب کی اہم ضروریات کے متعلق فیصلے کریں اور جمعیۃ کے نظام کو بیش از بیش مضبوط بنا کر اس کو ملک اور قوم میں پھیلائیں اور مسلم قوم کو جادۂ مستقیمہ پر چلا کر ان کے مصائب و آلام کو دور کریں۔ مسلمانوں کو ہر قسم کی بہبودی اور فلاح سے دوچار کریں۔ ان کی ہر طرح ترقی کے لئے شریعت کی روشنی میں صورتیں پیدا کریں۔ فجزاکم اللہ احسن الجزاء واللہ معکم اینما کنتم واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وآلہ وصحبہ واتباعہ اجمعین۔

ننگ اسلاف

حسین احمد غفرلہ — ۲۰ مارچ ۱۹۴۲ء

ماخذ: مولانا حسین احمد مدنی، خطبۂ صدارت، تیرھواں سالانہ اجلاس جمعیت العلمائے ہند منعقدہ ۲۰ تا ۲۲ مارچ ۱۹۴۲ بمقام لاہور، دہلی، ت ن، ۵۲ ص۔

تجاویز

تجویز نمبر ۱

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ جلسہ حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب نائب امیر الشریعۃ صوبہ بہار و ناظم اعلیٰ جمعیۃ العلماء ہند کی وفات حسرت آیات پر دلی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔ مولانا کی ذات گرامی مجمع بالکمالات تھی جس طرح ان کو علوم دینیہ میں اعلیٰ مہارت حاصل تھی اسی طرح اسلامی سیاست میں بھی قدرت نے ان کو کامل دستگاہ عطا فرمائی تھی۔ خلقِ خدا کی خدمت اور مسلمانوں کی حفاظت ان کے نصب العین کے خاص اور اہم اجزا تھے۔ علماء ہندوستان میں ان کی شخصیت، ان کی خدماتِ جلیلہ کے لحاظ سے نمایاں تھیں۔ اُن کے اخلاص و ایثار کے موافق اور مخالف یکساں معترف تھے۔ حق تعالےٰ اُن کی تربت کو اپنی رحمتوں سے سیراب کرے اور جنت الفردوس میں ان کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ یہ جلسہ مولانا مرحوم کے اقربا اور متعلقین کی خدمت میں مخلصانہ تعزیت اور دلی ہمدردی پیش کرتا ہے اور ان کو یقین دلاتا ہے کہ اس صدمۂ عظیم میں تمام ہندوستان کے مسلمان ان کے ساتھ شریک ہیں۔ (منجانب صدر)

تجویز نمبر ۲

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ جلسہ جناب چودھری افضل حق صاحب رکنِ اعظم مجلسِ احرار ہند کی وفات پر اپنے

دلی رنج وغم کا اظہار کرتا ہے۔ چودھری صاحب مجلسِ احرار اسلام کے نہایت بلند پایہ بزرگ اور اسلامی وقومی اُموز میں اعلیٰ بصیرت و مہارت رکھنے والے اور بہترین مفکر تھے آزادی وطن کی راہ میں ان کی خدمات اور قربانیاں ہندوستان میں روشن ہیں۔

یہ جلسہ دُعا کرتا ہے کہ حق تعالےٰ ان کو فردوسِ بریں میں جگہ دے اور ان کی قبر پر اپنی رحمتوں کی بارش برسائے۔ یہ جلسہ مرحوم کے اعزا و اقربا کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے اور ان کے رنج وغم میں اپنی شرکت کا یقین دلاتا ہے۔ (منجانب صدر)

تجویز نمبر ۳

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کہ فقہ اسلامی عبادات و معاملات تمدن و معاشرت، سیاست اور اقتصادیات کے تمام اصول پر حاوی ہے دیکھ رہا ہے کہ عصری ایجادات اور غیر اسلامی اصول اقتصادیات کے رواج سے ایسی صورتیں پیش آ رہی ہیں کہ ان کے جواز و عدم جواز کے بارے میں علماء مختلف الرائے ہو جاتے ہیں اور ان کا باہمی اختلاف مسلمانوں کے لئے موجب تشویش و پریشانی ہوتا ہے۔

اس لئے یہ اجلاس طے کرتا ہے کہ جمعیۃ العلماء ایسے جدید پیش آنے والے مسائل میں علماء متبحرین کی معتمد جماعت سے تبادلۂ خیالات اور بحث و مباحثہ، غور و فکر کے بعد ایسے فیصلے مرتب کرائے جن پر علماء متبحرین کی زیادہ سے زیادہ جماعت متفق ہو۔ پھر ان فیصلوں پر عمل کرنے کے لئے مسلمانوں میں شائع کر دیا جائے۔

تجویز نمبر ۴

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس مسلمانوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ وقت کی نزاکت اور باہمی افتراق و انشقاق کی ہلاکت خیزی اور اس کے عواقب و نتائج مشئومہ کا پورا پورا احساس کر کے اور ان مختلف فیہ مسائل میں جو دورِ اول یعنی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین و ائمہ مجتہدین کے زمانہ سے مختلف فیہ چلے آتے ہیں باہم دست و گریبان نہ ہوں اور اپنی اپنی جگہ اپنے عقیدہ کے موافق مذہب راجح پر عمل کرتے ہوئے دوسرے خیال کے مسلمانوں پر زبانِ طعن دراز نہ کریں اور سب وشتم سے محترز رہیں اور انما المومنون اخوۃ کے ماتحت بھائی بھائی کی طرح زندگی بسر کریں اور باہمی تعاون و تعاضد کر کے کالبنیان یشد بعضہ بعضاً ایک مستحکم و مضبوط دیوار بن جائیں جس کو کسی مخالف کی دشمنی کسی قسم کا گزند نہ پہنچا سکے۔

اسی طرح یہ جلسہ موت وحیات کی کش مکش کے اس دور میں تمام مسلم جماعتوں سے دردمندانہ اپیل کرتا ہے کہ اسلام اور قوم کی فلاح ونجات کی خاطر آپس کے اختلافات کو دلائل وبراہین کی روشنی میں تحقیق حق کے اصول پر رفع کرنے کی سعی کریں اور اختلافِ رائے کے باوجود باہمی منافرت اور توہین وتذلیل کا مذموم طریقہ اختیار نہ کریں کہ یہ اسلامی وقار اور قومی زندگی کے لئے تباہ کن اور اسلامی تعلیم کے سراسر خلاف ہے۔

تجویز نمبر ۵

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس اسلامی ممالک خصوصاً عراق، ایران، شام وفلسطین وغیرہ کے موجودہ نازک ترین حالات کو نہایت خطرہ کی نظر سے دیکھتا ہے کہ ان اسلامی ممالک کو استعمار پسند طاقتیں کس طرح اپنی اغراضِ فاسدہ میں استعمال کرنے کے لئے مقہور ومجبور کر رہی ہیں ان کی تسلیم شدہ آزادی کو پامال کیا جارہا ہے یا اُن کے فطری حقِ آزادی سے انہیں محروم کرنے یا رکھنے کے لئے کیسے کیسے حیلے تراشے جارہے ہیں جمعیۃ العلماء بارہا اس امر کا اعلان کر چکی ہے اور آج بھی اس اعلان کا اعادہ کرتی ہے کہ اسلامی ممالک پر کسی اجنبی طاقت کا تسلط اور قہر وغلبہ مسلمانانِ عالم کسی طرح برداشت نہیں کریں گے اور جب تک اسلامی ممالک پر سے استعمار پسند طاقتیں اپنا تسلط بالکلیۃً اٹھالیں گی اور ان کو آزادی کامل کی فضا میں سانس لینے کا موقع نہ دیں گی اُس وقت تک مسلمان چین سے نہیں بیٹھیں گے اور مطمئن نہ ہوں گے۔

محرک :- مولانا احمد سعید صاحب۔

مؤید :- مولانا عبد الماجد صاحب۔

تجویز نمبر ۶

جمعیۃ العلماء بارہا اس امر کا اعلان کر چکی ہے کہ اس کا نصب العین آزادیٔ کامل ہے اس پر تمام مسلمانانِ ہند متفق ہیں اور اسی کو اپنے لئے ذریعۂ نجات سمجھتے ہیں جمعیۃ نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ وطنی آزادی میں مسلمان آزاد ہوں گے، اُن کا مذہب آزاد ہوگا اور مسلم کلچر اور تہذیب وثقافت آزاد ہوگی۔ وہ کسی ایسے آئین کو ہرگز قبول نہ کریں گے جس کی بنیاد ایسی آزادی پر نہ رکھی گئی ہو۔

جمعیۃ العلماء ہند، ہندوستان میں صوبوں کی کامل خودمختاری اور آزادی کی زبردست حامی ہے جس میں غیر مصرحہ اختیارات بھی صوبوں کے ہاتھ میں ہوں اور مرکز کو صرف وہی اختیارات ملیں جو تمام

صوبے متفقہ طور پر مرکز کے حوالے کریں جن کا تعلق تمام صوبوں سے یکساں ہو۔

جمعیتہ العلماء ہند کے نزدیک ہندوستان کے آزاد صوبوں کا سیاسی وفاق ضروری اور مفید ہے مگر ایسا وفاق اور ایسی مرکزیت جس میں اپنی مخصوص تہذیب و ثقافت کی مالک نو کروڑ نفوس پر مشتمل مسلمان قوم کسی عددی اکثریت کے رحم و کرم پر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو" ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا نہ ہوگی یعنی مرکز کی تشکیل ایسے اصول پر ہونی ضروری ہے کہ مسلمان اپنی مذہبی، سیاسی اور تہذیبی آزادی کی طرف سے مطمئن ہوں۔

تجویز نمبر ۷

ہندوستان کی آزادی کے متعلق سر اسٹیفورڈ کرپس [SIR STAFFORD CRIPPS] برطانوی حکومت کا کوئی نظریہ لائے ہیں۔ معلوم نہیں وہ نظریہ کیا ہے۔ اس لئے اس کے متعلق اظہار رائے کا کوئی موقعہ نہیں تاہم یہ امر بھی یقینی ہے کہ برطانوی حکومت نے اس کام کا بہترین وقت اپنی عاقبت نااندیشی اور مغرورانہ بے پروائی سے ضائع کر دیا۔ اندیشہ ہے کہ موجودہ نازک لمحات میں کوئی ایسی تجویز بھی جو اگر بروقت ہوتی تو مناسب سمجھی جاتی کہیں بعد از وقت کی مشہور مثل کی مصداق نہ بن جائے۔

تاہم ان نازک لمحات میں ہندوستانیوں کے فرائض بھی بہت اہم ہو گئے ہیں۔ جمعیتہ العلماء تمام مسلمانانِ ہند اور مسلم اداروں کو پُر زور توجہ دلاتی ہے کہ اس وقت تمام مسلم ادارے اور جماعتیں اشتراکِ عمل سے کام لیں اور پورے غور و فکر اور تبادلۂ خیالات کے بعد کسی متحدہ فیصلے پر سب متفق ہو جائیں۔

تجویز نمبر ۸

جمعیتہ العلماء ہند کا یہ اجلاس کاظمی ایکٹ ۸ ۱۹۳۹ء کے متعلق اس حقیقت کا اظہار کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ اس میں سے اس دفعہ کو حذف کر کے جس میں اس قسم کے مقدمات کے لئے مسلم جج کی عدالت میں پیش ہونا ضروری قرار دیا گیا تھا نہ صرف اس ایکٹ کی مذہبی افادی حیثیت کو باطل کر دیا گیا بلکہ اس طرح اس کو مسلمانوں کے لئے سخت مضر اور خطرناک بنا دیا گیا ہے جمعیتہ العلماء یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتی ہے کہ غیر مسلم جج کے فسخ کرانے پر نکاح فسخ نہیں ہوتا اور عورت بدستور شوہر اول کے نکاح میں رہنے کے باوجود قانونی زد سے محفوظ ہو کر دوسرا نکاح کر لیتی ہے اور حرام میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

جمعیۃ العلماء مسلم ارکانِ اسمبلی سے پُر زور استدعا کرتی ہے کہ وہ اس ایکٹ ۵ میں یہ ضروری ترمیم کرانے کے لئے متفق ہو کر سعی کریں۔

محرک :- مولانا احمد سعید صاحب

موئید :- مولانا محمد یونس صاحب (لائل پور)

تجویز نمبر ۹

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس اس حقیقت کے پیشِ نظر کہ اسلام نے مسلمانوں میں فرقِ مراتب کا معیار تقویٰ اور سیرت قرار دیا ہے۔ نسل و حرفت پر اس کا مدار نہیں رکھا۔ نیز تمام مسلمانوں کو خواہ وہ کسی نسل اور سرزمین کے باشندے ہوں بھائی بھائی اور اسلامی حقوق میں مساوی بنایا ہے اور کسی شخص کو اس کی نسل یا حرفت کی وجہ سے رذیل اور کمین قرار نہیں دیا۔ تمام مسلمانوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اس زریں اسلامی اصول کو اختیار کریں اور ہندوستان کو بعض غیر مسلم اقوام کی صحبت و اختلاط سے شرافت اور رذالت کا جو غیر اسلامی تخیل پیدا ہو گیا ہے اس کو جلد از جلد مٹا دیں۔ بعض مقامات پر سرکاری کاغذات میں بھی بعض جماعتوں کو کمین لکھا جاتا ہے اس کو منسوخ کرانے کی متفقہ سعی کریں اور تمام پس ماندہ افراد کو خواہ وہ کسی جماعت سے تعلق رکھتے ہوں تعلیم و تہذیب سے بہرہ ور کر کے ترقی کے مدارج پر پہنچانے کی منظم کوشش شروع کر دیں اور قابلیت کے معیار کے موافق ان کے لئے ہر قسم کی خدمات اور ملازمتوں کے دروازے کھول دیئے جائیں۔ یہ کوشش ایک صحیح انسانی اور اسلامی خدمت ہوگی اور اس کے ذریعہ وہ اسلامی اصول کی برتری دنیا پر روشن اور واضح کرنے اور احیائے ملت کا اجرِ عظیم حاصل کریں گے۔

جمعیۃ العلماء بھی اس بارے میں متعلقہ سرکاری دفاتر سے خط و کتابت کرے گی۔

محرک :- مولانا ابوالوفا صاحب شاہجہانپوری

موئید :- مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی

تجویز نمبر ۱۰

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ جلسہ مسلمانوں سے اپیل کرتا ہے کہ ایک شہر میں بلا ضرورت دس دس بیس بیس مساجد میں نمازِ جمعہ قائم کرنے سے احتراز کریں کیونکہ اس تعدد و انتشار سے نمازِ جمعہ قائم کرنے کا مقصد

فوت ہو جاتا ہے اور شوکت اسلامیہ کے اظہار میں خلل پڑتا ہے۔ حتی الامکان ایک مسجد میں تمام مسلمان نماز جمعہ ادا کریں۔ صرف وسیع شہروں میں نہایت شدید ضرورت کی بنا پر دو یا تین مساجد میں جمعہ پڑھا جائے تو مضائقہ نہ ہوگا۔ غیر ضروری تعدد کو جس نے جمعہ کی نماز کو بھی پنجگانہ نمازوں کی حیثیت دے دی ہے جہاں تک جلد ممکن ہو موقوف کر دیا جائے۔

محرک:۔ مولانا قاضی حبیب الرحمٰن صاحب

مؤید:۔ مولانا عبدالحنان صاحب

تجویز نمبر ۱۱

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس مدارس عربیہ دینیہ کے مروجہ نصاب میں دورِ حاضر کی ضرورتوں کے موافق اصلاح و تبدیلی کی ضرورت شدت سے محسوس کرتا ہے اور مدارس عربیہ کے ذمہ دار حضرات اور تعلیمی جماعتوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ ماہرینِ تعلیم کی ایک کمیٹی اس پر غور کرنے کے لئے باہمی مشورے اور تعاون سے مقرر کر کے ایک ایسا نصاب مرتب کرائیں جو دینی علوم کی تکمیل کے ساتھ ضروریاتِ عصریہ میں بھی مہارت پیدا کرنے کا کفیل ہو اور اس سلسلہ میں جمعیۃ العلماء ہند ارباب علم سے رائے لے کر اپنی صوابدید کے مطابق حتی الوسع جلد کوئی موثر عملی اقدام کر دیجیے۔

تجویز نمبر ۱۲

اُن مہیب خطرات کے پیش نظر جو جنگ کی روز افزوں وسعت کی وجہ سے سامنے آرہے ہیں وقت کا اہم فریضہ ہوگیا ہے کہ تمام ہندوستانی اور خصوصاً مسلمان دیسی مصنوعات کی تیاری اور ترویج میں ہمہ تن مشغول اور منہمک ہو جائیں۔ دستی چیزوں کو استعمال کریں اور اپنی ضرورتیں کم از کم مقدار سے پوری کرنے کی کوشش کریں۔

(اوّل) تو جنگی ضروریات کی وجہ سے تمام ملز سرکاری کام میں لگی ہوئی ہیں۔

(دوم) اگر بعض ملیں کچھ سامان تیار بھی کرتی ہیں تو اس کا ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچنا مشکل ہے پھر وہ ضرورت کے مطابق تیار بھی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہر مقام کے باشندے اپنی منظم کوشش کریں کہ کم از کم اپنی ضروریات کے لائق اپنی اپنی جگہ دیسی دست کاری کے ذریعہ یہ چیزیں تیار کر لی جائیں کھانے

پینے کے لئے ترکاریاں پیدا کرنے، پینے کا پانی بہم پہنچانے اور دیگر روزمرہ کی ضروریات کا خاص طور پر انتظام کر لیا جائے۔

تجویز نمبر ۱۳

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس ریاست کشمیر کے فرمانروا مہاراجہ بہادر کی توجہ ان اُمور کی طرف منعطف کرتا ہے جس سے ریاست کی ۸۰ فیصدی مسلم آبادی کے مذہبی و ثقافتی حقوق پامال ہو رہے ہیں مثلاً:-

الف :- اگر کوئی غیر مسلم تحقیق حق کے بعد مذہب اسلام قبول کرے تو اس کی سابقہ جائداد ضبط کر لی جاتی ہے۔

ب :- اگر کوئی مسلمان خواہ کتنے ہی اخفا کے ساتھ مذہبی قربانی یا تحصیل غذا کی غرض سے گائے ذبح کرے تو اس کو سخت سزا دی جاتی ہے۔

ج :- ریاست میں سرکاری اور دفتری کاغذات و تحریرات اُردو رسم الخط میں لکھے جاتے تھے، مگر اب آہستہ آہستہ دیوناگری رسم الخط کی ترویج کی کوشش شروع کر دی گئی ہے۔

د :- ریاست میں پچھلے سال سے قانون اسلحہ نافذ کیا گیا ہے جس میں راجپوت بندوق وغیرہ آتشی اسلحہ کے لائسنس سے مستثنیٰ رکھے گئے ہیں۔ ہندو اور باقی تمام لوگوں پر ہتھیار رکھنے کے بارے میں سخت پابندی عائد کر دی گئی ہے۔

ان اُمور سے کشمیر کی مسلم آبادی سخت تشویش و پریشانی میں مبتلا ہے اور نمبر ۱ سے تو ضمیر کی آزادی کی بنیاد ہی متزلزل ہو گئی ہے۔ جمعیۃ العلماء ہند فرمانروائے کشمیر سے توقع رکھتی ہے کہ نمبر ۱، ۲، ۴ کو منسوخ فرما کر اور نمبر ۳ کے متعلق صاف و صریح اعلان جاری فرما کر کہ ریاست کا سرکاری و دفتری رسم الخط مثل سابق اُردو ہی رہے گا، اپنی وفادار مسلم رعایا کو مطمئن اور ان کے جذبۂ وفاداری کو استحکام بخشیں گے۔

تجویز نمبر ۱۴

جمعیۃ العلماء کا یہ جلسہ حکومت کے اس رویّہ کو بہت سے خدام ملت و وطن کو اس نے نظر بند کر رکھا ہے نہ اُن پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلاتی ہے نہ اُن کو قید اور پابندی سے آزادی دیتی ہے نہ ان کے متعلقین کی ضروریات پوری کرنے کے لئے وظائف دیتی ہے سخت غم و غصہ کی نظر سے دیکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ روش

محض استبداد اور منتقمانہ جذبات ہی کا نتیجہ ہو سکتی ہے اور یہ کسی وقت اور خصوصاً ان نازک حالات میں گورنمنٹ کے لئے مناسب اور مفید نہیں۔ اس لئے حکومت کو لازم ہے کہ نظر بندوں کے خلاف یا تو مقدمہ چلائے یا ان کو فوراً غیر مشروط طور پر آزاد کر دے۔

یہ جلسہ خصوصیت کے ساتھ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی سابق صدر احرارِ اسلام کی نظر بندی کے خلاف پُرزور صدائے احتجاج بلند کرتا ہے کیونکہ وہ صحت کی خرابی اور آب و ہوا کی ناموافقت کی وجہ سے سخت تکلیف میں مبتلا ہیں۔ حکومت کا فرض ہے کہ وہ مولانا کو جلد از جلد ان تکالیف سے آزاد کر کے اپنی نیک نیتی اور انسانی ہمدردی کا ثبوت بہم پہنچائے۔

تجویز نمبر ۱۵

بلوچستان جو کہ ہندوستان کا ایک اہم سرحدی صوبہ ہے حکومت کی سہل انگاری یا اس کی اپنی مصالح کی بنا پر آج تک صوبجاتی اصلاحات و ترمیمات سے محروم رکھا گیا ہے۔ جمعیۃ العلماء ہند بلوچستان کی آزادی کے دیرینہ مطالبہ کو از سرِ نو دہراتی ہے اور حکومت کو متوجہ کرنا اپنا فرض سمجھتی ہے کہ بلوچستان کی آزادی کے ساتھ جو ناانصافی اس وقت تک برتی گئی ہے وہ ختم کر کے اس کو بھی دوسرے صوبوں کی سطح پر لے آئے ورنہ بصورت دیگر وہ مسلمانانِ ہند اور محبانِ حریت کو مطمئن کرنے میں ناکام رہے گی اور بلوچستان کے باشندے بھی کسی قسم کی طفل تسلیوں سے قانع نہ ہوں گے۔

تجویز نمبر ۱۶

جمعیۃ العلماء ہند کا یہ جلسہ حکومت کو مولوی فضل الٰہی صاحب وزیر آبادی کی مستحق توجہ حالت کی طرف پُرزور توجہ دلاتا ہے۔ محترم مولوی فضل الٰہی صاحب بیس سال سے چمرقند میں جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور اب ان کی صحت اور عمر کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے آخری ایام اپنے وطن مالوف میں بسر کریں۔ حکومت کا فرض ہے کہ وہ انسانی ہمدردی کی بنا پر موصوف کو غیر مشروط طور پر وطن واپس آنے کی اجازت دیدے۔

تجویز نمبر ۱۷

جمعیۃ العلماء ہند مشرقی ترکستان کے ایک حصہ قازاغستان کے قازاغ مہاجرین کے دردناک حالات

معلوم کر کے سخت حزن و اندوہ کا اظہار کرتی ہے۔ یہ ہزاروں مہاجرین اپنے وطن سے خانماں برباد ہو کر ہندوستان کی طرف ہجرت کے ارادے سے نکل کھڑے ہوئے حکومت کشمیر نے ان کو حدود ہند میں داخل ہونے کی بعض شرائط کے ماتحت اجازت دیدی۔ انہوں نے تو وہ شرائط پوری کر دیں لیکن حکومت کشمیر نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا، بلکہ حکومتِ ہند کے ایما رسے ان کو مظفر آباد کے ایک ناقابلِ قیام علاقہ میں نظر بند کر دیا گیا۔ یہ لوگ اس نظر بندی میں سخت مصائب میں مبتلا ہیں اور بے حد جانی و مالی نقصان اٹھا رہے ہیں جمعیتہ العلماء ہند حکومت سے انسانیت کے نام پر مطالبہ کرتی ہے کہ ان پر سے نظر بندی کی تمام قیود ہٹادی جائیں اور انکو چلنے پھرنے اور معاش کے ذرائع اختیار کرنے کا موقع بہم پہنچایا جائے تاکہ ناداری اور بھوک کی وجہ سے انکے افراد اور مویشی جو روزانہ ہلاک ہو رہے ہیں موت کے چنگل سے نجات پائیں۔

یہ جلسہ تمام مسلمانوں اور ہمدردان بنی نوع انسان سے بھی دردمندانہ استدعا کرتا ہے کہ وہ ان مہاجرین کی حالتِ زار کا خیال کرتے ہوئے ان کی طرف امداد و اعانت کا ہاتھ بڑھائیں۔

محرک:۔ جناب محمد سعید صاحب مجاہد سرینگر

موئید:۔ مولانا محمد ایوب صاحب سرحد

تجویز نمبر ۱۸۔

چونکہ زائرین بیت الحرام حجاج کرام کی ان مشکلات اور تکالیف کو رفع نہیں کیا گیا جو ان کو بحری اور خشکی کے سفر میں پیش آتی ہیں اور نہ ان کو وہ مراعات دی گئیں جو عام طور پر معمولی معمولی مجمعوں کے مسافروں کو دیجاتی ہیں اور اس کی اصولی اور بنیادی وجہ یہ ہے کہ محکمہ حج کسی مسلم رکن کی نگرانی میں نہیں دیا گیا۔

جمعیتہ العلماء کا یہ جلسہ حکومت کو پرزور توجہ دلاتا ہے کہ وہ جلد از جلد ان مشکلات کو رفع کر کے مسلمانانِ ہند کو مطمئن کر دے اور ان کی بے چینی کو رفع کرے۔

منجانب صدارت۔

ماخذ: محمد میاں، جمعیت العلماء کیا ہے؟، حصہ دوم، دہلی، ۱۹۴۶، ۲۳۸-۲۴۴-۲۴۸۔

باب چہاردہم

اجلاس چہاردہم سہارن پور ۴، ۵، ۶ مئی ۱۹۴۵ء
(۲۱، ۲۲، ۲۳ جمادی الاوّل ۱۳۶۴ھ)

زیر صدارت

مولانا سید حسین احمد مدنی

۳۶

خطبۂ صدارت از مولانا سید حسین احمد مدنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نومن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و نشھد ان سیدنا و مولانا محمداً عبدہ و رسولہ صلی اللہ علیہ و الہ و صحبہ و بارک و سلم کما یحب و یرضیٰ عدد ما یحب و یرضیٰ۔

اما بعد:۔ میرے محترم بزرگو اور علماء کرام! مجھ کو واقعاتِ حاضرہ کی بنا پر عرصہ کے بعد آپ کی خدمت میں حاضری کا اتفاق ہوا ہے۔ مجھ کو اس کا سخت افسوس ہے کہ آپ حضرات نے باوجود اس کے کہ آپ کی جماعت میں اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کے اہل فضل و کمال، اصحاب حفظ و ذکار، ارباب قلم و زبان جامعین دیانت و سیاست، تقویٰ اور سچائی کے ماہر بکثرت موجود ہیں جو کہ میرے جیسے نااہلوں سے بدرجہا تفوق اور استحقاق صدارت رکھتے ہیں اور باوجود اس کے یہ ثقل گراں میرے کمزور کندھوں پر کئی برسوں سے چلا آتا ہے اور آپ حضرات بارہا مجھ کو سبکدوش کرنے کی اُمیدیں بھی دلا چکے ہیں، پھر بھی مجھ پر اس سال یہ ثقل گراں رکھ دیا گیا اور میرے اعذار کی شنوائی نہ کی گئی۔ علاوہ میری نااہلیتوں کے

میری بے حد مصروفیتیں بھی مجھ کو اس میدان میں اقدام کرنے سے روکتی ہیں۔ کاش آپ حضرات میری مصروفیات پر توجہ فرماتے۔

میرے محترم بزرگو! میں آپ حضرات کے حکم سے باہر نہیں ہوں: تابعداری کرنا ضروری سمجھتا ہوں نیز قدر افزائی اور ذرہ نوازی کا شاکر بھی ہوں مگر اپنی عاجزی اور نا اہلی کی وجہ سے مستندانہ شکوہ کرنا بھی فرضِ منصبی سمجھتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہاں یہ بھی عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میری کوتاہیوں اور تقصیرات پر جن کا بکثرت پایا جانا مجھ جیسے نا اہل سے ضروری ہے مواخذہ نہ فرمائیں اور میری معروضات پر غیر معمولی توجہ فرماتے ہوئے عملی میدان میں آ کر ان کو جامہ وجود پہنائیں۔ تکاسل اور بے عملی سے حتی الوسع احتراز فرمائیں اور موجودہ مشکلات اور مصائب کو دور کرنے کے لئے مردانہ وار اقدام کریں۔

ذرا گور غریباں کی طرف بھولے سے آ جاؤ
تک اس ویرانہ کو دیکھو جسے آبادی کہتے ہیں

ہندوستان کی غلامی کا کالا اور بدترین دور

محترم حضرات! باوجودیکہ انتہائی خودغرض اور بے رحم آقاؤں کی انسانیت کش پالیسی کی وجہ سے تقریباً دو سو سال سے ہندوستان گھلتے گھلتے جاں بلب اور نیم مردہ ہو چکا تھا جیسا کہ مسٹر میکڈانلڈ ریمزے [MR. RAMSAY McDONALD] اویکننگ آف انڈیا [AWAKENING OF INDIA] صفحہ ۱۴ میں لکھتے ہیں:۔

"روزبروز کوئی اس ملک میں دورہ کرے تو سوکھے دبلے ناتواں اجسام کے اور کچھ نہ دیکھے گا جن کی زندگی سراپا محنت! محنت!! محنت!!! مشقت! مشقت!! مشقت!!! ہے ہندوستان فلاکت زدوں کی بستی ہو کر رہ گئی ہے اور ان غریبوں کی مصیبت اور بھی دل میں گڑ گئی جب کہ میں نے غور کیا اور دیکھا کہ کس طرح ان کی فلاکت و افلاس کے نمایاں آثار ان کی پُرسکون اور پُرعظمت خاموشیوں میں مستور ہیں۔"

دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

"ہندوستان کا افلاس ایک مسئلہ یا کلیہ نہیں ہے بلکہ ایک امر واقع ہے۔"

(اویکننگ آف انڈیا صفحہ ۱۵۹)

سر جان سائمن [SIR JOHN SIMON] اپنی رپورٹ میں لکھتے ہیں:۔

"عام آبادی انتہائی افلاس میں ہے۔"

ایچ، ایم ہینڈمین [H.M. HYNDMAN] کہتا ہے :-

"ہندوستان روز بروز کمزور و ناتواں ہوتا جا رہا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ عوام کی زندگی کا خون آہستہ آہستہ مگر دن بدن تیز روی کے ساتھ نکالا جا رہا ہے۔"

(ایچ۔ ایم ہینڈمین، بنکرا پٹ سی آف انڈیا)

صفحہ ۱۵۲۔

"ایسے ناتواں اور نیم مردہ جان بلب ملک کو ان سخت دل اور بے رحم آقاؤں نے ۱۹۳۹ء کی جنگ عمومی میں بغیر اُس کی رضا مندی اور خواہش کے اور بغیر اُس سے پوچھے گچھے دھکیل دیا اور پروپیگنڈا کر دیا کہ وہ ہمارے ساتھ شریک جنگ ہے۔ اُس نے شور مچایا کہ میں خود غلامی کی زنجیروں میں اس قدر جکڑا ہوا ہوں کہ میری جان نکل رہی ہے۔ مجھ کو تو آزادی کی سانس چاہیے مجھ کو کسی کی دشمنی اور دوستی، کسی کی لڑائی اور صلح سے کیا غرض ہے۔ میں نہ جرمن کا دشمن یا دوست ہوں نہ امریکہ کا دوست یا دشمن۔ مجھ کو تو ایک چیز کی اور صرف ایک چیز کی تشنگی ہے اور وہ آزادی ہے۔ مگر ایک نہ سنی گئی اور اُس کی طرف سے اعلانِ جنگ کر دیا گیا۔ نیشنلسٹ اداروں کانگریس، جمعیتہ علماء وغیرہ نے پروٹسٹ کیا۔ صدائے احتجاج بلند کی۔ اپنی کمزوری اور عدم استطاعت اور اپنی عدم خوشنودی کا آوازہ بلند کیا۔ مگر سب صدا بصحرا ثابت ہوا۔ لارڈ ہیلی فیکس [LORD HALIFAX] اور دوسرے برطانوی ایجنٹوں نے پروپیگنڈوں کے وہ طومار تصنیف کئے کہ الامان الحفیظ۔

(۲) آرڈی ننسوں کی بوچھاڑ کی گئی۔ روزانہ کئی کئی آرڈی ننس جاری کئے جانے لگے اور اُس قدیمی دعویٰ کو بالکل بھلا دیا گیا جو کہ شیکسپیر [WILLIAM SHAKESPEARE] نے اپنے ان الفاظ میں کیا تھا۔ "آرڈی ننس سے بڑھ کر انگریزیت کے منافی دنیا میں کوئی چیز نہیں ہے"

(۳) جنگ کی مخالفت کرنے والوں بلکہ اُس کے خلاف میں لفظ مخالفت بولنے والوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا۔ جیلوں میں ٹھونس دیا گیا۔ جرمانے کئے گئے۔ مقدمے چلائے گئے حالانکہ خود انگلستان میں جنگ کی مخالف پارٹیاں تھیں اور ان کے لیڈر عام طور پر مخالفت میں لیکچر اور بیانات دیتے تھے مگر ان کی آزادی پر حرف نہیں آنے دیا گیا۔

(۴) ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ پاس کیا گیا اور اس کو ایسی وسعت دی گئی کہ کوئی شعبۂ زندگی

ایسا باقی نہیں جس پر یہ ایکٹ عائد نہ ہو سکتا ہو۔ لاکھوں بے قصوروں کو اس کے تیر کا نشانہ بنایا گیا اور اس قدر اس میں عموم پیدا کیا گیا کہ ہائی کورٹوں کے جج بھی چیخ اٹھے کہ ڈیفنس رولز نے ہم کو مفلوج بنا دیا ہے ہم اس کے ہوتے ہوئے اپنی بے بسی پر سوائے ماتم کیا کر سکتے ہیں

(۵) آرمی بل پاس کیا گیا جس کی بنا پر آزاد انسانوں کو غلام بنانے والی غیر مسلم حکومت کے لئے خون بہانے سے منع کرنا جرم ہو گیا اور اس کی سزا ایک سال کی قید مقرر کی گئی۔

(۶) ڈاک اور تار پر سنسر بٹھا دیا گیا۔ ادنیٰ ادنیٰ شبہوں پر قید و بند اور جرمانوں کی بوچھاڑ کی گئی خطوط کو معدوم کیا گیا۔ ڈاک کو اپنے وقت پر پہنچنے سے روکا گیا۔ غیر ملکی ڈاک تقریباً بند ہو گئی۔

(۷) پریس اور اخباروں کی آزادی بالکل چھین لی گئی۔ ان کو واقعات جنگ کی ان خبروں سے بھی روکا گیا جن کو رپوٹر یا انگریزی اخبار لکھتے تھے بلکہ ان کو خود ہندوستان کے واقعات کے شائع کرنے سے سختی سے روکا گیا اور جنہوں نے خلاف منشا کچھ لکھ دیا تھا ان پر انتہائی سختیاں کی گئیں۔ حالانکہ خود انگلینڈ میں پریس کو بہ نسبت ہندوستان کے بہت زیادہ بلکہ مکمل آزادی رہی۔ اُن کو قحط کے احوال۔ بیماریوں کی شدتٔ اہلِ ملک کے مصائب۔ پولیس اور حکام کی بے عنوانیوں اور مظالم کی اشاعت وغیرہ سے سختی سے روکا گیا۔ مقدمے چلائے گئے۔ ضمانتیں ضبط کی گئیں۔ جرمانے کئے گئے اور فقط ان چیزوں کی اشاعت کی اجازت دی گئی جن کو محکمۂ اشاعت شائع کرے۔

(۸) ملوں اور کارخانوں پر قبضہ کر لیا گیا اور اُن کو پبلک کی ضروری چیزوں سے روک کر نام نہاد فوجی ضرورتوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا، عموماً ہر قسم کی صناعتوں پر کنٹرول قائم کر دیا گیا۔

(۹) غلہ کے گوداموں اور دیگر ضروریات کے مخزنوں پر قبضہ کر لیا گیا اور ان کو من مانے طریقوں اور مقاصد میں خرچ کیا گیا۔

(۱۰) اناج کے کھیتوں پر تیار ہوتے ہی قبضہ کر لیا گیا۔ کاشتکاروں اور زمینداروں کو اس سے محروم کر دیا گیا۔

(۱۱) ریلوں اور انجنوں پر کنٹرول کر دیا گیا۔ بکثرت گاڑیاں اور انجن بیرون ہند بھیج دیئے گئے۔ بہت سی لائنیں اکھاڑ دی گئیں۔ مسافروں کی ٹرینیں کم کر دی گئیں جس کی وجہ سے مسافروں کو سخت تکالیف اٹھانی پڑیں۔ لوگ ریل کے ڈبوں کی چھتوں اور باہر کی پٹریوں پر سفر کرنے پر مجبور ہوئے۔ گاڑیاں اس قدر بھری چلنے لگیں کہ مسافروں کو کھڑے کھڑے سفر کرنا پڑا۔ ہجوم مسافرین کی وجہ سے لوگ انٹر کلاس اور سیکنڈ کلاس میں بھرنے لگے۔ بہت سے لوگ جو چھتوں یا باہر کی پٹریوں پر ہوتے تھے ٹکرا کر مر گئے۔

(۱۲) پٹرول اور مٹی کے تیل وغیرہ پر کنٹرول کر دیا گیا اور نہایت ہی قلیل مقدار میں بمشکل دیا گیا جس سے پبلک کی نقل و حرکت میں انتہائی مشکلات کا سامنا ہو گیا۔

(۱۳) نیشنلسٹ جماعتوں اور افراد کو پکڑ پکڑ کر جیل میں ٹھونس دیا گیا اور بلا مقدمہ چلائے ہوئے سالہا سال تک اُن کو حقوقِ شہریت اور آزادی سے محروم کر دیا گیا۔ ایسے سیکیورٹی پرزنر بندوں کی تعداد تقریباً چوبیس ہزار یا اس سے زائد بتائی گئی ہے۔ باوجودیکہ بمبئی میں کانگریس کا اجلاس ۸؍ اگست ۱۹۴۲ء کو ہونے والا تھا مگر نیشنلسٹوں اور کانگریسیوں کے لئے وارنٹ گرفتاری ۵؍ اگست سے جاری کر دیئے گئے اور باوجودیکہ کانگریس نے سول نافرمانی کا کوئی پروگرام نہیں بنایا تھا۔ مگر اُن کو مجرم قرار دیا گیا اور باوجودیکہ کانگریس نے سول نافرمانی کے پروگرام کو گاندھی جی کو سونپا تھا اور گاندھی جی نے اس کے بنانے کو وائسرائے کی ملاقات ہونے پر موقوف رکھا تھا۔ مگر سب کو آناً فاناً میں گرفتار کر لیا گیا۔ اور بالخصوص کانگریس ورکنگ کمیٹی کو دفعتاً گرفتار کر کے غیر معلوم جگہ میں خفیہ طریقے پر پہنچا دیا گیا اور اُسی دن تمام ملک اور تمام صوبوں میں یکبارگی گرفتاری جاری کر دی گئی اپنے محبوب اور جاں باز لیڈروں کی یہ اہانت اور مظلومیت دیکھ کر عام پبلک میں اشتعال کا پیدا ہو جانا طبعی امر تھا۔ کانگریس کا اصول ہمیشہ عدم تشدد اور اہنسا چلا آتا تھا اور اسی کی سخت تاکید بمبئی کے اس اجلاس میں بار بار کی گئی تھی۔ مگر کانگریسیوں اور مقامی کارکنوں اور جمعیت علماء کے ممبروں اور کارکنوں پر تشدد اور بدامنی کا الزام تراشا گیا۔ خصوصاً جمعیت علماء صوبہ آسام پر نہایت سختی کی گئی اور جمعیۃ صوبہ آسام کو خلاف قانون قرار دیا گیا گاندھی جی پر بھی جاپان کے ایجنٹ ہونے کا الزام رکھا گیا اور امریکہ میں ان کا پورا پروپیگنڈہ کیا گیا مگر دو برس گزر جانے کے بعد مسٹر ایمری [MR. AMERY] نے فرمایا کہ ہمارا یہ خیال کبھی بھی نہیں تھا۔ اگرچہ مختلف مقامات پر گورنمنٹ کی اس امن سوز کارروائی سے مشتعل ہو کر عام لوگ تشدد آمیز کارروائی بھی کر بیٹھے۔ مگر وہ کسی تشکیل ادارہ کے پروگرام کا نتیجہ نہ تھا بلکہ گورنمنٹ کی اشتعال آمیز غلط کارروائی کا ثمرہ تھا جس کی ذمہ دار خود گورنمنٹ تھی متعلقہ حکام اور پولیس اور فوج کو اس بہانے سے غیر محدود اختیارات دے دیئے گئے جس کی بناء پر ظلم و ستم، مار دھاڑ، قتل و غارت، رشوت ستانی اور لوٹ وغیرہ کا چاروں طرف بازار گرم کر دیا گیا۔ بہت سے باامن مجموعوں پر گولیاں چلائی گئیں۔ ہزاروں غیر مجرموں کو جیل کی کوٹھریوں میں ٹھونس دیا گیا۔ اُن پر مقدمات چلائے گئے سپیشل کورٹ قائم کر دیئے گئے۔ بلا تحقیق اور بغیر ثبوت اور بغیر صفائی سزائیں دے دی گئیں۔ دہشت انگیزی کے مظاہرے چاروں طرف جاری کر دیئے گئے۔ عام لوگوں کے جان و مال، عصمت و عفت خطروں میں ڈال دیئے گئے اور جو کچھ نہ ہونا چاہیئے تھا ہو کر رہا اور پھر اس سب پر اپنی معصومیت کا ایسا پردہ ڈالا گیا کہ گویا کچھ بھی نہیں ہوا۔

(۱۴) ان تشددات نا جائزہ کے کرنے والے حکام اور پولیس اور فوجیوں کو خصوصی کمیونکوں سے آئندہ کے لئے بھی مطمئن کر دیا گیا کہ ان کی کسی زمانہ میں کوئی بازپرس نہ ہوگی اور نہ کسی کورٹ میں ان پر کوئی مقدمہ دائر ہو سکے گا۔

(۱۵) دیہاتیوں اور کاشتکاروں اور زمینداروں کے مکانوں میں گھس گھس کر بجبر اُن سے غلوں کے ذخیرے جو کہ انہوں نے اپنے بال بچوں کے لئے سال بھر کے گذارے کے لئے جمع کر رکھے تھے چھینے گئے اور صرف اتنا غلہ ان کے پاس چھوڑا گیا جو کہ بشکل ۳ مہینے کے لئے کافی ہو سکتا تھا، چنانچہ اس پر بارہا مرکزی اسمبلی میں سوال بھی اٹھایا گیا۔

(۱۶) مختلف طریقوں سے چاروں طرف سے غلوں کے ذخائر جمع کرلئے گئے اور ان میں غیر منصفانہ من مانی کارروائی کی گئی۔ ملک سے باہر بڑی بڑی مقداروں میں یہ ذخائر بھیج دیئے گئے۔

نہ صرف ہندوستانی فوجوں کی ضرورتوں کے لئے بلکہ غیر ہندوستانی فوجوں کے لئے بھی اور نہ صرف فوجوں ہی کے لئے بلکہ روس وغیرہ دوسری اتحادی حلیف قوموں اور ملکوں کے لئے بھی۔

اس کے لئے ایک خاص یورپین کمپنی بنائی گئی جس کا نام یونائیٹڈ کنگڈم کمرشل کارپوریشن ہے اس نے کپڑا، غلہ اور دیگر سامان روس، مشرق وسطیٰ، افریقہ وغیرہ میں بے شمار مقدار میں بطور تجارت اور امداد پہنچایا جس میں ہندوستانیوں کی ضرورت اور بھوک کا کوئی خیال نہیں کیا گیا تا اینکہ چاروں طرف ہندوستان میں بالخصوص صوبہ بنگال، آسام اور جنوبی ہند میں قحط اور کال پھوٹ پڑا اور لوگ بھوکے مرنے لگے۔ نیو اسٹیٹسمین لندن لکھتا ہے: "ہندوستان کا موجودہ قحط قدرت کی طرف سے نہیں بلکہ انسانی ہاتھوں کی طرف سے لایا گیا ہے اس لئے کہ ہندوستان کا گیہوں مشرق وسطیٰ کی فوجوں کا پیٹ بھرنے کے لئے بھیجا جا رہا ہے نیز لنکا اور ایران کی فوجی ضروریات کے لئے کثیر مقدار میں جا رہا ہے۔ ایسے حالات میں گیہوں کو باہر بھیجنا غلط ہی نہیں ایک مجرمانہ فعل بھی تھا۔ موجودہ سرکاری مشین بالکل بے کار ہے اس لئے کہ عوام کو بے جا لوٹ کھسوٹ سے بچانے کے لئے اور لوگوں میں باہمی امداد و ہمدردی کے جذبات کو تحریک میں لانے کے لئے صرف وہی نظم و نسق کامیاب ہو سکتا ہے جو عوام کے ہر دلعزیز افراد پر مشتمل ہو۔

(مدینہ ۱۳ر جولائی ۱۹۴۳ء ص ۵ ع ۲۳)

انگلستان کے بورڈ آف ٹریڈ کے سیکرٹری نے دارالعوام میں ایک مزدور ممبر کے سوال کا جواب دیتے ہوئے یونائیٹڈ کنگڈم کمرشل کارپوریشن کے اغراض اور انجمن مذکور میں ہندوستانیوں کے دخل و اختیار کے

متعلق فرمایا کہ :-

"یہ انجمن حکومت برطانیہ کی طرف سے روس کو سامان خورد و نوش اور دوسری اشیار ضروریہ فراہم کرتی ہے۔ انجمن میں کوئی ہندوستانی ڈائرکٹر نہیں ہے بلکہ یہ حکومت ہند کے مشورہ کے مطابق کام کرتی ہے جو ہندوستانیوں کے مفاد کی محافظ ہے۔"

(مدینہ بجنور ۵ راگست ۱۹۴۳ء)

مسٹر وینڈل ولکی [MR. WENDELL WILKIE] نے اپنے سفر روس سے واپسی پر اعلان کیا تھا کہ روس کے پاس نہ کھانے کا سامان باقی رہا ہے نہ پہننے کا اور روسی کامیابی کو اس زمانہ میں اس بنار پر نہایت مشکل قرار دیا تھا۔ مگر ہندوستان کے رحم دل آقا نے اس قدر غلہ اور کپڑا وغیرہ وہاں پہنچایا کہ تمام ملک روس اور اُس کی فوجیں بھوک اور ننگے ہونے سے آزاد ہوکر اس قدر قوی ہو گئیں کہ جرمن کو شکست پر شکست دینے لگیں۔ غور کیجئے کہ اتنے بڑے ملک اور اتنی بڑی فوج کے لئے کس قدر غلہ اور کپڑا بھیجا گیا ہوگا۔ اگرچہ اس کو صیغۂ راز میں رکھا گیا ہے تاہم بعض اعداد ملاحظہ ہوں :-

دارالعوام میں مسٹر چرچل [SIR WINSTON CHURCHILL] نے اپنے ایک بیان میں ان امدادی اشیار کی تفصیلات بتائیں جو گذشتہ ڈھائی سال میں روس کو بہم پہنچائی گئیں۔ انہوں نے بتایا کہ یکم اکتوبر ۱۹۴۱ء سے ۳۱ رمارچ ۱۹۴۴ء تک ہم نے سوویٹ یونین کو (۵۰۳۱) ٹینک بہم پہنچائے جن میں سے (۱۲۲۳) کناڈا کے تھے۔ ہم نے (۶۷۷۸) ہوائی جہاز بہم پہنچائے جن میں سے (۱۹۷۲) امریکہ کے بھیجے ہوئے شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ہم نے (۸۰) کروڑ پونڈ کی مالیت کی خام اشیار مثل غلہ، مشینیں، صنعتی پلانٹ اور طبی اشیار اور آسائشی چیزیں بھی بھیجی ہیں۔"

(روزنامہ حقیقت لکھنؤ جلد ۳۲ نمبر ۸۶، ۱۴ رمئی ۱۹۴۴ء)

سرکاری بیان کے مطابق ۱۹۴۰-۳۹ء میں ۷۰۰۰ ہزار ٹن گیہوں ہندوستان سے باہر گیا اور ۱۹۴۲-۴۱ء میں ۱۵۸۰۰ لاکھ ٹن گیہوں باہر بھیجا گیا۔ (انجمن بمبئی ۵ رجولائی ۱۹۴۳ء)

مسٹر عزیز الحق صاحب ممبر محکمہ خوراک حکومت ہند فرماتے ہیں :-

ہندوستان سے ۱ جنوری ۱۹۴۳ء سے اب تک (اگست ۱۹۴۳ء) ۵۸ ہزار ٹن گیہوں اور چاول باہر بھیجا گیا۔ اس میں وہ گیہوں اور چاول بھی شامل ہے جو یہاں سے لنکا کو بھیجا گیا۔ فوجوں کے لئے جنوری سے جولائی تک دو لاکھ ۹۶ ہزار ٹن گیہوں اور چاول خریدا گیا۔ (تیج ۱۱ راگست ۱۹۴۳ء)

مذکورہ بالا بیانوں اور اعداد و شمار سے ظاہر ہے کہ ہندوستان سے غلّہ کے بڑے بڑے ذخائر دوسرے ملکوں اور بالخصوص روس کو بھیج کر ہندوستان میں قحط ڈالا ہے۔ مسٹر فضل حق آف بنگال کے بیانات، گورنر بنگال کے غلہ کے مخزنوں کے متعلق مستبدانہ تصرف کر کے غائب کر دینے کے شائع ہو چکے ہیں نیز غلوں کے مخزنوں میں سے پبلک کو وقت پر غلّہ نہیں دیا گیا، حالانکہ پبلک بھوک سے مر رہی تھی۔ قریبی اطلاعات میں شائع کیا گیا ہے کہ مداری پور سب ڈویژن میں (۷۵) ہزار من چاول سرکاری گوداموں میں سڑنے لگا ہے۔ یہ وہ چاول ہے جو کہ بنگال کی حکومت نے سال گذشتہ وہاں بھیجا تھا مگر نرخ کی گرانی کی وجہ سے فروخت نہ ہو سکا تھا یہ بھی کہا گیا ہے کہ بیس ہزار من گیہوں اور دالوں کا بھی بڑا ذخیرہ اسی طرح خراب ہو رہا ہے صوبوں کی حکومتیں اور ان کے حاشیہ نشین حکام نفع خوری کی حرص میں پڑ گئے۔ اناج پر قبضہ کر کے یا بلیک مارکیٹ میں پہنچایا یا ان پر نفع خوری کی غرض سے اس قدر مہنگائی کا بوجھ رکھ دیا کہ عام پبلک اُن کی خریداری سے عاجز آ گئی۔ ان کی فرد ختگی کی لالچ میں باہر سے غلّہ آنے نہیں دیا۔ یا اگر پہنچا بھی تو اُن کو چھپا دیا۔ ان منحوس کارروائیوں کی تفصیل بارہا اخباروں میں آ چکی ہے۔ نیز فوجی مخازن میں بے تعداد غلّہ بھر دیا گیا جو کہ خرچ سے بہت زیادہ تھا۔ مدت گذرنے کے بعد وہ سڑنے لگا تو اُس کو جلا دیا گیا۔ پھر ان مخازن میں دوسرا غلّہ لا کر بھر دیا گیا۔ ایسے معاملات بہت زیادہ ہوتے رہے۔ چونکہ فوجی حکام اور کارکنوں پر دیکھ بھال رکھنے والی مثل انگلینڈ یہاں کوئی جماعت نہ تھی اس لئے فوجی حکام بے خوف و خطر اور بغیر ہمدردی و محبت من مانی کارروائیاں عمل میں لاتے رہے۔ مرکزی اسمبلی میں بارہا یہ سوال اٹھایا گیا، مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ اگر قومی حکومت خواہ عارضی ہی ہوتی تو جانچ پڑتال کرتی اور اس طرح فوجی حکام کو مطلق العنان نہ ہونے دیتی۔ ظاہر ہے کہ پردیسی آقاؤں کو کیا ہمدردی ہو سکتی ہے۔ مسٹر جیمس میڈس [MR. JAMES MADDIS] امریکی جنہوں نے ۵۴ ہزار میل کا سفر کر کے دنیا کو دیکھا ہے اور انہوں نے اپنے احوال سفر کی دلچسپ کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے اخبار نیویارک ٹائمز [NEWYORK TIMES] مورخہ ۱۴ ارمئی ۴۴ء لکھتا ہے:۔

"ہندوستان دیکھ کر وہ مسٹر جیمس میڈس [MR. JAMES MADDIS] بہت منغض ہوئے انہیں یہ دیکھ کر سخت غصہ آیا کہ اس وقت جبکہ کلکتہ کی سڑکوں پر ہزاروں آدمی بھوک سے دم توڑ رہے تھے اس وقت حکام سامان لے جانے والے موٹروں اور ریلوں میں کلکتہ کی ریس کے لئے گھوڑے لے جانے کی اجازت دے رہے تھے۔"

اجمل بمبئی ۱۶ ارمئی ۴۴ء زیر عنوان "ریلوں پر بھوکوں کے اناج نہیں ریس کے گھوڑے لائے جاتے

ہیں۔ برطانوی حکام کی سنگ دلی پر امریکن ممبر سینیٹ کا غصہ)

"مسٹر ایمری [MR. AMERY] وزیر ہند کی ۸ رجون ۱۹۴۴ء کی تقریر میں تسلیم کیا گیا ہے کہ ہندستان نے امریکہ کو جنگی مقاصد کے لئے خام اشیاء اناج اور دوسرا سامان بھی دیا ہے۔ علاوہ اس کے اور بھی دوسری وجوہ قحط کی ہیں۔"

رسالہ لائف نیویارک [LIFE NEWYORK] ۷ر دسمبر ۱۹۴۳ء لکھتا ہے:۔

"دس لاکھ ہندوستانیوں نے اپنی جانیں دے کر مصنوعی افزائش زر کے ہولناک نتائج کو بے نقاب کیا۔" تعداد اموات کے متعلق لکھتا ہے:۔

"اس خوفناک حادثہ کے لئے ہر قسم کے وجوہ پیش کئے جاتے ہیں۔ جہاں تک غلہ کا تعلق ہے وہ ملک میں ۱۹۴۲ء اور ۱۹۴۱ء کے مقابلہ میں زیادہ تھا یعنی ۵،۳۵،۶۷،۰۰۰ کروڑ ٹن۔ بعض مقامات پر کمی ضرور پڑی لیکن اصل اسباب دو ہیں۔ اوّل ذمہ دارانہ حکومت کا لوٹ جانا اور دوسرے زر کی مصنوعی افزائش۔"

(اجمل بمبئی ۸ر دسمبر ۱۹۴۳ء)

قحط سے صرف بنگال میں مرنے والوں کے اعداد و شمار کے متعلق اگرچہ وزیر ہند صرف اٹھارہ لاکھ تہتر ہزار سات سو پچاس آدمیوں کا اقرار کرتے ہیں۔"

(حقیقت لکھنؤ، ۲ر اپریل ۱۹۴۴ء)

ڈاکٹر بی۔ سی رائے صدر میڈیکل ریلیف تیس لاکھ فرماتے ہیں۔ دوسرے اخباروں میں نوے لاکھ تک اعداد آئے ہیں۔ اگرچہ اٹھارہ لاکھ کا عدد بھی کچھ کم نہیں ہے۔ چھ برس کی لڑائی میں امریکہ اور برطانیہ کی فوجوں سے مرنے والوں کی تعداد اتنی بھی نہیں ہے جتنی کہ بنگال جیسے باامن صوبہ میں بلا جنگ و جدال حکومت ہند کی بے عنوانیوں، سنگدلیوں اور مذکورہ بالا ہمدردیوں، خودغرضیوں کی بنا پر واقع ہوئی۔ اگرچہ بنگال کی دردناک موت کے احوال پر بہت سخت اور موٹا پردہ ڈالا گیا، مگر جس قدر بھی بیانات اخباروں میں اس زمانہ میں شائع ہوئے نہایت ہی ہولناک ہیں جن کو سن کر سخت سے سخت دل والے انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اخبار لکھتا ہے کہ حکومت سندھ نے ساڑھے چار کروڑ روپیہ دو سال میں کمایا اسی قسم کی شکائتیں حکومت پنجاب، سرحد، بنگال وغیرہ کے متعلق بارہا شائع ہو چکی ہیں مگر حکومت ہند کان میں تیل ڈالے ہوئے بیٹھی ہے اور سب کچھ کرا رہی ہے۔

(۱۷) باوجودیکہ برما اور ہندچینی وغیرہ کے نکل جانے کی وجہ سے وہاں سے چاول ہندوستان میں آنا

بند ہو گیا تھا اور باوجودیکہ حکومت کو مشرق وسطیٰ اور افریقہ کی فوجوں اور اپنے حلفاء کے لیئے غلہ بھیجنے کی ضرورت معلوم تھی مگر اناج کی کاشت کی فراوانی کی طرف بالکل توجہ نہیں کی گئی بلکہ اور جنگی ضرورتوں کی فراوانی کاشت میں کر دی گئی۔ سرکاری بیان جولائی سنہ ۴۳ء کا حسب ذیل ہے:-

"اس سال جوٹ میں پچاس فی صدی اضافہ ہوا۔ ارنڈ میں ۳۶ فیصدی۔ مونگ پھلی میں چار فیصدی السی میں ۱۴ فیصدی، گیہوں میں ۹ فیصدی۔ گنا تیس فیصدی، چاول کم پیدا ہوا۔"

اِن تمام سالوں میں بارش بہت اچھی ہوئی تھی۔ پیداوار بھی اچھی ہوتی رہی مگر اس خود غرضی اور مجرمانہ غفلت اور بیدردی کی وجہ سے وہ ہولناک قحط پیدا کیا گیا جس کو سُن کر دل کانپنے لگتا ہے۔

(۱۸) ہندوستان کی برآمد پر کنٹرول کیا گیا جو مال ہندوستان سے امریکہ وغیرہ کو گیا اس کی قیمت وصول کر کے برطانیہ نے اپنے قرضہ میں دے دیا اور اس قیمت کے بدلہ میں گورنمنٹ انگلستان نے ہندوستان کو قرض کے چک (ضمانتی تمسکات) دے دیئے جس کو اسٹرلنگ قرضہ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح انگلستان میں جو اور دوسرا روپیہ موجود تھا۔ اس سب کو لے لیا گیا اور سب کو قومی قرضہ اور اسٹرلنگ قرضہ میں محسوب کر لیا گیا ہندوستان سے زائد برآمد ہر سال کروڑوں کی مقدار میں ہوتی رہی ہے۔ تفصیل ملاحظہ ہو:-

سنہ ۱۹۳۸-۳۹ء	۷۱ کروڑ روپیہ
سنہ ۱۹۳۹-۴۰ء	۴۸ کروڑ روپیہ
سنہ ۱۹۴۰-۴۱ء	۴۲ کروڑ روپیہ
سنہ ۱۹۴۱-۴۲ء	۸۰ کروڑ روپیہ
سنہ ۱۹۴۲-۴۳ء	۸۴ کروڑ روپیہ

اس مقدار اور سنہ ۴۳-۴۴ء اور سنہ ۴۴-۴۵ء مقدار کے جملہ قرضوں کو اسٹرلنگ قرضہ میں شمار کیا گیا ہے اس میں سے ہندوستان کو ایک حبہ نقد نہیں ملا بلکہ یہ وعدہ کیا گیا کہ جنگ کے بعد اس کے مقابلہ میں تم کو سامان اس کی قیمت سے دیا جائے گا۔ اسی کے متعلق جناب وائسرائے نے اپنی کلکتہ والی تقریر میں دسمبر میں فرمایا ہے کہ اسٹرلنگ قرضہ کا پورا احترام کیا جائے گا غور کرنے کی بات ہے کہ (الف) روپیہ نقد نہیں دیا جاتا حالانکہ مال لے لیا گیا ہے، سب کا سب قرض شمار کیا جاتا ہے۔ (ب) اس کی ادائیگی بعد از جنگ ہوگی جس کی مدت کچھ معلوم نہیں ہے۔ آج ہی آج کہتے کہتے چھ برس گذر چکے ہیں اگر وہ نقد ہندوستانی ارباب اموال کو مل جاتا تو وہ دوسرے وجوہ تجارت میں خرید و فروخت کر کے ترقی حاصل کرتے (ج) قرضہ بھی نقد کی صورت

میں ادا نہیں کیا جائے گا بلکہ سامان کی صورت میں ہوگا جس میں برطانوی سرمایہ دار کی منفعت ہی منفعت ہے برطانیہ نے یہ مقدار روک کر بھی نفع اُٹھایا اور ادا کر کے بھی نفع حاصل کیا (د) اس مال کی قیمت بھی سرمایہ اور اس کا سرمایہ دار تشخیص کرے گا۔ ہندوستان اور اُس کے تاجروں کو تشخیص قیمت میں کوئی دخل نہ ہوگا۔ اس لئے منہ مانگے منافع وصول کیا جائے گا۔ اگر نقد ہندوستان کو دیدیا جاتا تو جہاں سے اس کو مال سستا ملتا خرید لیتا (ک) یہ مال چونکہ ایام جنگ کا بنا ہوا ہوگا اس لئے نہایت گراں ہوگا کیونکہ مزدوری اور جملہ اشیا اس زمانہ میں نہایت گراں ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ایسی عجیب و غریب تجارت قائم کی گئی ہے جس کی نظیر تمام دنیا میں نہیں پائی جاتی۔ برطانیہ کو اس میں سراسر نفع ہی نفع ہے اور ہندوستان کو سراسر نقصان۔

(۱۹) ہندوستان سے اصلی زر سونا اور چاندی اور اُس کے سکے مختلف طریقوں سے لئے گئے اور ان کے بدلے میں عموماً کرنسی نوٹ اور نہایت کم چاندی والا تھوڑا سا روپیہ دیا گیا۔ کرنسی نوٹ (مصنوعی زر) کی نہایت کثرت کر دی گئی۔ ماہوار اضافہ ہوتا رہا تا اینکہ ایک ارب ۵ کروڑ سے بڑھ کر دس ارب سے زیادہ ہوگئی۔ تفصیل ذیل ملاحظہ ہو۔

سنہ ۴۰-۱۹۳۹ء	۴۹/۴۵	کروڑ روپیہ
سنہ ۴۱-۱۹۴۰ء	۱۹/۱۱	〃 〃
سنہ ۴۲-۱۹۴۱ء	۱۵۲/۴۰	〃 〃
اپریل سنہ ۱۹۴۲ء	۳۲/۵۵	〃 〃
مئی سنہ ۴۲ء	۵۰/۵۹	〃 〃
جون سنہ ۴۲ء	۶۱/۹۴	〃 〃
جولائی سنہ ۴۲ء	۶۹/۷۵	〃 〃
اگست سنہ ۱۹۴۲ء	۱۳/۰۱	کروڑ روپیہ
ستمبر سنہ ۱۹۴۲ء	۱۱۱/۳۴	〃 〃
اکتوبر سنہ ۱۹۴۲ء	۱۳۲/۴۴	〃 〃
نومبر سنہ ۱۹۴۲ء	۱۵۹/۱۱	〃 〃
دسمبر سنہ ۱۹۴۲ء	۱۸۹/۱۱	〃 〃
جنوری سنہ ۱۹۴۳ء	۲۱۲/۰۰	〃 〃
مارچ سنہ ۱۹۴۳ء	۳۳۸/۰۰	〃 〃
اپریل سنہ ۱۹۴۳ء	۳۰۲/۰۰	〃 〃

(مدینہ بجنور ۲۵ اکتوبر سنہ ۱۹۴۳ء)

اس زور شور سے اضافہ ہوتے ہوئے اب اُس کی مقدار مارچ سنہ ۱۹۴۵ء تک دس ارب اکانوے کروڑ اسی لاکھ روپے تک پہنچ چکی ہے۔ (الجمعیۃ ۲۴ مارچ سنہ ۱۹۴۵ء)

(۲۰) اس طرح حقیقی زر کی قلت اور مصنوعی زر کی کثرت، غلہ اور دوسری ضروریات پر قبضہ، ٹیکسوں کی ہر چیز پر فراوانی وغیرہ اُمور کا یہ اثر ہوا کہ اُن اشیاء کی جن پر مدار زندگی تھا قیمتیں بہت زیادہ ہوگئیں

بلکہ بسا اوقات یہ ضروریاتِ زندگی ملنی دشوار ہوگئیں اور اس قدر گرانی ہوگئی کہ خود اُن ممالک میں جہاں غلہ وغیرہ کی پیداوار بھی نہ تھی اور وہ بالذات جنگ میں مشغول تھے اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں ہوا ۔

لنڈن ۲۸ اگست معاصر اسٹیٹسمین [STATESMAN] کا نامہ نگار لکھتا ہے کہ ہندوستان میں کھانے پینے کی جو حالت پیدا ہوگئی ہے ۔ اس سے یہاں بڑی تشویش ہوگئی ہے ۔ خاص کر اس قسم کی خبروں سے کہ کلکتہ میں لوگ بھوک کے تڑپ کر جان دے رہے ہیں برطانیہ کا کنٹرول ہندوستان کے مقابلہ میں کامیاب رہا برطانیہ کی لیبر وزارت نے خوراک کے متعلق جو انڈکس شائع کیا ہے اُس سے پتہ چلتا ہے کہ برطانیہ میں کھانے پینے کی چیزوں میں ستمبر ۱۹۳۹ء کے مقابلہ میں صرف ۲۲ فیصدی کا اضافہ ہوا ہے یہ بہت معمولی اضافہ ہے لیکن یہ اضافہ روٹی، دودھ، گوشت، پنیر وغیرہ میں ہوا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ اس قسم کی کھانے پینے کی چیزوں ایندھن اور کرایہ ریل کم رکھنے کے لئے حکومت ۸۰ کروڑ پونڈ سالانہ کی مالی امداد مالدار لوگوں سے ٹیکسوں کے ذریعے وصول کرتی ہے جن چیزوں کے لئے مالی امداد نہیں ملتی ان کا بھاؤ تین گنا تیز ہوگیا ہے اس میں سبزی اور پھل شامل ہیں۔ کپڑے کا بھاؤ بھی دوگنا اور تین گنا ہے۔ برطانیہ میں کھانے پینے کی چیزوں میں جہاں صرف ۲۲ فیصدی کا اضافہ ہوا ہے ہندوستان میں پانچسو فیصدی سے لے کر چھ سو بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ اضافہ ہوگیا ہے ۔ (مدینہ ۵ ستمبر ۱۹۴۳ء)

اگرچہ گورنمنٹ نے قیمتیں مقرر کیں اور کنٹرول کے احکام نافذ کئے۔ مگر یہ عمل اس وقت میں شروع کیا گیا جبکہ انڈیکس تین سو تک بڑھ گیا تھا اور بازار میں قیمتوں کا اضافہ دوسو چالیس اور دوسو پچاس تک ہوگیا تھا نیز بدانتظامی اور بے توجہی کی بنا پر کوئی کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔ موثر طریقہ پر قوانین نافذ نہ ہوسکے بلیک مارکیٹ میں غلہ اور دیگر اموال جمع ہیں اور کنٹرول کا نمائندہ پبلک ضرورتوں کے پورا کرنے سے قاصر ہے اگرچہ بہت سے لوگوں کو پولیس گرفتار بھی کر رہی ہے۔ مقدمات بھی چلائے جا رہے ہیں۔ بھاری بھاری جرمانوں کی جھڑی بھی لگی ہوئی ہے۔ مگر خدا جانے موجودہ گورنمنٹ ہی نااہل ہے یا وہ اپنی توجہ پوری طرح اس طرف منعطف نہیں کرتی کہ پبلک کے مصائب میں کمی کی صورتیں پیدا ہوں جنگ کے زمانے میں کنٹرول کی ضرورت مسلم ہے مگر سوال محض کنٹرول کا نہیں ہے بلکہ اُس کے طریقوں اور اُن پر عمل درآمد ہے۔ تجربہ نے بتا دیا ہے کہ اس باب میں حکومت کی کارگزاریاں قابلِ اطمینان اور قابلِ تحسین نہیں ہوئیں بلکہ سراسر ناقص رہیں۔

(۲۱) جس طرح اناج کے متعلق گورنمنٹ کی غلط اور غیر ہمدردانہ کارروائیوں نے انتہائی گرانی اور قحط میں

مبتلا کرکے لاکھوں بلکہ کروڑوں ہندوستانیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اسی طرح کپڑوں کے متعلق نہایت نازیبا اور انسانیت سوز کارروائیاں کی گئیں۔ تاریخ کے صفحات شہادت دیتے ہیں کہ ۱۸۰۰ء کے بعد بھی نصف صدی تک ہندوستان باوجود دُخانی ملوں کی عدم موجودگی کے اتنا کپڑا تیار کرتا تھا جو کہ تمام ہندوستانیوں کی پوشاک سے بڑھ کر ستّر، اسّی ہزار گانٹھوں سے زاید ہندوستان کے باہر دیگر ممالک میں دُور دور تک تجارت کے لئے جاتا تھا۔ ڈاکٹر فرانسس بکانن [DR. FRANCIS BUCHANAN] مگر ایسٹ انڈیا کمپنی کی رقابت اور اُس کی ملعون مساعی نے جن کی ابتدا ۱۷۶۹ء سے شروع ہوتی ہے ہندوستانیوں کی کپڑے اور سوت کی صنعت بلکہ عمدہ روئی کی کاشت تک کو بالکل برباد کر دیا اور ہندوستان کو مجبور کر دیا کہ وہ انگلینڈ کی ملوں کے بنے کپڑوں ہی کو خریدے اور استعمال کرے۔ چنانچہ انگلینڈ اور پھر جاپان وغیرہ سے کپڑا لا لاکر ہندوستان میں ٹھونسا گیا۔ ہندوستانی کپڑا بننے والا تقریباً زندہ درگور کر دیا گیا۔ اس صنعت کو، اس کے مراکز کو، اس کے صناعوں، اور آلات وغیرہ کو تقریباً فنا کر دیا گیا۔ مگر بیسویں صدی کے ابتدا میں کچھ لوگوں کو توجہ ہوئی اور احمد آباد بمبئی، شولاپور وغیرہ میں کچھ دخانی ملیں کپڑے اور سوت کی بنائی گئیں۔ اگرچہ اُن پر قیود اور ٹیکس گراں عائد کئے گئے جن کی بنا پر وہ حسب خواہش وضرورت ترقی نہ کر سکیں تاہم اُن سے ملک کو فائدہ پہنچا اور گذشتہ جنگِ عظیم میں انہوں نے بہت کچھ کام کیا۔ جنگِ عظیم کے بعد اگرچہ اِن ملوں میں اضافہ ہوا مگر یہ تمام مِلیں ہندوستان کے لئے کسی طرح کافی نہیں تھیں۔ اس لئے ہمیشہ ہندوستان انگلینڈ اور جاپان وغیرہ کا بڑے درجہ میں محتاج اور کپڑوں کا خریدار رہا۔ ۱۹۱۹ء کے بعد گاندھی جی نے جو کہ جنگِ عظیم کے بعد خوب چوکنے ہو گئے تھے۔ کھدّر اور چرخے کی اسکیم پھیلائی۔ یقیناً اس اسکیم سے ملک کو بہت ہی زیادہ فائدہ ہوا۔ کاش عام طبقہ متفقہ طور پر اس اسکیم پر عامل ہو جاتا تو آج کل کی مصیبتیں بھی سامنے نہ آتیں اور ہندوستان کا عظیم الشان مالی حصہ باہر جاتا۔ گاندھی جی نے منظم تحریک چرخا سنگھ کی چلائی اور وہ تحریک خدا کے فضل سے بڑی کامیاب ہوئی۔ جا بجا اُس کے مراکز اور دفاتر قائم ہو گئے اور ہندوستانی پبلک کو بہت زیادہ فائدہ ہونے لگا۔ اس شعبہ (چرخا سنگھ) کے کارکن اگرچہ عموماً کانگریسی ہی تھے مگر وہ ستیاگرہ اور قانون شکنی وغیرہ سے بالکل علیحدہ تھے اور نہایت پُرامن رہتے تھے۔ اگست ۱۹۴۲ء میں ان سبھوں کو بھی گورنمنٹ نے جیلوں میں بند کر دیا۔ ان کے مخازن اور کرگھوں اور آلات اور اموال پر قبضہ کر لیا۔ بڑے بڑے کارکن جیلوں کی نذر ہو گئے اور چھوٹے کارکن بیکاری کی بھینٹ چڑھ گئے۔ آلاتِ سوت کشی، جاپانی آلات رنگینی ونقش ونگار وغیرہ سب کے سب کوٹھریوں میں بند کر دیئے گئے اور کیڑ خراب ہو گئے یا کر دیئے گئے۔ حالانکہ خیال کرنے اور سوچنے کی بات تھی کہ سمندری راستے

سب بند ہیں۔ باہر سے کپڑا آ نہیں سکتا ہے اور انگلینڈ کی ملیں یا تو بند ہیں یا سامان جنگ کی تیاری میں مصروف ہیں، ہندوستانی ملیں پارچہ بافی کے لئے کافی نہیں ہیں تو اس ادارے سے فائدہ اٹھانا چاہیئے تھا مگر تنگ دلی اور غلط کاری اور استبداد ملعون کو کیا کیا جائے۔

کپڑے اور سوت کی ملوں پر کام کا بوجھ زیادہ تر ڈالا گیا اور جنگی ضروریات سے فاضل کپڑا بازار اور منڈی میں نکالا گیا۔ ناکافی ہونے کی وجہ سے اس میں کشمکش ہوئی۔ گورنمنٹ نے تمام ملوں اور ان کی پیداوار کو اپنے کنٹرول میں لے لیا اور پھر اسی مثل کے مطابق " اندھا بانٹے شیرنی اور اپنوں اپنوں کو دے "گریس کو، چین کو، مصر کو، ایران وغیرہ کو بڑی بڑی مقدار میں بھیجنا شروع کر دیا۔ فوجوں کے لئے علیحدہ کوٹہ مقرر کر دیا صوبوں پر تقسیم میں غلطیاں کی گئیں۔ حسب تقسیم مقررہ مال پہنچنے اور عام ہندوستانیوں تک پہنچنے میں سخت بدنظمیاں ہوئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بجائے عام پبلک تک پہنچنے کے بلیک مارکیٹ میں اور بجائے غریب طبقے تک پہنچنے کے امراء اور حکام، نوابوں اور سروں کے بنگلوں میں اور بجائے سول آبادی کے فوجی افسروں کے یہاں پہنچ گیا۔ آئے دن اخباروں میں واقعات شائع ہوتے رہتے ہیں کہ فلاں جگہ فلاں عورت نے خودکشی کر لی۔ فلاں جگہ فلاں عورت نے کیونکہ سر ڈھانپنے کے لئے اس کے خاوند کو باوجود جد و جہد کپڑا نہ مل سکا۔ قریبی زمانہ میں اخباروں میں شائع ہوا ہے کہ بنگال کے کسی مقام پر ننگی عورتوں، بچوں اور مردوں کا جلوس نکالا گیا۔ مردوں کے کفن کے لئے کپڑا نہیں مل سکتا۔

(اجمل ۱۶ مارچ ۱۹۴۳ء)

ٹیکسٹائل کنٹرول بورڈ کے چیئرمین ایم۔ ڈی تھیکر کا بیان ملاحظہ ہو۔

۱۹۳۹ء میں ہندوستانی ملوں کا تیار کردہ سوت ایک ارب چھبیس کروڑ چالیس لاکھ (۱۲۶۴۰۰۰۰۰۰) پونڈ تھا۔ ۱۹۴۲ء میں ایک ارب باسٹھ کروڑ تیس لاکھ پونڈ ہو گیا۔ اس سوت سے ہر سال چھ ارب سر لر دو گز کپڑا تیار کیا جاتا ہے اور باقی ایک ارب نوے گز یا دو ہابس اور کرگھوں پر تیار ہوتا ہے۔ اگر یہ سارا کپڑا ملک میں شہری آبادی میں تقسیم کرنے کے لئے مل جائے تو فی کس ۲۵ء۶۶ گز کپڑا تقسیم کیا جا سکے (جنگ شروع ہونے سے پہلے تقریباً اسی مقدار میں ہندوستان کے بازاروں میں کپڑا رہتا تھا) مگر بدقسمتی سے اس پیداوار کا بہت بڑا حصہ شہری گاہکوں تک نہیں پہنچتا۔ کل پیداوار میں سے ۷۵ کروڑ گز اور بعض اوقات میں ایک ارب گز دفاعی لوازمات کے لئے فراہم کیا گیا اور پھر زیادہ سے زیادہ ساٹھ کروڑ گز کی مقدار ملک کے باہر بھی جاتی ہے۔ ہم نے (کنٹرول بورڈ کے چیئرمین نے) اور ٹیکسٹائل بورڈ کے چیئرمین نے حکومت ہند کو بارہا توجہ دلائی کہ جو کپڑا باہر

بھیجا جا رہا ہے اس کی مقدار کم کی جائے مگر شنوائی نہیں ہے اور کیوں ہوتی۔ یونائیٹڈ کنگڈم کمرشل کارپوریشن کو نفع کس طرح پہنچایا جا سکتا ہے۔ حلفاء جنگ کی خبر گیری کس طرح کی جا سکتی ہے۔ بلا سے ہندوستانی ننگے رہیں۔"

(اجمل بمبئی ۲۸ رمارچ)

اخبار ہندوستان اسٹنڈرڈ [HINDUSTAN STANDARD] نے مندرجہ ذیل سرخی کے ماتحت ایک خط کی نقل چھاپی ہے۔"جب کپڑے کا قحط پڑ رہا تھا حکومت ہند نے کلکتہ سے چین میں کپڑا بھیج کر کلکتہ کو کپڑے سے محروم کر دیا۔"

(اجمل بمبئی ۱۳ راپریل)

ٹائمز آف انڈیا [TIMES OF INDIA] کی رائے ہے کہ بنگال میں سر ناظم الدین کی وزارت کی شکست کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہاں کپڑے کا قحط پڑ گیا ہے۔ ادھر تو سول سپلائز کے وزیر مسٹر سہروردی نے اس الزام کی تردید کی کہ بنگال کو جو کپڑا بھیجا جاتا ہے وہ بلیک مارکیٹ میں چلا جاتا ہے۔ ادھر دوسرے ہی دن پولیس نے کپڑے کی گیارہ گانٹھوں کا پتہ چلایا جو ذخیرہ بازوں نے چھپا رکھی تھیں۔

ٹائمز آف انڈیا [TIMES OF INDIA] اس سے یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ "سر ناظم الدین کی وزارت صوبہ کا اقتصادی حالات کا ٹھیک انتظام کرنے سے قاصر رہی۔"

(اجمل ۱۴ راپریل)

الحاصل ان غلط اور غیر ہمدردانہ کارروائیوں کی بنا پر کپڑوں کا ملنا سخت دشوار کر دیا گیا اور خدا جانے کتنی جانیں برہنگی کی وجہ سے سردیوں میں یا بیماریوں وغیرہ میں مبتلا ہو کر تلف ہو گئیں۔

(۲۲) ہندوستان پر جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی سے اس قدر عظیم الشان بوجھ سالانہ پڑتا تھا کہ اس کی آمدنی کا بہت بڑا حصہ جو کہ تقریباً ستر کروڑ روپے تھا ہے اسی میں خرچ ہو جاتا تھا اور یہ تمام دنیا کے ممالک سے زیادہ تھا۔ سر جان سائمن [SIR JOHN SIMON] ڈیفنس کے اس قدر بار کو ہی ہندوستان کی بدحالی اور افلاس کا سبب قرار دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔ ہندوستان کی مشکلات کی جڑ بالیقین فوج ہے۔ مرکزی حکومت ہند کے موجودہ اخراجات کا ۶۲½ فیصدی ڈیفنس پر صرف ہو جاتا ہے۔ جو دنیا بھر سے زائد صرفہ ہے۔ تمام مملکت برطانیہ کی نسبت دو سے تین گنا تک ہندوستانی ڈیفنس پر زائد صرفہ کرتا ہے۔ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ ۱۹۱۳ء اور ۱۹۳۰ء میں برطانیہ عظمیٰ کے مصارف حرب ۴۹ فیصدی بڑھے۔ نوآبادیات کے ۳۳ فیصدی۔ مگر ہندوستان کے اعداد اس مدت میں دوگنے ہو گئے۔ واقعہ یہ ہے کہ انگریزی افواج کے اخراجات ہندوستان میں ہیبت ناک ہیں۔ ایک انگریز سپاہی کا صرفہ ہندوستانی

سپاہی سے چوگنا پانچ گنا زیادہ ہوتا ہے۔ توپخانہ اور ہوائی فوج میں ہندوستانی کو کمیشن ملنا ممنوع ہے۔

(ہندوستان ٹائمز اقتباس از سائمن رپورٹ ۳ر ستمبر ۱۹۳۰ء)

ایسے غریب اور ناتوان مفلس ملک پر یہی بوجھ کس قدر ثقیل اور مہلک تھا مگر اس کے سنگ دل آقاؤں نے جنگ میں دھکیل کر اس سے کئی گنا زاید بوجھ اور اس پر رکھدیا۔ (ممبر مالیات سرجرمی ریسمین فرماتے ہیں)

۴۴-۱۹۴۳ء میں ہندوستان کے دفاعی اخراجات سات ارب ۴، کروڑ روپے تھے۔ ان میں سے تین ارب ۸، ۷ کروڑ روپیہ برطانوی حکومت نے ادا کیا۔ ۴۵-۱۹۴۴ء میں جنگی اخراجات آٹھ ارب ۶ ۹ کروڑ روپیہ تھے جن میں سے ملک معظم کی حکومت نے چار ارب ۳۹ کروڑ روپے ادا کئے۔ ۴۶-۱۹۴۵ء کے بجٹ میں نو ارب ایک کروڑ روپے ہیں ان میں سے برطانوی حکومت چار ارب نواسی کروڑ روپے ادا کرے گی۔ جنگ کے چھ سال کے اخراجات میں ہندوستان نے جو رقم دی ہے وہ کل اخراجات کے نصف سے کم ہے۔

(اجمل ۲۷ر مارچ)

لندن ۸ر جون۔ مسٹر ایمری [MR. AMERY] نے دارالعوام میں اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ ہندوستان نے جنگ میں کیا مالی مدد کی ہے۔ فرمایا ۱۹۴۰ء کے انتظامات کے مطابق ہندوستان جنگ سے قبل کی فوجوں کا بار اٹھا رہا ہے۔ اس کے بعد بیرونی دفاعی فوجوں کے اخراجات، اُن کے سمندر پار کے اخراجات مزید کے لئے دس لاکھ روپے سالانہ دے رہا ہے۔ ہندوستان نے مقامی دفاعی اُمور کا خرچ بھی اٹھایا ہے۔ اس میں وسیع پیمانوں پر فوجیں بھرتی کرنا، اُن کو مسلح کرنا ہندوستان میں موجودہ برطانوی سپاہیوں کی تنخواہ دینا، ہوائی بیڑوں کے لئے اڈے، بحری بیڑے کے لئے بحری مراکز اور فوجوں کے لئے ضروری مراکز کا خرچ ادا کرنا بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ امریکہ کو جنگی مقاصد کے لئے خام اشیاء اناج اور دوسرا سامان بھی دیا ہے۔ اسی طرح مذکورہ بالا انتظام کے مطابق ۳۱ر مارچ تک ہندوستان نے مذکورہ بالا اُمور پر ساٹھ کروڑ پونڈ تقریباً ساڑھے آٹھ ارب روپیہ) خرچ کیا ہے اور اب سالانہ سوا دو سو ملین پونڈ (تین ارب پندرہ کروڑ روپیہ) خرچ کر رہا ہے۔ جنگ سے قبل ہندوستان ۵، کروڑ روپیہ سالانہ دفاعی اُمور پر خرچ کرتا رہا۔ انڈیپنڈنٹ لیبر پارٹی کے کارکن مسٹر اسٹیفن [MR. STEPHEN] نے پوچھا کہ کیا ان اخراجات کے متعلق مسٹر گاندھی اور ان کے ساتھیوں سے استصواب رائے کیا گیا ہے۔ مسٹر ایمری [MR. AMERY] نے جواب میں فرمایا کہ اُن کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مرکزی اسمبلی میں بجٹ پر مباحثہ کے دوران میں اس سوال کو اٹھائیں۔

(اجمل بمبئی ۱۰ر جون ۱۹۴۴ء)

کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ مسٹر ایمری [MR. AMERY] اس سے ناواقف ہیں کہ مسٹر گاندھی اور ان کے ساتھی بجٹ کے مباحثہ میں سوال اُٹھا کر بجٹ کو اکثریت کے ووٹ سے مسترد کر دیتے ہیں۔ مگر نہ حکومت فیل ہوتی ہے نہ بجٹ مسترد ہوتا ہے۔ بلکہ وائسرائے اپنے ویٹو کو عمل میں لا کر بجٹ جاری کر دیتا ہے۔

(اجمل، ۱۲ مارچ)

خلاصہ یہ کہ وہ ہندوستان جس کو بڑے بڑے مدبرین اور مورخین انگریز اور غیر انگریز انتہائی مفلس۔ انتہائی قلاش، فاقہ مست، افلاس اور فاقوں کا گھر تھا اور ہے، لکھتے ہیں۔ اس پر یک بارگی چار ارب سے زیادہ روپیہ سالانہ کا بوجھ جبراً و قہراً رکھ دیا گیا اور بولنے تک کی اجازت نہیں دی گئی۔ جب زیادہ عرض معروض کی نوبت آئی تو یہ کہہ کر جھڑک دیا گیا کہ انگلستان اور امریکہ پر اس سے زیادہ بوجھ رکھا گیا ہے۔ کیا تعجب کی بات نہیں ہے کہ چیونٹی جیسی ضعیف ہستی پر ہاتھی کا بوجھ لادا جاتا ہے۔ وہ ہندوستان جس کی آمدنی فی نفر یومیہ ایک پنس ہے (پراسپرس برٹش انڈیا [PROSPEROUS BRITISH INDIA]) یا بعد کے لوگوں کے تخمینوں کے مطابق چند آنہ ہیں۔ اس ملک کے برابر کس طرح بوجھ اٹھا سکتا ہے جس کی آمدنی کا اوسط حسب ذیل ہو۔

انگلینڈ فی کس	۱۲؍ روپے
امریکہ فی کس	للعـــہ

وہ ہندوستان جس میں ۷ کروڑ باشندے مسلسل فاقہ کرنے والے ہیں اور پچیس کروڑ سے زائد ایسے ہیں جن کو تمام عمر میں کبھی پیٹ بھر کر چاول بھی نصیب نہیں ہوتے (مسٹر اے اے برسل [MR.A.A. BRUSSEL] ڈیلی ہیرلڈ لندن [DAILY HERALD, LONDON] سنہ ۱۹۲۸ء) اس پر چار ارب سالانہ سے زائد کا بوجھ علاوہ ان ٹیکسوں کے بوجھ کے جو ہمیشہ سے اس پر لدا ہوا ہے اور جس میں برابر اضافہ ہوتا رہا تھا رکھ دینا کس قدر ظلم اور برباد کرنے والا امر ہے۔

سنہ ۱۸۷۱ء میں ان ٹیکسوں کا فی کس اوسط ۹ پائی تھا۔

سنہ ۱۸۸۲ء میں	۲؍ ۱۱ پائی ہوا
سنہ ۱۸۹۰ء میں	۳؍ ۱۱ پائی
سنہ ۱۹۰۱ء میں	۱۰؍ ۲ پائی

سنہ ۱۹۱۱-۱۲ء میں ٹیکس کا اوسط فی کس ۱۱؍ ۸ پائی تھا۔

سنہ ۱۹۱۴-۱۵ء میں . . . . ۱۴؍۷ پائی ہوگیا
سنہ ۱۹۱۸-۱۹ء میں . . . . ۱۱؍۸ پائی ہوگیا
سنہ ۱۹۱۹-۲۰ء میں . . . . ۹؍۲ پائی ہوگیا
سنہ ۱۹۲۰-۲۱ء میں . . . . ۱۴؍۲ پائی ہوگیا

سنہ ۱۹۲۱ء کے بعد اور بھی ٹیکس لگائے جا چکے ہیں۔ مجموعی طور پر یہ اندازہ غلط نہیں ہوسکتا کہ موجودہ مقدار ٹیکسوں کی سات روپیہ فی کس ہوگی۔ (وکیل امرتسر جلد ۹ ۲ نمبر ۲ ۲۴۰۶ ۲ نومبر سنہ ۱۹۲۲ء)

سنہ ۱۹۲۶ء تک ٹیکس اور بھی بڑھائے گئے اور آمدنی ایک ارب ۴۱ کروڑ سے کچھ زائد کر دی گئی۔ سنہ ۱۹۲۵-۲۶ء کا جملہ خرچ ایک ارب اکتالیس کروڑ چھہتر لاکھ اٹھاسی ہزار سات سو پچاس روپیہ ہے (۷۵۰ء۸۸ء۷۶ء۴۱ء۱ ارب)۔

(مالیات عامہ)

پھر ٹیکسز کا گراں بار ایک سال کے لئے نہیں مسلسل چھ سال ہو چکے ہیں جاری ہے اور نہ معلوم کب تک جاری رہے گا۔ لڑائی اپنی شہنشاہیت اور اپنی خودغرضیوں کے لئے کی جائے اور ہندوستان کو نہ اٹلانٹک چارٹر میں جگہ دی جائے نہ سان فرانسسکو میں نہ اور کسی دستور میں نہ اُن کی آزادی کے لئے کوئی حصہ تجویز کیا جائے بلکہ وزیر اعظم صاف الفاظ میں اعلان کریں کہ میں برطانیہ کا دیوالہ نکالنے اور ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لئے وزیر اعظم نہیں بنا ہوں اور پھر ہندوستان سے اس قدر خون پیا جائے۔ اس بوجھ کی وجہ سے اس قدر عظیم الشان بربادی غریب ہندوستانیوں کی ہو رہی ہے کہ الاماں الحفیظ۔ ہندوستان اپنے سابقہ ہی ٹیکسوں کی بنا پر ہی موت اور زیست کی کشمکش میں جان توڑ رہا تھا۔ اُن سے تمام آمدنی ڈیڑھ ارب روپیہ کے قریب ہوتی تھی۔ اب اُس پر چار ارب سے زاید روپیہ خرچہ جنگ بڑھا کر نئے نئے اور بھاری بھاری ٹیکس لگا دیئے گئے۔ ظاہر ہے ان ٹیکسوں سے کس قدر ہلاکت اور بربادی ہوگی۔ ہندوستانیوں کے لئے خرچہ تعلیم کا اوسط فی کس ۸ر سالانہ ہوتا ہے اور خرچہ ڈیفنس فی کس دس روپے سالانہ پڑ رہا ہے ببیں تفاوت راہ از کجا ست تا بہ کجا۔ اور عموماً ان ٹیکسوں کا بوجھ غربا ہی پر پڑ رہا ہے اور بڑی بڑی تنخواہوں والوں پر بہت کم بوجھ پڑا ہے وہ نفع اندوزی اور آرام راحت میں مشغول ہیں اور بیچارہ غریب سخت نزع کی حالت میں ہیں۔ کیا اس سے بڑھ کر استبداد اور درندگی کا کوئی مظاہرہ ہوسکتا ہے۔

(۲۳) ہندوستانیوں سے قرضہ جنگ کے نام پر زرِ نقد وصول کرنے کی اسکیم جاری کی گئی اور بعد از جنگ اس کی ادائیگی معہ سود کا وعدہ کیا گیا اور اُس کے وصول کرنے کے لئے ہر ممکن سے ممکن اثر سے کام لیا گیا

بقول ممبر مالیات سرجریمی ریسمین [SIR JEREMY RAISMAN] اس کی مقدار مارچ ۱۹۴۵ء تک آٹھ ارب تینتیس کروڑ تک جا پہنچی ہے۔

(۲۴) امداد جنگ کے نام سے چندہ جاری کیا گیا اور نہ صرف بڑے بڑے شہروں میں بلکہ دیہات اور قصبات میں بھی زور شور سے برابر یہ سلسلہ جاری رہا۔ ہر جگہ تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد مختلف اثروں اور طریقوں سے وصول کیا جا رہا ہے۔

اگرچہ زبان اور قلم سے کہا جاتا ہے کہ دینے والوں کی رضا اور خوشنودی سے وصول کرتے ہیں بڑے حکام بھی اپنے ماتحتوں کے سامنے لوگوں میں بار بار یہی بات دہراتے ہیں مگر معاملہ بالکل بالعکس ہے اگر کسی غریب نے انکار یا اپنی عدم استطاعت کا اظہار کیا تو اس کو پٹواری، قانون گو، تحصیلدار، تھانہ دار اور پولیس کے ذمہ دار دیگر حکام زمیندار (نمبردار) وغیرہ اس قدر ستاتے اور دھمکاتے ہیں کہ اس کی زندگی وبال جان ہو جاتی ہے۔ اس کی کاشت، اس کے مویشی، اس کا مال، اس کا گھر سب خطرے میں پڑ جاتے ہیں۔ بیچارہ دیہاتی کاشتکار مرعوب ہو کر اور غریب اور متوسط طبقہ قصباتی اور شہری مجبور ہو کر قرض دام کسی طرح کر کے زیادہ سے زیادہ پیش کرتا ہے تب اس کو نجات ملتی ہے۔ اسی بنا پر کانپور میں ۹ رجنوری ۱۹۴۵ء کو صوبہ جاتی کانگریس کمیٹی نے مندرجہ ذیل الفاظ میں رزولیوشن پاس کر کے حکومت صوبہ سے مطالبہ ذیل کیا:۔

> گورنر صوبہ جات متحدہ کے اس اعلان کے باوجود کہ "چندہ ہائے جنگ رضاکارانہ طور پر دیئے جائیں" سرکاری افسران جنگ کے لئے قرضہ اور چندہ حاصل کرنے میں جبر و تشدد عمل میں لاتے رہتے ہیں اس لئے گورنمنٹ سے صوبہ کانگریس کمیٹی کی یہ میٹنگ مطالبہ کرتی ہے کہ گورنمنٹ سرکاری طور پر اس کی تحقیقات کرے اور اپنی پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے افسران کو ہدایت کرے کہ وہ بجبر وصول نہ کریں۔

حکام متعلقہ کو اگر اس قسم کی ہدایتیں بھی ہیں تب بھی وہ سرخروئی اور حکام بالا سے شاباشی اور خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے بہت زیادہ تشدد اور ناجائز کارروائیوں کو عمل میں لاتے رہتے ہیں اور بہت سی جگہوں میں تو اسی بہانہ سے تشدد کر کے رشوتیں لی گئیں اور لی جا رہی ہیں بلکہ اس کی اور کنٹرول وغیرہ کی وجہ سے اس زمانے میں جس قدر رشوتوں کا بازار گرم ہے کبھی کسی زمانہ میں نہ دیکھا گیا نہ سنا گیا۔ بلیک مارکیٹ اور نفع اندوزی کا کاروبار چندوں کی سرگرمیاں رشوتوں پر ہی موقوف ہیں پھر یہ بازار کیوں نہ گرم ہو ؎

بہ پنج بیضہ چوں سلطاں ستم روا دارد ❊ زنند لشکریانش ہزار مرغ بسیخ

بیچارہ غریب اور مفلس کا جنازہ نکل رہا ہے۔ اُس کے بچے اور بیوی بلک بلک کر رو رہے ہیں اور یہ حکام اور ارباب دولت و سرمایہ مزے اُڑا رہے ہیں۔ سنگ دل آقاؤں کو خون چوسنے کی فکر ہے۔ بہت زیادہ خیانتیں ہوئیں اور ہو رہی ہیں اور ستّو وصول کیا گیا تو چالیس پچاس خود رکھا اور باقی گورنمنٹ کو پہنچایا شور و شغب پر جب سے کہ تحقیقاتی محکمہ قائم کیا گیا ہے بہت سی خیانتیں ظاہر ہو رہی ہیں۔ بیچارے غریب کسان کے لئے ان اُمور سے زندگی دوبھر ہو گئی اور بال بچوں کا پالنا سخت مشکل ہو گیا۔

(۲۵) باوجودیکہ ہندوستانیوں نے تمام میدانوں میں انتہائی جرأت اور بہادری سے کام کیا ہے اور بسا اوقات اس قدر جوانمردی سے لڑے ہیں کہ یوروپین اور امریکن، کینیڈین آسٹریلین، نیوزی لینڈ وغیرہ کے سپاہی اُس کا آدھا تہائی بھی نہیں کر سکے مگر ہندوستانی اب بھی بالائی عہدوں سے محروم ہیں بڑی بڑی تنخواہیں اور سمندری الاؤنس صرف یوروپین کے لئے مخصوص ہیں۔ اُن کے سپاہیوں، اور افسروں کو خواہ کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں۔ اب بھی یوروپین چھوٹے اور بڑے افسروں کے سامنے جھکنا پڑتا ہے۔ وہ اب بھی وائسرائے ہند کے غلام کہے جاتے ہیں اور یوروپین سپاہی اور آفیسر شہنشاہی سپاہی شمار ہوتے ہوئے نسلی اور قومی افتخار اور تمیز کے نشے میں سرشار پائے جاتے ہیں۔ ایسے الزامات واقعیہ کے دفع کرنے اور شرم اُتارنے کے لئے فوجی وزیر اسمبلی میں بار بار ہندوستانیوں کی اعلیٰ عہدوں اور ہوائی اور بحری کمانوں کی ناقابلیت کا راگ الاپتے رہتے ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں بھی مرکزی اسمبلی میں یہی کہا گیا۔ تعجب ہے کہ یہی ہندوستانی انگریزی اقتدار سے پہلے ہندوستان میں تمام بالائی اور تحتانی فوجی خدمتیں نہایت قابلیت اور ہوشیاری سے انجام دیتے رہتے تھے جس کی شہادتیں نہ صرف ہندوستانی مورخین کی تصانیف دیتی ہیں بلکہ یوروپین مورخ بھی منہ بھر بھر کر شہادتیں دیتے اور مصروف ثنا و صفت نظر آتے ہیں مگر انگریزی اقتدار کے ہوتے ہی یہ قابلیت اُن سے بالکل فنا ہو جاتی ہے۔ یہی ہندوستانی اگر امریکہ میں سکونت پذیر ہو کر یا کسی دوسرے ملک چین جاپان وغیرہ میں فوجی خدمات پر یا ہوائی صیغہ یا بحری صیغہ میں داخل ہو جاتا ہے تو اعلیٰ سے اعلیٰ عہدوں تک فائز ہو جاتا ہے اور ہر قسم کی قابلیت اور حسن کارکردگی اس میں پیدا ہو جاتی ہے مگر ہمارے رحمدل اور مہربان آقاؤں کے یہاں آ کر سب کی سب مسلوب ہو جاتی ہے۔ یاللعجب!

(۲۶) اتحادیوں اور بالخصوص مسٹر چرچل [SIR WINSTON CHURCHILL] نے بار بار اعلان کیا ہے کہ یہ جنگ محض انسانیت اور اس کی آزادی کے لئے لڑی جا رہی ہے۔ حال میں بھی رہائین کھاڑ کرنے

والے سپاہیوں کو مخاطب کرتے ہوئے مسٹر چرچل نے فرمایا "تم انسانیت کی آزادی کے لئے لڑ رہے ہو" اب غور کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ ۲۵ لاکھ ہندوستانی سپاہی جو چھ برس سے ہر محاذ اور ہر میدان میں نہایت بہادری سے اپنا خون بہا رہے ہیں اور یہ ملک ہندوستان جس نے اپنی ہر عزیز متاع کو لڑائی میں جھونک دیا ہے کس آزادی کے لئے لڑ رہا ہے۔ ابھی کون سی قطعی آزادی اس کو حاصل ہوئی ہے یا حاصل ہونے والی ہے، کیا یہ وہی آزادی ہے جس کو وزیر ہند کرپس تجاویز کے نام سے بار بار گا رہے ہیں یا یہ وہی ڈومینین اسٹیٹس ہے جس کے حاصل ہو جانے کی سر فیروز خان نون کے ذریعہ سے شہادت دلائی گئی ہے اور جس کے لئے نون صاحب اور سوامی مدالیار کو سان فرانسسکو بھیجا گیا ہے۔ اور جس کے متعلق مسٹر چرچل [SIR WINSTON CHURCHILL] نے ہاؤس آف کامنس میں اعلان کیا ہے کہ:۔

"سان فرانسسکو کانفرنس میں نوآبادیات اور برطانیہ کے محکوم ممالک کا کوئی سوال زیر بحث نہیں آئے گا۔"

کیا یہی وہ آزادی ہے جس کے متعلق وزیر نوآبادیات برطانیہ نے امریکہ کو متنبہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ:۔

"اگر محکوم ممالک اور نوآبادیات کو آزادی دے دی گئی تو اس طرح چالیس نئے ممالک ظہور میں آجائیں گے اور اس سے عالم گیر تجارت میں رکاوٹیں پیدا ہو جائیں گی۔"

کیا یہ وہی آزادی ہے جس کے متعلق مسٹر چرچل [MR. CHURCHILL] بار بار اعلان کر چکے ہیں کہ میں برطانیہ کو دیوالیہ بنانے اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لئے منصبِ وزارت پر نہیں آیا ہوں

کیا یہ وہی آزادی ہے جس کے لئے مسٹر چرچل [MR. CHURCHILL] نے فرمایا تھا کہ اٹلانٹک چارٹر مشرقی ممالک اور ایشیا اور افریقہ کی قوموں پر عائد نہیں ہوتا ہے۔ کیا یہ وہی آزادی اور سر نون کی ڈومینین اسٹیٹس ہے جس کے ماتحت ہندوستانیوں کو بھوک میں روٹی اور ننگے پن میں کپڑا اور مرنے کے بعد کفن نصیب نہیں ہوتا اور جس کے ماتحت تمام دنیا کی پانچویں حصہ آبادی والا ملک انتہائی فلاکت اور مفلسی کا شکار ہو کر سسکتا ہوا جان دے رہا ہے۔

کیا یہ وہی آزادی یا ڈومینین اسٹیٹس ہے جس کے متعلق مسٹر فلپس [MR. PHILLIPS] امریکی فرماتے ہیں:۔

"موجودہ جنگ نے ہندوستان کو جتنا نقصان پہنچایا ہے۔ شاید ہی دنیا کے اور ممالک کو

پہنچا ہو۔" فاعتبروا یا اولی الابصار

(۲۷) اسی وجہ سے کہ ہندوستان کو جنگ میں دھکیلا گیا ہر ہر صوبہ اور صوبوں کے ہر ہر ضلع اور ضلعوں کے ہر ہر مناسب مقامات پر ہوائی اڈے بنائے گئے، چھاؤنیاں قائم کی گئیں۔ فوجی ضروریات کے لئے مراکز قائم کئے گئے۔ سڑکیں نکالی گئیں جن کی وجہ سے ہزاروں دیہات اور لاکھوں مکانات اور لاکھوں کھیت اور باغات اجاڑے گئے اور برباد ہوگئے۔ زمینوں پر قبضہ کیا گیا۔ بہت سی جگہوں پر معاوضہ تک نہیں دیا گیا اور جہاں دیا بھی گیا وہ نہایت قلیل اور غیر کافی تھا۔ بہت سی جگہوں میں مابعد جنگ پر تحویل کی گئی، لاکھوں بلکہ کروڑوں آدمی بے گھر اور بے خانماں کر دیئے گئے۔ بنگال و آسام میں بہت سے دیہات میں زرہ پوش ٹینکیں دیہات کو خالی کرانے کے لئے غرباء کے مکانات پر چلادی گئیں۔ مذکورہ بالا مصائب مہلکہ کی بنا پر غریبوں کو جن تکالیف کا تحمل کرنا پڑا وہ بیان سے باہر ہیں۔ شہروں میں نہ صرف قومی اور تعلیمی اداروں پر قبضہ کیا گیا بلکہ بہت سے رہائشی مکانات بھی خالی کرالئے گئے۔ بمبئی میں ایک سو پچاس رہائشی مکانات پر فوج کے قبضہ کرلینے کا اقرار خود وزیر جنگ نے اسمبلی میں کیا ہے (اجمل ۲۸ مارچ) اس طرح کے ہر بڑے شہروں میں واقعات کم وبیش آئے ہیں۔ اگرچہ بعض مقامات پر معاوضہ بھی دیا گیا اور بعض بعض مقامات پر دباؤ میں آکر خود لوگوں نے اپنے رہائشی مکانات خالی کر دیئے۔ آسام اور بنگال میں ایسے واقعات بکثرت پیش آئے ہیں اور جہاں معاوضہ بھی دیا گیا ہے عموماً مناسب مقدار پر نہیں دیا گیا۔ اگرچہ بعض مقامات پر زیادہ بھی کسی وجہ سے دیا گیا ہو۔ بہرحال پبلک کو پریشانیاں انتہائی درجہ پر پیش آئیں اور آرہی ہیں۔

(۲۸) ہندوستانیوں کی لاریاں، موٹریں، سواری گاڑیاں، بیل گاڑیاں، کشتیاں، ضروریات جنگ کیلئے رنگروٹ، فوجیوں کے سکھانے کے لئے جابرانہ طریقہ پر لی گئیں۔ ناواقف رنگروٹوں نے عمدہ سے عمدہ لاریوں اور موٹروں کو برباد کر دیا۔ معاوضہ اگر دیا گیا تو نہایت کم جو کہ کسی طرح ان لاریوں اور موٹروں کی قیمت کے لئے کافی نہ ہو سکتا تھا۔ لاری والے جن کی معاشی زندگی اور ان کے بال بچوں کی پرورش اسی پر تھی بے دست وپا اور مجبور محض ہوگئے۔ نئی لاریوں کی قیمتیں اس قدر زیادہ ہوگئی تھیں کہ اُن کا از سرنو خریدنا اُن کی طاقت سے باہر تھا اور خریدتے بھی تو ہروقت یہ خطرہ سوار تھا کہ اُن کو بھی ضبط کر لیا جائے گا ان کے بال بچے بھوکوں مرنے لگے۔ پٹرول بند کر دیا گیا یا اس قدر قلیل مقدار میں دیا گیا کہ وہ کاروبار جاری رکھنے کے لئے کافی نہ تھا۔ قیمت کئی گنا بڑھ گئی۔ پابندیاں اور قیود اور ٹیکسز اس قدر بڑھا دیئے گئے کہ

ان کے ہوتے ہوئے نفع حاصل کرنا سخت دشوار ہوگیا۔ صوبہ بنگال اور آسام میں اس خطرہ کے ماتحت کہ جاپان آجائے گا۔ اُس کے پیراشوٹ اُتر آئیں گے۔ وہ آسام کی سرحدوں پر پہنچ گیا ہے۔ بہت سے ذرائع نقل و حرکت پر قبضہ کرلیا گیا۔ چونکہ صوبہ آسام و بنگال میں دریا بہت ہیں اس لئے ذرائع نقل و حمل کشتیاں زیادہ تر ہونی ضروری ہیں ان کو اپنے قبضہ میں لایا گیا اور اُن کو ڈبو دیا گیا یا اور کسی طرح تلف کردیا گیا جس کی بنا پر وہ غریب آبادی جس کی گذران مچھلی کے شکار یا کشتیوں میں اموال کے نقل وغیرہ پر تھی بالکل مجبور ہوگئی اور بھوکوں مرنے لگی۔ ہم کو بنگال میں معلوم ہوا کہ اس قسم کے غریب لوگ عموماً قحط کا شکار ہوئے اور مرگئے۔

(۲۹) نئے رنگروٹوں اور دوسرے فوجیوں کو جو لاریاں بطور ٹریننگ دی گئی تھیں یا نقلِ سامان وغیرہ کے لئے استعمال میں لائی جاتی تھیں وہ بے تحاشا تیزی کے ساتھ سڑکوں پر چلاتے تھے اور پبلک کے تحفظ کا خیال بہت کم کرتے تھے۔ بالخصوص افریقہ کی سیاہ فام فوجیں یا دوسرے غیر ممالک کے سپاہی' اس کے نتیجہ میں بہت سے آدمیوں کی جانیں لاریوں سے ٹکرا کر یا نیچے دب کر ضائع ہوئیں مگر حکام نے کوئی پرواہ نہ کی۔

(۳۰) باہر سے آنے والی فوجوں اور سپاہیوں کی ہندوستانی عورتوں پر دست درازی اور عصمت دری بداخلاقی اور بدمستیوں کی حکایتیں بکثرت واقع ہوئیں جن میں سے کبھی کبھی بعض حکایتیں اخباروں میں بھی آئیں جو کہ فیصدی دو چار بھی نہیں کہی جاسکتیں۔ مواقع پر جانے اور تفتیش سے ایسے بہت سے واقعات کا پتہ چلتا ہے۔ ان کی بنا پر ہندوستانی غرباء اور اُمراء کو اپنی عزت تو درکنار زندگی کا سنبھالنا مشکل ہوگیا۔ اسمبلی میں اس قسم کے سوالات اُٹھائے بھی گئے تو معمولی طور سے اُن کو ٹال دیا گیا۔

(۳۱) صوبہ سرحد میں آزاد قبائل کی سول آبادی پر ہوائی جہازوں کے ذریعہ سے بمباری کی گئی بلکہ بعض قبائلی علاقوں پر پانچ مہینے تک برابر جاری رہی۔ حالانکہ مجلس اقوام اور اُس کے شرکا نے جس میں سے خود برطانیہ بھی تھی اُس کو وحشیانہ اور سخت قابلِ نفرت اور ناجائز فعل قرار دیا تھا۔ اس پر مرکزی اسمبلی میں جبکہ ہال میں سوال اٹھایا گیا تو وزیر جنگ کا جواب اس قدر تلخ اور نازیبا اور مستبدانہ تھا کہ بقول نوابزادہ لیاقت علی خان جنرل ڈائر [GENERAL DYER] کی یاد تازہ ہوگئی۔

(۳۲) ہمیشہ سے اور بالخصوص ابتدائی جنگ سے امریکہ میں ہندوستان کے خلاف پروپیگنڈا جاری ہے اور امریکی رائے عامہ کو ہندوستانیوں کے مطالبہ آزادی اور اس کے استحقاق سے برگشتہ کرنے کا کام بڑے

زوروں پر کیا جا رہا ہے۔ اسی سلسلہ میں مدر انڈیا امریکی عورت سے لکھوا کر بکثرت شائع کرائی گئی اور اسی سلسلہ میں لارڈ ہیلی فکس [LORD HALIFAX] سابق لارڈ اروِن [LORD IRWIN] مدتوں تک امریکہ میں رونق افروز رہے اور نہایت غلط بیانی سے دن کو رات اور رات کو دن بتاتے رہے۔ اسی سلسلہ میں مسٹر بوسے اور مسٹر غیاث الدین وغیرہ کو حال میں امریکہ بھیجا گیا تھا جن کو ہندوستان کے خزانے سے فی کس یومیہ بیس ڈالر دیا گیا۔ (روزنامہ انصاری ۲۰ر جون ۱۹۴۴ء) آنجہانی مسٹر وٹھل بھائی پٹیل کے دورہ ۳۳-۱۹۳۲ء اور دیگر آزاد خیال ہندوستانیوں مسٹر سید حسین کے حقیقت افروز اور سچائی سے بھرے بیانات پر پردہ ڈالنے کی انتہائی کوشش جاری رہیں اور رہیں۔ بالخصوص اس زمانہ میں جبکہ امریکہ اتحادیوں کے ساتھ ہو کر میدانِ جنگ میں اترا ہوا ہے اور امریکی سیاستداں اور فوجی آفیسر یہاں آ کر ہندوستان کے احوال سے واقف ہو گئے ہیں۔ مسٹر فلپس [MR. PHILLIPS] اور مسٹر وِنڈل ولکی وغیرہ کے بیانات منصہ ظہور پر آ چکے ہیں اور برطانیہ کو اپنی استعماریت اور استبدادیت کے لئے خطرہ محسوس ہو رہے ہیں۔ فلاڈلفیہ کانفرنس کے رکن مسٹر ہلیر [MR. HILLIER] نے ایک پریس کانفرنس میں بتلایا کہ امریکہ میں ہندوستان کے خلاف عجیب پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے۔ امریکہ میں ہر شخص ہندوستان کی اس جدوجہد کے متعلق معلوم کرنے کو بے تاب ہے جو وہ عزت حاصل کرنے کے لئے کر رہا ہے مشکل یہ کہ امریکیوں کے اشتیاق کی تکمیل حکومت برطانیہ اور حکومتِ ہند کے پروپیگنڈا سے کی جا رہی ہے۔ اِن حکومتوں نے تنخواہ دار ہندوستانیوں کو پروپیگنڈا کے لئے بھیجا ہے اور اُن کو ممتاز صحافی یا لیڈر کہہ کر مشہور کر رہی ہے۔ ان کے ذریعے سے ہندوستان دشمن پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے۔ امریکن عوام اس طرح دھوکے میں پڑتے ہیں مگر خواص اِن لوگوں کو ہندوستان کو کسلنگ (ہندوستانی غدار) کہتے ہیں میرے خیال میں ہندوستانی عوام کو یہ معلوم کرنے کا پورا حق ہے کہ امریکہ میں ہندوستانی خزانوں کے روپیہ سے جو ہندوستان دشمن پروپیگنڈا ہو رہا ہے وہ کیا ہے۔ تقریباً تین سو آدمی امریکہ میں بھیجے گئے ہیں جو دعوتوں اور شراب کی محفلوں میں ہندوستان کے متعلق عجیب و غریب باتیں کرتے ہیں اس پروپیگنڈا کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ برطانوی سفارت خانہ کی سرپرستی میں کیا جا رہا ہے۔ پروپیگنڈے کے عجیب اُمور میں سے ایک یہ بھی ہے کہ امریکنوں سے کہا جاتا ہے کہ اگر انگریز ہندوستان سے ہٹ گئے تو ہندوستان سے مسیحی مذہب کا خاتمہ ہو جائے گا۔

(اجمل بمبئی ۲۴ر جون ۱۹۴۴ء)

حقیقت کو چھپانے اور دروغ کو اُبھارنے کے لئے حکومت انگلینڈ اور حکومت ہند لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں روپے خرچ کر رہی ہے اور ہزاروں ایجنٹ تنخواہ دار کام کر رہے ہیں۔ سر ہینڈرک پکل [SIR HENDRICK PICKLE] حکومت ہند کے محکمہ انفارمیشن [MR. JOCELAIN] مسٹر جوسلین کے سیکرٹری مسٹر جے۔ ایس بوزین [J. S. BOZIN] ڈیفنس ڈیپارٹمنٹ کے پبلک ریلیشنز ڈائرکٹر بریگیڈیر آئی۔ ایس جوہو [I. S. JOHO] وغیرہ وہاں جدوجہد عمل میں لا رہے ہیں۔ برطانوی حکومت اس بے چینی کو دُور کرنے کی کوشش کر رہی ہے جو امریکہ میں ہندوستان کے متعلق پھیلی ہوئی ہے۔

(مقتبس از انصاری دہلی ۲۷ رجون ۱۹۴۴ء)

ملاحظہ ہو تازہ بیان از مسٹر چمن لال مشہور جرنلسٹ (صحافی) جو کہ اسی سال میں امریکہ سے واپس آئے ہیں اور ان کے اعزاز میں سندھ سکریٹریٹ کے ریسٹورنٹ میں سندھ جرنلسٹس ایسوسی ایشن کی طرف سے چائے پارٹی دی گئی تھی فرماتے ہیں:۔

> امریکہ میں ہندوستان کے خلاف زور شور کا پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے دس ہزار تنخواہ دار برطانوی ایجنٹ امریکہ میں اس لئے مقرر ہیں کہ وہ ہندوستانی تحریک آزادی کے متعلق غلط فہمیاں پھیلائیں اور ہندوستان کے مطالبہ کے خلاف امریکن رائے عامہ کا رجحان پیدا کریں۔ برطانیہ ان لوگوں پر چھ کروڑ روپیہ سالانہ خرچ کر رہا ہے حکومت ہند اس مقصد کے لئے ۲۶ لاکھ روپیہ خرچ کر رہی ہے۔ سر گرجا شنکر باجپئی [SIR. BAJPAI] اس تحریک کے خاص کارکنان میں ہیں۔ پاکستان کی حمایت میں کتابیں۔ رسائل پمفلٹ برطانیہ میں چھاپ کر امریکہ روانہ کئے جاتے ہیں۔
>
> (الجمل ۱۵ رجنوری ۱۹۴۵ء)

روزنامہ ملاپ مورخہ ۲۶ رجنوری میں اُن کی تقریر اور زیادہ وضاحت کے ساتھ شائع ہوئی ہے جس میں برطانیہ کے مصاریف کو بجائے ۶ کروڑ روپیہ کے ۳ کروڑ پونڈ ذکر کیا گیا ہے جو کہ زیادہ ترصحیح معلوم ہوتا ہے نیز اُس میں ذکر کیا گیا ہے کہ

> امریکن گورنمنٹ نے ہندوستان کے متعلق جو برانچ ڈیپارٹمنٹ کھول رکھا ہے اسکی افسر اعلیٰ ایک انگریز لیڈی ہے۔ کئی امریکنوں کو سکالرشپ اور قیصر ہند میڈل دے کر برٹش گورنمنٹ نے اپنا حامی بنا رکھا ہے۔ اس کے علاوہ امریکہ میں ایک مسلم لیگ بھی

کھولی گئی ہے۔ مسٹر احمد اس کے انچارج ہیں۔ برطانوی سفارت خانہ کی طرف سے انھیں تنخواہ دی جاتی ہے۔ سنٹرل اسمبلی کو اس مطلب کا رزولیوشن منظور کرنا چاہیئے کہ حکومت ہند اپنے ایجنٹ باجپئی کو امریکہ سے فوراً واپس بُلالے کیونکہ ان کی سرگرمیاں بحید ہندوستان آزار ہیں، اُن کی تنخواہ پچیس ہزار ڈالر ہے یعنی پریذیڈنٹ روزویلٹ [ROOSE VELT] کی تنخواہ سے بھی زیادہ۔ ایک مرتبہ مسٹر ایمری [MR. AMERY] وزیر کے کہنے پر سر باجپئی کینیڈا گئے اور وہاں وزیر اعظم مسٹر میکنزی کنگ ———[MR MACKENZIE KING] سے کہا کہ ہندوستان میں خوراک کی کمی نہیں ہے اور وہاں خوراک بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ مسٹر باجپئی [MR. BAJPAI] نے ایک نئی کوشش شروع کر رکھی ہے اور وہ امریکہ میں ہندو مہاسبھا کھولنے کی تجویز چلا رہے ہیں۔ وہ ہندوستانی نوجوانوں کو امریکن فوج میں بھرتی کرا رہے ہیں۔ لیکن اپنے تین بیٹوں کو بھرتی نہیں کرایا۔ آپ نے مزید کہا۔ امریکن عوام اب کافی بیدار ہو چکے ہیں کہ ہندوستان کے خلاف برطانوی پروپیگنڈا غرضمندانہ ہے اس لئے اب پروپیگنڈہ کا پہلے جتنا اثر نہیں ہوتا۔ ہندوستانی قوم پرست بھی برطانوی پروپیگنڈہ کا اثر زائل کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے۔ امریکہ کے قوم پرست ہندوستانیوں کے ایک سرکردہ لیڈر مسٹر سید حسین بیس سال سے ہندوستان کے حق میں پرچار کر رہے ہیں وہ کم و بیش ۱۵ ہزار لیکچر دے چکے ہیں انھوں نے اخبار وائس آف انڈیا [VOICE OF INDIA] بھی نکال رکھا ہے۔ (ریوٹر)

اس تازہ بیان سے معصوم برطانیہ کے نہ صرف مشئوم اداروں پر بلکہ اس کی مردم کش عملی کارروائیوں پر بھی نہایت تیز روشنی پڑتی ہے اور گورنمنٹ ہند کی بھی ہندوستانی ہمدردیوں کا پول کھلتا ہے نیز مسلم لیگی حقائق پر روشنی پڑتی ہے۔ آپ حضرات کو غور کرنا چاہیئے اور حقائق کو گہری نظر سے دیکھنا چاہیئے۔

(۴۳) اتحادیوں اور بالخصوص برطانیہ کی طرف سے ابتدائی جنگ سے ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے کہ یہ جنگ جمہوریت اور آزادی کے لئے ہے۔ نازیت۔ ڈکٹیٹرشپ، فسطائیت، مطلق العنانی، استبداد کو مٹانا اور بجائے اس کے جمہوریت، ڈیمکریسیت کو زندہ رکھنا مقصد اصلی ہے ضعیف اقوام کو آزاد کرنا اور آزاد رکھنا نصب العین ہے۔ اس کے لئے نہایت زوردار آرٹیکل اور بیانات شائع ہو چکے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں مگر حالت یہ ہے کہ تمام دنیا کی آبادی کے پانچویں حصہ والے ملک اور قوم پر ایسے طریقے پر حکومت کیجا رہی

ہے جس کو جمہوریت سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ مرکز میں مطلق العنانی اور صوبوں میں گورنری راج ہے۔ سیاسی ترقی میں جمود مطلق ہے جس سے ہندوستان کی تمام پارٹیاں متنفر ہیں اور جلد از جلد اس کو دُور کرنا چاہتی ہیں۔ وائسرائے اپنی کانفرنسوں میں گورنروں کو بُلا کر مشورے کرتے ہیں جن صوبوں میں نام نہاد نمائندہ وزارتیں قائم بھی ہیں۔ اُن کے بھی گورنر ہی بُلائے جاتے ہیں۔ وزراء کو پوچھا تک نہیں جاتا۔ حالانکہ یہ امر ۱۹۳۵ء ایکٹ کے بالکل خلاف ہے۔ سیاسی جمود کے حل کرنے کے لئے باوجود بار بار توجہ دلانے اور پروٹسٹ کرنے کے کوئی اقدام نہیں کیا جاتا بلکہ آئیں بائیں شائیں کر کے ٹال دیا جاتا ہے صوبہ بلوچستان کو اصلاحات سے اب تک محروم کیا ہوا ہے۔ مرکز میں نامزد افراد کی کونسل بنا دی گئی ہے جس میں گیارہ ممبر ہندوستانی ہیں اور ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے کہ ہندوستان میں ہندوستانیوں ہی کی قومی حکومت ہے کیونکہ وائسرائے کی کونسل میں اکثریت اور مجارٹی ہندوستانیوں ہی کی ہے حالانکہ ان میں سے ایک شخص کو بھی ملک کی تائید اور نمائندگی حاصل نہیں ہے۔ یہ سب کے سب وائسرائے ہی کے ملازم اور نوکر ہیں وہ ہر امر میں وائسرائے کے چشم و ابرو کے اشاروں پر ناچنے والے ہیں۔ اہل ملک کے سامنے مسئول اور ذمہ دار ہونے کے قابل نہیں ہیں، حکومت برطانیہ ہندوستان کو محکوم مطلق اور غلام رکھنے پر تلی ہوئی ہے۔ ہندوستانیوں سے شہری آزادیاں پامال کی جا چکی ہیں۔ قومی حکومت کا تصور اور خیال تک ہندوستانی اذہان سے مفقود کیا جا رہا ہے۔ حکومت کی غلط کاریوں نے عوام پر زندگی دوبھر کر رکھی ہے۔ ملک کی خواہشات کا قطعاً کوئی احترام نہیں کیا جاتا۔ بار بار پیش ہونے والے مطالبات آزادی کو ٹھکرا کر پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔ محبان وطن کے ساتھ تشدد اور سخت گیری کے وہ تمام طریقے عمل میں لائے گئے ہیں جن کا ادنی تصور بھی دل میں کپکپی پیدا کر دیتا ہے اس لئے ہندوستانی اس سے آزردہ ہیں۔ ہندوستانی عوام میں اس کو ذرا بھی مقبولیت نہیں ہے۔ ملک کے ہر طبقے کے لوگ اس کی مخالفت پر متحد ہیں اس کے رویہ نے پورے ملک کو مخالف بنا رکھا ہے اگر حکومت ہندوستان کے ساتھ دوستانہ رویہ اختیار کرتی، اُن کی دل جوئی کرتی، اُن کے آرام اور راحت کا بندوبست کرتی۔ خود غرضیوں اور نسلی امتیازات کو چھوڑتی۔ شہنشاہیت کے تکبر اور غرور کو چھوڑ کر ان کی محکومیت کی ذلیل اور مُردہ کرنے والی فضا سے آزاد ہو کر آزادی کی فضا میں سانس لینے کا حق عنایت کرتی۔ ان کے منتخب کئے ہوئے محبوب نمائندوں کو منصب وزارت پر فائز کرتی اُن کے رہنماؤں کے خلاف منتقمانہ ذہنیت کا مظاہرہ نہ کرتی۔ ان کے حقیقی دوستانہ تعاون کی طالب ہوتی تو عام اور خاص ہندوستانی اس کے ساتھ مکمل تعاون کرتے اور اُسکی ہر ممکن

امداد کرتے ہوئے سیاسیات عامہ اور خاصہ میں اپنا اخلاقی اور ملکی فرض ادا کرنا ضروری سمجھتے مگر یہاں تو برطانیہ کے مشہور و معروف پولیٹیکل سائینٹسٹ مسٹر سیجوک کا مقالہ صادق آرہا ہے جس کو ہندوستان ٹائمز [HINDUSTAN TIMES] ۲۷ر اکتوبر ۱۹۳۰ء نے زیر عنوان مطلق العنانی شائع کیا تھا۔

> مہذب دنیا میں دو بڑے مطلق العنان تھے (۱) زار روس (۲) وائسرائے ہند ۱۹۱۷ء کے انقلاب نے زار کا خاتمہ کر دیا۔ صرف اب اس دنیا میں سب سے بڑا مطلق العنان وائسرائے باقی رہ گیا۔

خدا کرے کہ جس طرح دنیا سے زاریت کا خاتمہ ہو گیا، جلد از جلد وائسرائیت اور مطلق العنانی کا بھی خاتمہ ہو جائے اور ہندوستانی قوم کا منتخب شدہ ہر دلعزیز صدر جمہوریت ہند کا پریذیڈنٹ ہو اور اس استبدادیت کے دیو کا نام و نشان دنیا سے مٹ جائے۔

(۳۴) گزشتہ جنگ عظیم کے بعد ہندوستانی نمائندہ صلح کے فارموں پر دستخط کرنے کے لئے جینوا بھیجے گئے تھے اس وقت بھی یہی آواز روئے زمین کے فضائی کرہ میں گونجائی گئی تھی کہ آزادی اور انسانیت ہی کے لئے جنگ کی جارہی ہے اور یہی نصب العین ہم تمام جنگ کرنے والوں کا ہے مگر جس روز ہندوستانی نمائندے آزادی کی امنگوں سے بھرے ہوئے دلوں اور ہاتھوں سے خوشی خوشی دستخط کرکے فارغ ہوئے اسی کے اگلے دن یہ اعلان کیا گیا کہ :-

> " جینوا کی کمیٹی کے سامنے جو مسائل آئیں گے وہ آزاد اقوام کے ہوں گے محکوم ممالک کے مسائل پر غور نہیں کیا جائے گا۔"

ہندوستانی نمائندوں اور خود ہندوستان میں رہنے والے باشندوں کے دلوں اور دماغوں کی اُس وقت جو حالت ہوئی وہ یا تو خود جانتے ہیں یا اُن کا خدا جانتا ہے۔ یہی منظر آج سان فرانسسکو میں پیش کیا جارہا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ سر فیروز خان نون اور سوامی مدالیار جو کہ حقیقتاً اسی مطلق العنان وائسرائیت اور برٹش امپائر کے نمائندے ہیں، ہندوستان اور اس کے باشندوں کے ہرگز نمائندہ نہیں ہیں کیا کر کے آئیں گے مطلع تو ہر طرح مایوس کن ہے۔ بہرحال بساطِ سیاست پر یہ بھی ایک محکومی اور غلامیت کا کھیل ہے جو کہ مثل سابق آقاؤں کی اغراض کے لئے کھیلا جارہا ہے اور نتائج معلوم ہیں۔

محترم بزرگو! ناپاک غلامی اور کالی محکومیت کے زہرہ گداز واقعات اس منحوس زمانہ کے بہت زیادہ

ہیں مگر مشتے نمونہ از خروارے چند چیدہ چیدہ واقعات میں نے آپ کے سامنے پیش کئے ہیں جن سے آپ بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ اس ملعون غلامی کا ایسا کالا دور کبھی نہ ہندوستان میں گزرا ہے، اور نہ دنیا بھر میں کوئی ملک اس کی نظیر رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسٹر فلپس [MR. PHILLIPS] کہتے ہیں:۔

"موجودہ جنگ نے ہندوستان کو جتنا نقصان پہنچایا ہے اتنا
شاید ہی دنیا کے اور ممالک کو پہنچا ہو۔"

ان کا فرمانا اس امر کو جانتے ہوئے ہے کہ روس، جرمنی، فرانس، اٹلی، جاپان میں کیا کیا واقعات پیش آ چکے ہیں اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ان ممالک میں باوجودیکہ جنگ جاری رہی اور ہے اور نفوس واموال والکنہ کی بربادی بھی ہوئی اور ہو رہی ہے مگر مجموعی حیثیت سے جو مصائب ہندوستان کو پیش آئے اور آ رہے ہیں ان سے دنیا کا کوئی ملک دوچار نہیں ہوا۔ اور یہی وجہ ہے کہ گاندھی جی اور مسٹر پنڈت ہندوستان کو بڑا جیل اور وائسرائے کو اس کا جیلر قرار دیتے ہیں۔ یعنی بحیثیت غلامی اگرچہ دوسو برس سے ہندوستان کو ہندوستانیوں کے لئے جیل قرار دیا جاتا تھا۔ مگر اس وقت میں اس کو جیل کہنا مجازاً تھا جیسا کہ شاعروں کے اشعار اور غزلیات و قصائد میں خوبصورت کو آفتاب، ماہتاب اور بہادر کو شیر کہا کرتے ہیں۔ مگر اب تو موجودہ دور میں اس کو حقیقی معنوں میں جیل کہنا چاہیئے جب کہ ہر قسم کی آزادی چھین لی گئی ہے اور ہر قسم کی بندشیں زیادہ سے زیادہ عاید کردی گئی ہیں۔ اس لئے اس جیل کے جیلر وائسرائے سپرنٹنڈنٹ وزیر ہند، ڈپٹی جیلر وائسرائے کی کونسل کے چودہ ممبر اور صوبوں کے گیارہ گورنر ہیں۔ مگر میں تو گاندھی جی اور مسٹر پنڈت کا اس میں مخالف ہوں اور دونوں کو غلطی پر جانتا ہوں کیونکہ جیل میں کبھی بھی کوئی قیدی بھوکا نہیں رہنے پاتا بلکہ بھوکا رہنا وہاں جرم ہے۔ کوئی قیدی بھوک کی وجہ سے وہاں نہیں مرتا اور نہ مر سکتا ہے۔ یہاں صرف صوبہ بنگال میں نوے لاکھ یا اس سے زیادہ تعداد اخباروں میں بھوک سے مرنے والوں کی شائع ہو چکی ہے تمام ہندوستان میں بھوک سے مرنے والوں کی تعداد تو خدا ہی جانتا ہے۔

۱۹۲۸ء میں مسٹر اے۔ اے برسل [MR. A.A BRUSSEL] نے لکھا تھا کہ:۔

"تدریجی فاقہ کشی سے ہزارہا انسان مرتے رہتے ہیں"

جیل میں کوئی قیدی بلا علاج نہیں مرتا۔ ہر جیل میں شفاخانہ، ڈاکٹر، کمپوڈر، ادویہ اور تمام لوازم علاج موجود کر دیئے گئے ہیں۔ اس لئے ہر مریض قیدی کا کچھ نہ کچھ علاج ہو ہی جاتا ہے کوئی قیدی بلا علاج اور بلا دوا نہیں مرتا۔ مگر صوبہ بنگال میں اس زمانہ میں ملیریا، ہیضہ، چیچک اور دیگر امراض سے

مرنے والوں کی تعداد اخباروں میں تیس لاکھ یا اس سے زائد تک کی آچکی ہے اور تمام ہندوستان میں توحسب بیان مسٹر اَیل آنجہانی ۱۹۳۳ء ، ۸۰ فیصدی بغیر طبی امداد کے مرنے والے ہیں۔

نیز جیل میں ہر قیدی کے لئے کچھ نہ کچھ کپڑا ضرور مہیا ہوتا ہے کوئی قیدی ننگا نہیں رہتا مگر اس زمانہ میں جبکہ کپڑوں کا قحط پڑا ہوا ہے ننگے ہونے کی وجہ سے صوبہ بنگال میں عورتیں خودکشی کر رہی ہیں اور ننگوں کے جلوس نکالے جا رہے ہیں۔ کفن کو کپڑا نہیں ملتا ہندوستان کو جیل کہنا یقیناً صحیح نہیں ہے جیل سے بھی بدتر کوئی ادارہ قرار دینا چاہیئے۔ ہاں اگر اس کو جہنم قرار دیا جائے اور وائسرائے کو داروغہ جہنم اور اُن کے کونسل کے ممبروں وغیرہ کو زبانیہ جہنم کہا جائے تو شاید قرین قیاس ہو سکے۔ ہمارے سنگدل آقاؤں نے آخر ہندوستان جنت نشان کو جہنم نشان بنا دیا ہے۔ والعیاذ باللہ

ہندوستان کی آزادی کیلئے جدوجہد اور قربانیوں کی اشد ضرورت

میرے محترم بزرگو! وہ وجوہ ہندوستان کی آزادی کی اشد ضرورت اور اس کے انتہائی جدوجہد کی فرضیت کی جو کہ تحریک خلافت کے وقت سے بلکہ اس سے پہلے سے آپ کے سامنے لائی گئی تھیں اور لائی جاتی رہیں وہ سب تو بعینہ باقی ہی ہیں اور بار بار آپ کے سامنے دہرائی گئی ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ اس تیرہ و تاریک محکومیت کے یہ واقعات جو کہ مشتے نمونہ از خروارے ہیں پیش کر کے میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا اب بھی کسی صاحب دین و دل اور صاحب غیرت کو اس میں شبہ کرنے یا گفتگو کرنے کا موقع باقی رہ جاتا ہے کہ یہ آزادی کی جدوجہد انتہائی ضروری ہے اور اُس کے لئے ہر قسم کی قربانی کے لئے ہر ہندوستانی کو تیار ہونا عقلاً، شرعاً، انسانیتہً فرض ہے۔ ایسی غلامی میں نہ مذہب محفوظ ہے، نہ زندگی نہ رفاہیت و امن ہے نہ خوشحالی نہ جماعتوں کے لئے زندگی ہے نہ افراد کے لئے۔ نہ ہندوستان کے لئے امن و چین ہے نہ آپ کی بیرونِ ہند کی اسلامی اور انسانی برادریوں کے لئے۔ یہی وہ امور ہیں جن کی بناء پر جمعیۃ العلماء ۱۹۱۹ء سے برابر چلی آتی ہے وہ اپنے اصول پر برابر قائم ہے۔ یقیناً اس راستہ میں امن و امان کو ہاتھ سے دینا، تشدد اور ہنسا کو **اختیار کرنا ہمارے نزدیک موجودہ دور میں کسی طرح درست نہیں ہے** مگر آزادی کی جدوجہد سے تغافل اور تکاسل مارہ گردانی ہم کسی طرح جائز نہیں ہے۔ وطن اور ابنائے وطن کی بربادی اور اس کے اسباب کسی خاص مذہب، کسی خاص برادری، کسی خاص شخص تک محدود نہیں ہو سکتے۔ وطن اور ملک کی بربادی جملہ ساکنین وطن کو برباد کئے ہی اور کر رہی ہے۔ ناؤ ڈوبتی ہے تو تمام اس کے سوار ڈوبتے ہیں۔ گاؤں میں آگ لگتی ہے تو سبھی کے گھر جلتے ہیں۔ زلزلہ آتا ہے تو سبھی کے گھر بار گرتے

ہیں۔ سوکھا پڑتا ہے تو سبھوں کی کھیتیاں اور باغات برباد ہوتے ہیں۔ وبائی امراض آتے ہیں تو سبھی مرتے ہیں ژالہ باری ہوتی ہے تو سبھوں کو نقصان ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ کالی غلامی اور محکومیت جملہ اہلِ وطن کو موت کے گھاٹ اُتار رہی ہے۔ آپ نے دیکھا کہ صوبہ بنگال میں جو قحط ڈلوایا گیا وہ خود انگلینڈ کے اخبار اقرار کرتے ہیں کہ یہ قحط انسان کے ہاتھوں لایا گیا تھا۔ کیا اس میں فقط ہندو مرے یا فقط مسلمان مرے نہیں سبھوں کی بربادی ہوئی۔ ایسے وقت میں ہر ادنیٰ سمجھ والا بھی اپنے داخلی اور خارجی جھگڑوں کو چھوڑ کر ضروری سمجھتا ہے کہ مصیبت عامہ کو سب سے پہلے زائل کر دینا چاہیئے۔ اس وقت تک چین نہ لینا چاہیئے اور نہ اپنے داخلی اور خارجی جزئی جھگڑوں کو چھیڑنا چاہیئے۔ جب تک کہ یہ عام مصیبت نہ ٹل جائے۔ جب کبھی گاؤں یا محلہ میں آگ لگتی ہے یا سیلاب آتا ہے یا ڈاکو چڑھ آتے ہیں تو کیا آپ اپنے گھربار کے جھگڑوں پٹی داری اور برادری کے تنازعات کو لے کر بیٹھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب تک اُن کا فیصلہ نہ ہو جائے گا میں آگ کو نہ بجھاؤں گا۔ بند باندھ کر سیلاب کو نہ روکوں گا۔ ڈاکوؤں کو نہ ہٹاؤں گا۔ میرے محترم حضرات! اس ملعون غلامی کے اثرات آگ سے زیادہ، سیلاب سے بڑھ کر، ڈکیتی سے مہلک تر ہیں ان سے اگر نقصان ہوتا ہے تو صرف ایک بستی اور ایک گاؤں میں۔ اگر ضرر پہنچتا ہے تو دنیاوی سامانوں میں، مگر اس غلامی کی لعنت تو ہندوستانیوں کو جس طرح برباد کر رہی ہے۔ اسی طرح افغانستان کو، بلوچستان کو، ایران کو، شام کو عراق کو، فلسطین کو، حجاز کو، یمن کو، حضرموت کو، مصر کو، سوڈان کو، الجیریا کو، تیونس کو، ترکی وغیرہ کو اور آپ کے ان برادرانِ اسلام کو جو کہ بیرونِ ہند، ساؤتھ افریقہ یا ایسٹ افریقہ یا ہند چینی یا جزائر جاوا برہما، ملایا وغیرہ میں بستے ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ کس طرح اسی زمانہ میں آزاد قبائل پر پانچ مہینے برابر وحشیانہ بمباری جاری رہی اور فوجی ممبر نے اسمبلی میں کس قدر تلخ اور دور از حقیقت جواب دیا۔

جمعیۃ علماء کا جدوجہد آزادی میں کانگریس کے ساتھ شریک ہونا

بسا اوقات لوگ کہتے ہیں کہ یہ امر تو صحیح ہے کہ ہندوستان کو آزاد کرانا فرض اور ضروری ہے مگر جمعیۃ کے ساتھ ہم کس طرح ہوں وہ تو کانگریس کے ساتھ اور اس کی تابعدار اور دُم چھلا ہے بلکہ بعض تو جمعیت کو کانگریسی جمعیت کہتے ہیں۔ اس لئے میں اس شبہ کے ازالہ کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہم لوگ ہندوستان کے باشندے ہیں۔ یہیں پیدا ہوئے اور یہاں ہی ہم کو رہنا ہے۔ ہندوستان چھوڑ کر ہم دس کروڑ مسلمان کسی دوسرے ملک میں نہیں بس سکتے۔ ہندوستان مختلف المذاہب انسانوں کا گہوارہ ہے۔ دس کروڑ مسلمان اور تیس کروڑ غیر مسلم یہاں کے باشندے ہیں ہر جگہ اور ہر صیغہ میں

مسلم اور غیر مسلم کا اشتراک ہے۔ غلامی اور محکومیت بھی سبھی کو برباد کر رہی ہے جس طرح مسلمان اپنے لئے اس غلامی کی زنجیروں کو توڑنا ضروری سمجھتا ہے اسی طرح ہندو اور دیگر غیر مسلم دیکھتا ہے کہ میں اپنے وطن میں راحت و آسائش بلکہ زندگی کے سانس بجز آزادی کے نہیں لے سکتا۔ اس لئے وہ بھی اپنا نصب العین وہی بناتا ہے جو کہ مسلمان کا تھا جبکہ دو شخصوں کو ایک ہی منزل پر جانا ہوگا تو یقیناً راستہ اور سڑک میں اتحاد ہوگا۔ پس اگر ایک منزل کی سڑکیں متعدد ہوں تو ممکن ہے کہ ہر ایک علیحدہ علیحدہ سڑک پر گامزن ہو کر منزلِ مقصود کو پہنچ جائے مگر یہاں پر بدقسمتی سے موجودہ احوال میں ایک ہی سڑک ہے۔ اب سے پہلے متعدد مسلم جماعتوں اور غیر مسلم جماعتوں نے دوسری سڑکیں اختیار کیں مگر تجربے نے ثابت کر دیا کہ وہ منزل تک نہیں پہنچا سکتیں اس لئے ہر دو فریق کے لئے ایک ہی راستہ رہ گیا جس پر جمعیۃ اور کانگریس در بارۂ آزادی گامزن ہیں۔ جمعیۃ کے مقاصد (جیسا کہ دستور اساسی میں مفصل مذکور ہے) علاوہ آزادی ہندوستان اور بھی ہیں مگر آزادیٔ ہندوستان کے نصب العین ہونے میں ہر دو فریک ہیں اس لئے عمل میں بھی شراکت ہوگی اس کو اشتراکِ عمل کہا جائے گا۔ تقلید یا اتباع کہنا یا استمداد اور استعانت قرار دینا غلط ہے۔ جمعیۃ نے کبھی بھی آنکھ بند کر کے کانگریس کی تقلید نہیں کی۔ جمعیۃ نے اپنی ابتدائی آفرینش یعنی ۱۹۱۹ء سے ہی اپنا نصب العین آزادیٔ کامل قرار دیا تھا۔ مگر کانگریس سوراج کی بھول بھلیاں میں پڑی ہوئی تھی اور عام طور سے اس کی تفصیل ہوم رول یا خود اختیاری سے کی جاتی تھی چونکہ موجودہ غلامی سے نکلنے اور مکمل آزادی تک پہنچنے میں ایک سیڑھی ہوم رول کی بھی آتی ہے۔ اس لئے اس زمانہ میں بھی کوئی اختلاف عمل نہیں ہوا جس زمانہ میں نہرو رپورٹ تیار کی گئی اور لکھنؤ میں آل پارٹیز کو بلا کر سبھوں پر نہرو رپورٹ پیش کی گئی جو اس زمانہ میں کانگریس کی تیار کرائی اور پاس کی ہوئی تھی تو اس کے ان دفعات میں جن سے مسلمانوں کو نقصان پہنچنے کا خطرہ تھا، جمعیت نے مخالفت بر سرِ اجلاس کی۔ اس مخالفت میں خلافت کمیٹی بھی علاوہ پنجاب پارٹی کے جمعیۃ کے ہم نوا تھی۔ جمعیۃ نے ایک پمفلٹ بنام تبصرہ لکھا اور اس میں ان غلطیوں کی توضیح کی جو نہرو رپورٹ میں واقع ہوئی تھیں اور وہ شائع کر دیا۔ نہرو رپورٹ میں نصب العین ڈومینین اسٹیٹس قرار دیا گیا تھا۔ اس زمانہ میں جدائی زیادہ رہی۔ کانگریس نے جبکہ وہ اس رپورٹ کی جدوجہد میں ناکام رہی تو لاہور کے اجلاس میں اس کو کنڈم کر کے دریائے راوی میں غرق کرتے ہوئے مکمل آزادی کا اعلان کر دیا اب اس کا اور جمعیۃ کا نصب العین ایک ہی ہو گیا اور دونوں میدانِ عمل میں برابر گامزن رہیں ہاں ایسے علاان جو کہ شریعت اسلامیہ کے خلاف تھے ان میں افتراق رہا۔ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس (ROUNDTABLE CONFERENCE)

کے موقعہ پر جمعیۃ نے سہارنپور میں ورکنگ کمیٹی کا اجلاس کرکے مستقل فارمولا تیار کیا اور ممبروں کو کانفرنس میں پیش کرنے کے لئے دیا۔ کانگریس نے ولائتی کپڑوں اور شراب کی دکانوں پر پکیٹنگ کرنے کے لئے عورتوں کی والنٹیر کور کو مقرر کیا۔ جمعیۃ نے اس میں خلاف کیا۔ علاوہ ازیں جمعیۃ نے دوسرے مذہبی امور میں، بغیر اشتراک کانگریس کام کئے۔ شدھی کے زمانہ میں اپنے وفود میدانِ ارتداد میں بھیجے۔ دیہاتوں میں ابتدائی مدارس قائم کئے اور تقریباً گیارہ ہزار مرتدین کو اسلام کی طرف کھینچا۔ ایک سو تیس سے زیادہ مکاتب قائم کئے۔ مولویوں کے لئے فنڈ جمع کرکے ان کی امداد کی، ساردا ایکٹ، وقف بل، شریعت بل، حج بل، مسلم بل وغیرہ میں اپنی پوری جدوجہد عمل میں لاتی رہی۔ فلسطین کے متعلق، حجاز اور ابن سعود کے متعلق، اور دیگر اسلامی امور میں اُس نے کبھی بھی حتی المقدور کوتاہی نہیں کی۔ ظاہر ہے یہ اُمور کانگریس سے تعلق نہیں رکھتے۔ الغرض جمعیۃ اپنے استقلالِ اجتماعی کے ساتھ خود داری رکھتے ہوئے محض آزادی کی جدوجہد میں اشتراکِ عمل کانگریس سے رکھتی ہے نہ اس میں منضم ہے اور نہ تابعدار، محض سنہ ۳۲-۱۹۳۱ء میں جس زمانہ میں پنڈت موتی لال نہرو کانگریس کے صدر تھے اور کانگریس سول نافرمانی کر رہی تھی جمعیۃ بھی سول نافرمانی کا پروگرام لئے ہوئے میدانِ عمل میں اُتری ہوئی تھی مگر سرمایہ کی کمی کی وجہ سے جمعیۃ کی سول نافرمانی کمزور تھی۔ پنڈت جی نے مالی امداد دینا چاہا تو صاف الفاظ میں جمعیۃ نے انکار کر دیا کہ ہم آپ سے اور کانگریس سے امداد لینا نہیں چاہتے ہم اپنا فریضہ ادا کر رہے ہیں۔ ہم مسلمانوں ہی سے مدد طلب کریں گے اور جو کچھ اُن سے ملے گا اسی سے کام چلائیں گے۔ ریکارڈ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

جمعیۃ کے کارکنوں کے متعلق غلط اور جھوٹا پروپیگنڈا کہ وہ کانگریس کے تنخواہ دار ہیں

بہت مرتبہ یہ پروپیگنڈا کیا گیا اور مفسدوں نے شہرت دی کہ جمعیۃ والے کانگریس کے تنخواہ دار ہیں اور ہندوؤں کے خریدے ہوئے ہیں مگر یہ بالکل جھوٹ اور افترا محض اور ہے۔ بارہا برسرِ اجلاس حضرت مولانا احمد سعید صاحب، مولانا المفتی کفایت اللہ صاحب اور کاتب الحروف نے قسمیں کھائیں کہ کبھی ایسا نہ شخصی طور پر ہوا نہ اجتماعی طور پر۔ حضرت مولانا احمد سعید صاحب نے یہاں تک بھرے مجمع میں کہہ دیا کہ اگر میں نے یا جماعت کے کسی ذمہ دار نے ایسا کیا ہو تو خدا ہم کو مرتے وقت کلمہ نصیب نہ کرے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محروم کر دے، اس سے زیادہ اطمینان دلانے کے لئے ہمارے پاس کیا طریقے ہو سکتے ہیں۔ واقعہ یہی ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی ذمہ دار جمعیۃ ایسی بے غیرتی اور بے ایمانی کا مرتکب نہیں ہوا۔ اگر ہم کو ایمان فروشی کرنی ہی ہوتی تو

انگریز کے ہاتھ کرتے جس کے پاس دولتوں کے خزانے اور حکومت کی طاقت ہے کانگریس تو ہماری طرح غلام اور مسکین ہی ہے۔ اس کے پاس جو کچھ سرمایہ ہے وہ انگریز کے سرمائے کے سامنے ایسی بھی نسبت نہیں رکھتا جو کہ ذرہ کو پہاڑ سے ہوتی ہے۔ ہم نے قسمیں کھا کھا کر اور مغلظ قسمیں کھا کھا کر مجامع میں لوگوں کو یقین دلایا مگر وہ بے ایمان جو اغراض فاسدہ رکھتے ہیں یا حکومت کے ایجنٹ ہیں یا خود اسی کے عادی ہیں اپنی زبانوں اور قلموں کو نہیں روکتے۔ اس کا علاج بجز تفویض الی اللہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

قد قیل ان اللہ ذو ولد — وقیل ان الرسول قد کہنا

ما نجی اللہ والرسول معا — من لسان الوری فکیف انا

کانگریس کی حقیقت اور اس میں شرکت

مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ خود کانگریس کی شرکت کا کیا حکم ہے اور کیا وہ اس لائق ہے کہ اس سے مسلمان نفرت کریں یا اس میں داخل ہو کر اپنے ملکی حقوق حاصل کرنے کے لئے سعی کرنی چاہیئے اس لئے عرض ہے کہ موجودہ غلامی کی بنا پر تمام ہندوستان کے باشندے برباد ہیں۔ ۱۸۵۷ء کی سعی آزادی اور انقلاب میں ہندوستانی ناکام ہوئے اور انگریزوں کو کامیابی ہوئی۔ انہوں نے تمام ہندوستان کے باشندوں پر عموماً اور مسلمانوں پر خصوصاً سخت اور دردناک مظالم کئے اور ان کے تمام حقوق وطنیہ ملکیہ اپنے قبضہ میں کر لئے۔ عہود اور مواثیق جو سابق سے چلے آتے تھے سب کو توڑ ڈالا۔ خود غدار تھے مگر ہندوستانیوں کو غدار مشہور کیا۔ آزادی کی سعی کو غدر قرار دیا، حالانکہ یہ فریضہ وطنی اور سیاسی اور انسانی تھا کمپنی کے مطلق العنان بدکار رجعت پسند ظالم ڈائرکٹروں اور جرنیلوں کے سیاہ کارناموں پر مطلع ہو کر تاج برطانیہ نے ہندوستان کو اپنے زیر سایہ لینا اور براہ راست انتظام کرنا ضروری سمجھا اور کمپنی سے پونے چار کروڑ پونڈ کے بدلے ہندوستان کو خرید لیا۔ (افسوس کہ وہ مقدار اب تک ہندوستان پر قرض چلی آتی ہے اور ہندوستان کو سالانہ اس کا سود اور سود در سود ادا کرنا پڑتا ہے جس کو بیچا تھا۔ اسی سے قیمت و نوائی جاتی ہے۔ تاج برطانیہ نے افریقہ وغیرہ میں نائیگریا وغیرہ کو کمپنیوں وغیرہ سے خریدا مگر ان کی قیمتیں تاج برطانیہ کے خزانوں سے ادا کی گئیں) کوئن وکٹوریہ نے اپنا مشہور اعلان ہندوستان میں نشر کیا اور تمام ہندوستانیوں کو مستقبل کے متعلق اطمینان دلایا۔ ہندوستانی مطمئن ہو گئے اور یقین کر بیٹھے کہ بادشاہی اقتدار سچائی اور انصاف کے ساتھ ہماری پوری نگرانی کرے گا۔ اس کے وعدے اور عہود سچے ہوں گے۔ کمپنی کے عہود و مواثیق افراد کے تھے ان میں سچائی اور انصاف کا نہ ہونا مستبعد نہ تھا وہ تاجروں اور سرمایہ کے حریصوں کے وعدے

تھے جو کہ کوڑی کوڑی کے لئے ایمان فروش ہوا کرتے ہیں۔ مگر افسوس کہ ہندوستانیوں کا شہنشاہی اعلان کے متعلق بھی حسنِ ظن غلط ثابت ہوا۔ اعلان مذکور میں گزشتہ معاہدات کی جو کمپنی سے ہندوستانیوں کے ہوئے تھے تقدیس کی گئی تھی اور اُن کے بحال رکھنے کا قوی وعدہ کیا گیا تھا اور دیگر اور عہود بھی کئے گئے تھے مگر رجعت پسند اور تعصب القلب انگریز حکام نے کوئی پرواہ نہ کی۔ انہوں نے سب کو بالائے طاق رکھ دیا اور نہ صرف پُرانے عہود کو بلکہ کوئن وکٹوریہ کے اعلان کو بھی شرمندۂ عمل نہ ہونے دیا اور انتہائی استبداد اور ڈکٹیٹری کو ہر صیغہ میں جاری کر دیا اور نہایت بے پرواہی کے ساتھ من مانی کارروائی عمل میں لاتے رہے۔ عام ہندوستانی ۱۸۵۷ء کی سنگینوں اور گولیوں، پکڑ دھکڑ، قید و بند سے اس قدر مرعوب ہو چکے تھے کہ حق تلفیوں پر حق تلفیاں، مظالم پر مظالم، ناانصافیوں پر ناانصافیاں دیکھتے تھے اور چوں نہ کرتے تھے مگر تابکے۔ آخر کار نئے تعلیم یافتہ پیدا ہوئے۔ زمانہ نے پلٹی کھائی۔ لوگوں میں اپنے حق کا شعور، حق طلبی کی جرأت، مظالم اور استبداد سے اُکتانا پیدا ہوا۔ زبانیں کھلیں، شکوے شکایت ہونے لگے۔ تحریری بیانات اور کاغذی گھوڑے دوڑنے لگے اور استبداد اور مطلق العنانی کی شکایات کی گئیں۔ حقوق طلب کئے گئے۔ پروٹسٹ کیا گیا۔ مگر سخت دل کنزرویٹو خیال کے انگریزوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔ تاہم بعض انصاف پسند اصولی انگریز اس استبداد اور مطلق العنانی سے متاثر ہوئے اور انہوں نے رائے دی کہ انفرادی شکایات اور خواہشات مؤثر نہیں ہو سکتیں۔ اجتماعی طور پر باقاعدہ احتجاج کرو۔ اپنی ضروریات پیش کرو۔ گورنمنٹ سے اصلاحات کی خواہش کرو تو اس پر دھیان دیا جا سکتا ہے۔ اگر یہاں شنوائی نہ ہو تو پارلیمنٹ اور وزرائے انگلینڈ کو توجہ دلاؤ کم و بیش کامیابی ضرور ہوگی بنابریں۔ ۔ ۔ ۔ لارڈ ڈفرن [LORD DUFFERN] ۔۔۔ اس کی بنیاد بمبئی میں رکھی گئی۔ ہیوم کے مشورے میں لارڈ ڈفرن [LORD DUFFERN] موصوف کا ہاتھ ضرور تھا مگر آگے چل کر چند برسوں کے بعد جب کانگریس کے مطالبات بڑھے اور اُس نے اچھی خاصی قبولیت عامہ پیدا کر لی اور اجتماعی قوت ایسی پیدا ہو گئی کہ انگریز قوم اور وطن کے مفادات کے لئے خطرہ معلوم ہونے لگے تو خود اس کے مخالف ہو گئے۔

اس کا پہلا اجلاس بمبئی میں ہوا اور اس میں کانگریس کی تعریف مندرجہ ذیل الفاظ سے کی گئی۔

" کانگریس ایک قومی مجمع ہے جو فکر اور تدبیر کے ساتھ اس غرض سے قائم کیا گیا ہے کہ ایسے طریقوں سے جو قانوناً جائز ہوں اور اصول سلطنتِ انگلستان کے خلاف نہ ہوں جناب قیصرہ ہند کی ہر قسم کی رعایائے ہندوستان کی بہبودی اور ترقی کی کوشش کی جائے (لیکچر آنریبل پنڈت اجودھیا ناتھ وکیل ہائیکورٹ الہ آباد و ممبر کونسل ۱۰ اپریل ۱۸۸۸ء)

یہ اجلاس ماہ دسمبر ۱۸۸۵ء زیر صدارت سر سریندر ناتھ بنرجی وکیل ہائی کورٹ کلکتہ شہر بمبئی میں ہوا، اس اجلاس میں ۷۲ ممبر شریک ہوئے جن میں دو مسلمان تھے۔ ان ہی میں سے ایک مسٹر رحمت اللہ سیانی مرحوم بھی تھے۔ ۳ بنگالی تھے۔ جو الفاظ کانگریس کی تعریف میں "ہر قسم کی رعایائے ہندوستان" کے ذکر کئے گئے ہیں وہ تبلاتے ہیں کہ یہ ادارہ فقط ہندوؤں کے لئے نہیں بنایا گیا تھا بلکہ تمام ہندوستانیوں کے لئے بنایا گیا تھا۔ دوسرا اجلاس اس کا کلکتہ میں زیر صدارت دادا بھائی نوروزجی پارسی ماہ دسمبر ۱۸۸۶ء میں منعقد ہوا، اس میں کل ممبر ۴۳۶ تھے جن میں ۳۳ مسلمان تھے۔

تیسرا اجلاس مدراس میں زیر صدارت بدرالدین طیب جی دسمبر ۱۸۸۷ء میں منعقد ہوا۔ اس کے ممبروں کی تعداد ۶۰۷ ہے اس میں مسلمان ممبر ۸۳ تھے۔ تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ دُور دُور کے صوبجات سے بڑے بڑے مسلمان وکلاء اور زمیندار تعلقدار اس میں شریک ہوتے رہے۔

چوتھا اجلاس الہ آباد میں زیر صدارت مسٹر جارج یول [MR. GEORGE YULE] عیسائی یورپین تاجر کلکتہ ہوا، اس میں کل ممبروں کی تعداد ۱۲۴۸ ہے۔

چوتھے اجلاس کے زمانے میں حکومت ہند اور ان انگریزوں نے جو کنسرویٹو تھے کھلی مخالفت شروع کی۔ انہوں نے دیکھا کہ کانگریس کا وقار بڑھ رہا ہے، ملک میں اس کو بے حد مقبولیت حاصل ہوتی جا رہی ہے وہ ایسے ایسے رزولیوشن پاس کر رہی ہے جس سے انگریزوں کے استبداد اور مطلق العنانی کو ٹھیس لگتی ہے اس لئے اس کو مٹانا چاہیئے چنانچہ مسٹر بیک پرنسپل علیگڈھ مسلم کالج نے (جو کہ پہلے ہی بنرجی کی تقریروں پر چراغ پا ہو گئے تھے اور سرسید کو دن رات جد و جہد کر کے مخالف بنا چکے تھے) سر الگزینڈر کالون [SIR ALEXANDER COLVIN] لفٹنٹ گورنر یوپی کو کانگریس کے مقابل کھڑا کر دیا اور کھلے بندوں یہ کوشش ہوئی کہ الہ آباد میں کانگریس کے اجلاس کے لئے کوئی جگہ نہ ملے مگر باوجود ان مخالفتوں کے کانگریس کا اجلاس کامیاب ہوا اور وہ آگے بڑھتی رہی اور روز بروز اس کی مساعی اور ہمتوں میں ترقی ہوتی رہی۔ رجعت پسند انگریزوں کی مساعی بھی اس کے خلاف بطور ردّ عمل ترقی پذیر رہیں۔ علاوہ مسٹر بدرالدین طیب جی کے کانگریس کے مندرجہ ذیل صدر مسلمان ہوئے۔

۱۸۹۶ء میں مسٹر محمد رحمت اللہ سیانی کلکتہ کے اجلاس میں صدر ہوئے اور سال بھر تک خدمات صدارت انجام دیتے رہے۔

۱۹۱۳ء میں نواب سید محمد بہادر کراچی کے اجلاس میں صدر ہوئے۔

" " " " "

۱۹۱۸ء میں مسٹر سید حسن امام بمبئی کے اسپیشل کے اجلاس میں صدر ہوئے۔

" " " " "

سنہ ۱۹۲۱ء میں مسیح الملک حکیم اجمل خان مرحوم احمد آباد کے اجلاس میں صدر ہوئے اور سال بھر تک خدمات صدارت انجام دیتے رہے۔
سنہ ۱۹۲۳ء میں مولانا ابوالکلام دہلی کے اسپیشل کے اجلاس میں صدر ہوئے ״ ״ ״ ״ ״ ״
سنہ ۱۹۲۳ء دسمبر میں مولانا محمد علی صاحب کوکناڈا کے اجلاس میں صدر ہوئے ״ ״ ״ ״ ״ ״
سنہ ۱۹۲۷ء میں ڈاکٹر مختار احمد انصاری مدراس کے اجلاس میں صدر ہوئے ״ ״ ״ ״ ״ ״
سنہ ۱۹۴۰ء میں مولانا ابوالکلام رام گڑھ کے اجلاس میں صدر ہوئے اور اب تک صدارت کر رہے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اب تک کانگریس کے ۹ صدر مسلمان مقرر ہو چکے ہیں۔ ۶ صدر عیسائی ہیں جن میں اینی بسنٹ [LHNNIE BESANT بھی ہیں۔ ۴ صدر پارسی ہیں۔ اگر کانگریس تمام ہندوستانیوں کی بلاتفریق مذہب جماعت نہ ہوتی بلکہ مثل مہاسبھا اور مسلم لیگ وغیرہ فرقہ وارانہ جماعت ہوتی تو یہ لوگ کیوں صدر مقرر کئے جاتے جس طرح کہ مہاسبھا کا صدر مسلمان اور لیگ کا صدر غیر مسلم نہیں ہو سکتا، اس کا صدر بھی کوئی غیر ہندو نہیں ہو سکتا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ رجعت پسند اور مطلق العنان کنزرویٹو انگریزوں کو کانگریس سے نہایت زیادہ دشمنی ہے ان کو کسی طرح اپنے اقتدار اور استبداد میں تل برابر کی کمی گوارہ نہیں ہے۔ اس لئے وہ کانگریس کو ہمیشہ سے اپنا بدترین دشمن دیکھتے ہیں اور اس سے لوگوں کو متنفر کرانے اور اس کے اقتدار اور قبولیت کو گھٹانے کی فکروں میں دن رات لگے رہتے ہیں۔ اسی اُدھیڑبن میں مسٹر بیک [MR.THEODORE BECK] مسٹر موریسن [MR.MORRISON] مسٹر آرچیبولڈ [MR. ARCHIBALD] علی گڑھ کالج کے یکے بعد دیگرے پرنسپل رہے یہ تثلیثی دور پچیس سال تک قائم رہا۔ کانگریس کی دشمنی میں بار بار انجمنیں بنائی گئیں۔ تحریریں شائع کی گئیں۔ پمفلٹ چھاپے گئے۔ بے شمار لیکچر دیئے گئے جس کی بنا پر مسلمانوں میں کانگریس سے نفرت اور فرقہ وارانہ دشمنی بہت بڑے پیمانے پر پیدا کر دی گئی۔ (دیکھو روشن مستقبل، از صفحہ ۲۸۸ تا صفحہ ۳۷۵) اور پھر اسی پالیسی کے ماتحت سنہ ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ اور مہاسبھا کی بنیاد رکھی گئی دونوں کی ابتدا ایک ہی سال میں لارڈ منٹو [LORD MINTO] اور ان کے ہوم سیکرٹری کی توجہات عالیہ سے ہوتی ہے اور دونوں جماعتیں ایک ہی راہ پر بمد مقابل گامزن ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ انڈین نیشنل کانگریس تمام ہندوستانیوں کی بلاتفرقہ مذہب و نسل جماعت ہے۔ اس کا مقصد تمام ہندوستانیوں کی بھلائی ہے۔ کسی فرقہ اور مذہب کی اس میں خصوصیت نہیں ہے ہاں اس وجہ سے کہ ملک ہندوستان میں ہندو اکثریت میں ہیں اور مسلمان اقلیت میں اور اس وجہ سے

۔ہندو رجعت پسند انگریزوں کے دام مکر میں اتنا نہیں پھنسا جتنا کہ مسلمان پھنسے اور اسی بنا پر وہ کانگریس سے متنفر رہے۔ کانگریس میں ہندو کی اکثریت ہونی طبعی ہے۔ مگر کیا یہ امر کانگریس سے متنفر اور علیحدگی کا سبب بن سکتا ہے اور اگر اس کو کوئی شخص سبب قرار دے تو کیا وہ حق پرست کہا جا سکتا ہے نہیں نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ٹاؤن ایریا میں، نوٹیفائیڈ ایریا میں، میونسپل بورڈوں میں، لوکل بورڈوں میں، ڈسٹرکٹ بورڈوں میں دلوں کی کونسلوں میں مرکزی اسمبلی میں، تجارتی، تعلیمی بورڈوں وغیرہ میں بسا اوقات غیر مسلم ممبروں ہی کی اکثریت ہوتی ہے بالخصوص یوپی، بہار، مدراس، بمبئی، برار وغیرہ اقلیت کے صوبوں میں اور اسی طرح مرکزی اداروں میں اور پھر انتہائی جدوجہد کی جاتی ہے کہ اس میں شرکت کی جائے مالکشن لڑے جاتے ہیں ہزاروں روپے خرچ کئے جاتے ہیں۔ مقابلے سخت سے سخت عمل میں لائے جاتے ہیں یہاں تک کہ مسلمان خاندانوں اور افراد میں سخت سے سخت رنجشیں بلکہ عداوتیں پیدا ہو جاتی ہیں اور ووٹ نہ دینے والوں سے سلام وکلام، آمد ورفت، بیاہ شادی، شرکت موت وجنازہ وغیرہ بھی بسا اوقات چھوٹ جاتی ہے حالانکہ انقطاع تعلقات کی روائیاں، ناجائز اور حرام ہیں۔ اگر غیر مسلم کی اکثریت ان ملکی اور سیاسی اداروں میں شرکت سے مانع نہیں ہے بلکہ اپنے حقوق وطنیہ بلکہ سیاسیہ، دینیہ وغیرہ کی حفاظت اور حصول کے لئے ان میں شرکت ضروری ہے اور بے شک ضروری ہے تو کانگریس نے کیا قصور کیا ہے وہ بھی تو ایک سیاسی ادارہ ہے اور وہ بھی اپنے ملکی اور سیاسی حقوق کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ ہاں فرق اتنا ضرور ہے کہ مندرجہ بالا ادارے انگریز کی غلامی کے دم بھرنے والے ہیں۔ وہاں جایئے صاحب بہادر کی پیشانی پر شکن نہیں پڑتی اور کانگریس صاحب بہادر کی مٹھی سے اپنے حقوق نکلوانا چاہتی ہے اور اس غاصب کی ہوئی چیزوں کو اُگلوانا اس کا نصب العین ہے۔ کیا یہ وہی معاملہ نہیں ہے کہ گڑ کھائیں اور گلگلوں سے پرہیز ہو۔ ملکی اداروں میں خواہ تعلیمی ہوں یا انتظامی پوسٹ آفس کے ہوں یا ٹیلیفون کے ہوں یا ٹیلیگرام کے، فوجی ہوں یا پولیس کے تجارتی ہوں یا صنائع کے عموماً اکثریت ہندوؤں کی ہوتی ہے اور بسا اوقات اس ادارہ کا افسر بھی غیر مسلم ہوتا ہے مگر اُن میں ملازمت حاصل کرنے اور پہنچنے کے لئے کیا جدوجہد نہیں کی جاتی یہاں یہ کہنا کہ ادارہ ہائے حکومت حاکم وقت کے ماتحت ہیں اس کے آفیسر خود مختار نہیں ہیں اُن کا کارکن افسر قانون حکومت کے چلانے اور اتباع پر مجبور ہے اس لئے وہاں جانے میں حرج نہیں ہے۔ ہمارے سوال کا جواب نہیں ہو سکتا کیونکہ (الف) وہ حکومت اور اُس کے بالائی کارکن بھی غیر مسلم ہی ہیں خواہ عیسائی ہوں یا ہندو (ب)، ان کے قوانین بھی غیر اسلامی

ہیں اور پردیسی ہونے کی بنا پر اپنے دیس اور قوم کی خود غرضیاں ہر قانونی دفعہ میں ملحوظ رکھتے ہیں (ج) کسی ڈیپارٹمنٹ کا افسر اگر چاہتا ہے تو ماتحتوں کو ہر طرح تنگ کرتا ہے اور حکام بالا تک پہنچنے کی نوبت ہی نہیں ہونے دیتا حکام بالا کو ان ماتحتوں سے بدظن کرنے میں یہ کامیاب ہو جاتا ہے۔ آئے دن ایسے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ تو چاہیئے تھا کہ ان محکموں میں جانا اور ملازمت کرنا متروک ہوتا۔ خلاصہ یہ کہ یہ جواب بالکل لچر اور پوچ ہے۔ اگر اکثریت غیر مسلمہ کی وجہ سے شرکت ناجائز ہے اور پھر ہندوستان میں بود و باش ہی کس طرح جائز ہے۔ ملک میں، صوبوں میں قصبوں میں اور دیہاتوں اور محلوں وغیرہ میں بسا اوقات غیر مسلموں کی اکثریت ہی پائی جاتی ہے۔ اگر کہا جائے کہ اسی بنا پر ہم پاکستان کے لئے جدوجہد کرتے ہیں تو میں کہوں گا کہ پھر آپ حکم صادر کر دیجئے کہ اقلیت والے صوبوں کے باشندے اپنی مساجد، خانقاہیں، مقابر، زمینداریاں، مکانات وغیرہ سب سے دست بردار ہو کر آپ کے مزعومہ پاکستان میں ہجرت کر جائیں ورنہ وہ گنہگار ہوں گے اور آپ پاکستان حاصل کرنے سے پہلے کے مسلمانانِ ہند کو حرام موت مرنے والے یا گنہگار مرنے والے کا فتوٰی صادر کر دیں العیاذ باللہ۔

میرے محترم بزرگو! سوچئے آپ اپنی تجارتوں اور لین دین میں، کھیتی باڑی میں، درختوں کے نصب کرنے اور باغبانی میں، مقدمہ بازی اور کورٹوں کے کاروبار میں، رجسٹریشن اور تعلیمات وغیرہ میں ریلوں اور سیر و سفر میں تو ہندوؤں کے پاس بیٹھنا اور ان سے صلاح اور مشورے لینا اور ان سے بحث و سوال وغیرہ کرنا ناجائز نہیں سمجھتے بلکہ بغیر اس کے اپنی زندگی نہیں گزار سکتے اور ضروری سمجھتے ہیں۔ پھر کیا تعجب کی بات نہیں ہے کہ ہندوستان کی آزادی اور غلامی سے نجات حاصل کرنے اور ملکی مفاد و ترقی کرنے کے لئے کانگریس میں جانے اور اجتماعی طور پر جدوجہد کو عمل میں لانے کو حرام و ممنوع قرار دیتے ہیں یک بام و دو ہوائے کا معاملہ کیوں ہے اور کس طرح قرین قیاس ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ہندو تنگ دل ہے۔ وہ مسلمانوں کے لئے ہر چیز میں رکاوٹیں پیدا کرتا ہے اور بربادی ہی کی نیت رکھتا ہے اس سے ملنا نہ چاہیئے میں کہتا ہوں (الف) ہم تسلیم کرتے ہیں کہ وہ تنگ دل ہے مگر اس کو ہونا بھی ایسا ہی چاہیئے تھا وہ ہزار ڈیڑھ ہزار برس سے غلام چلا آتا ہے۔ غلامی کا اثر تنگ دلی ہوتا ہے۔ مگر آپ اپنے گریبان میں تو منہ ڈال کر دیکھئے کیا آپ اس سے فراخدلی و فیاضی کا معاملہ کر رہے ہیں کیا آپس میں آپ فیاضی کر رہے ہیں۔ آپ کے مختلف فرقے آپس میں اور آپ کے تعلقدار اور زمیندار اپنی برادریوں میں اور اپنے پٹی داروں میں اور آپ کے مختلف ادارے اپنے اپنے اداروں

میں کیا کیا تنگ دلیاں نہیں برتتے۔ حالانکہ آپ کو غلامی میں آئے ہوئے دوسو ہی برس گزرے ہیں۔ پھر ہندو پر کیا اور کیوں ملامت ہے (ب) کیا یہ تنگ دلی صرف سیاسی اداروں کانگریس ہی میں موثر ہوگی اور حرمت پیدا کرے گی، اسمبلیوں، کونسلوں، بورڈوں وغیرہ میں مؤثر نہ ہوگی۔ اگر ایسا ہے تو حکومت کے جملہ اداروں کو بھی چھوڑ بیٹھئے اور زاہدانہ زندگی اختیار کیجئے (ج) یہ تنگ دلی تو اور اُس کی موجب ہے کہ ہم اپنے حقوق کے لئے پُر زور طریقے پر اور بکثرت داخل ہوں اور تنگ دلوں کے حلق سے اپنی چیزیں اور اپنے حقوق انگلی ڈال ڈال کر نکال لیں۔ اور اگلوائیں نہ کہ نفرت کر کے علیحدہ ہو جائیں اور دوسروں کو اپنے حقوق کو نگلنے اور ہضم کرنے دیں۔ ایک ایک انچ زمین اور ایک ایک پیسہ کے لئے تو آپ فوجداری کرتے ہیں مقدمہ بازی کرتے ہیں، ہزاروں جتن دن رات عمل میں لاتے ہیں اور کسی غیر کو خواہ غیر مسلم ہو یا مسلمان ہضم کرنے نہیں دیتے اور اس کے لئے ہر طرح جدوجہد کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ مگر ملک میں سیاسی حقوق کے حاصل کرنے اور غلامی سے نجات حاصل کرنے میں علیحدہ ہو کر بیٹھ جاتے اور جب ہندو جدوجہد کر کے کچھ حاصل کر لیتا ہے تو یا تو آپ شور و شغب مچاتے ہیں کہ ہندو کو یہ مِل گیا وہ مِل گیا۔ ہم کو کیوں نہ مِلا یا شیعوں کی طرح ماتم اور سوگ و ملال میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ محترم بزرگو! اس عالمِ اسباب کا یہ قانون نہیں ہے جو جاگے گا، قربانی کرے گا، جدوجہد کرے گا وہ حاصل کرے گا اور جو سوئے گا، نامرادی ناہموار ہی ہے گا تن پھیر اور باتیں بنانے میں مصروف رہے گا، صرف رونے، دھونے، باتیں بنانے میں دن و رات کاٹے گا وہ محروم رہے گا سوائے نکبت اور ذلت اس کو کہیں بھی کچھ حاصل نہ ہوگا۔

محترم بزرگو! اس غلامی کی لعنتوں سے نکلنا اور آزادی حاصل کرنا مسلمانوں کا فرض اور نصب العین ہے اور ہندو، سکھ، پارسی وغیرہ کا بھی فریضہ اور نصب العین ہے۔ ہر ایک اپنے لئے جدوجہد کرتا ہے اور کرے گا کسی کا دوسرے پر احسان نہیں ہے۔ تمام باشندگانِ ہند اس ملعون غلامی سے برباد ہو رہے ہیں ہاں مسلمانوں کا فریضہ سب سے زاید ہے کیونکہ

(الف) مسلمان پر سر اقتدار رہتے انگریزوں نے اقتدار اور حکومت مسلمانوں سے چھینی ہے۔

(ب) ہندوستان کی غلامی کی وجہ سے صوبہ سرحد کے مسلمان آزاد قبائل غلام بنائے گئے اور بنائے جا رہے ہیں اور اب بھی اُن کے لئے عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا ہے۔

(ج) ہندوستان کی غلامی کی بنا پر مسلمانوں کے ملک افغانستان پر چار دفعہ چڑھائی کی گئی اور کوشش کی گئی کہ وہاں پر مسلم حکومت کو مٹا دیا جائے۔

(د) ایران پر سے آزادی کا پرچم اُٹھا دیا گیا۔ بالخصوص اس جنگ میں آج تک وہاں انگریزی ہندوستانی فوجیں موجود ہیں اور ایران کے آزاد ہونے میں کھنڈت ڈال رہی ہیں۔

(ہ) عراق، شام دونوں جگہوں میں انگریزی ہندوستانی فوجیں بکثرت پڑی ہوئی ہیں اور ہر وقت دونوں کو تہدید کر رہی ہیں۔ اب بھی یہی منصوبے ہیں کہ شام اور لبنان کو پھر فرانسیسی انتداب میں دیدیا جائے حالانکہ ۱۹۴۳ء میں روس کی مکمل آزادی اور فرانس سے بے تعلقی کا اعلان ہو چکا تھا۔

(و) فلسطین کے مسلمانوں کو دبانے اور ہر طرح مجبور اور محروم الملکیت کر دینے کی صورتیں برابر جاری ہیں۔ یہودی لالا کر بسائے جا رہے ہیں۔ ملکیت اور ثروت کی حیثیت سے تو یہودیوں کا غلبہ ہو ہی چکا تھا مردم شماری کی حیثیت سے بھی مساوات ہونے میں تھوڑا سا ہی فرق رہ گیا ہے۔ (دیکھو بیانات مسٹر عبدالرحمن صدیقی)

(ز) حجاز، یمن، نجد، عمان، حضرموت، صوبہ ہائے عرب ہر وقت برطانیہ کی تہدید میں آئے ہوئے ہیں اُن کی زندگیاں تقریباً ہندوستانی ریاستوں جیسی ہو کر رہ گئی ہیں۔

(ح) وفاق عرب کی اسکیم زیر نظر اور سایہ برطانیہ جاری ہے آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ اس صورت میں کیا عرب ممالک اور عرب اقوام حقیقی آزاد ہوں گے اور کیا چالاک ڈپلومیٹک برطانیہ ان کے لئے چین اور راحت اور آزادی کامل کی زندگی حاصل ہونے دیگا۔ اور کیا اگر وہ چاہیں بھی تو اس کمزوری کے ساتھ جو اُن میں جغرافیائی، سمندری اور پیداواری اور اقتصادی حیثیت سے حاصل ہے وہ مکمل آزاد رہ سکتے ہیں۔

(ط) ممالک ترکی، مصر، سوڈان، الجیریا، تونس، لیبیا وغیرہ کے مسلمان تمہاری غلامی کی وجہ سے ہر وقت خطرے میں ہیں جب بھی کوئی موقعہ ہوتا ہے ہندوستان سے بے شمار فوج ہائے شمار رسد، بے شمار ہتھیارے جا کر محل دیا جاتا ہے۔

(ی) تمہارے احتجاج اور پروٹسٹ کو کبھی دھیان بھی نہیں دیا جاتا خواہ خلافت کے لئے ہو ترکوں کے لئے ہو، مقامات مقدسہ کے لئے ہو، فلسطین کے لئے ہو یا دوسری جگہوں کی مسلم برادریوں کے لئے ہو غلام کی آواز آواز ہی نہیں شمار ہوتی۔ آزاد قوم خواہ یونان ہی جیسی اقلیت والی کیوں نہ ہو دنیا میں اودھم مچا دیتی ہے مگر غلام قوم خواہ تمام دنیا کی پانچواں حصہ ہی ہو اُس کی آواز صدا بصحرا ثابت ہوتی ہے۔

(ک) تمہارے مذہبی اور وطنی ہر دو قسم کے بھائی ایسٹ افریقہ، ساؤتھ افریقہ کیپ کالونی، مارشیس، جزائر بحر ہند جنوبی وغیرہ میں بستے ہیں اُن پر سخت سے سخت قانون پاس کئے گئے ہیں اور کئے جا رہے ہیں مگر آپ

کی آواز، آپ کا پروٹسٹ کچھ کارگر نہیں ہوتا، کیا اگر آپ آزاد ہوتے تو کیا آپ کی آواز اسی طرح غیر مؤثر ہوتی۔ بہرحال مذکورہ بالا اُمور اور ایسے اور بھی متعدد اُمور ہیں جو کہ مسلمانوں پر موجودہ محکومیت اور غلامی سے آزاد ہوجانا زیادہ تر ضروری اور لازم ہونے کو بتلا رہے ہیں خود ہندوستان میں موجودہ غلامی سے جس قدر ضرر مسلمانوں کو حاصل ہوا ہے اور حاصل ہو رہا ہے۔ ہندوؤں کو نہیں ہوا۔ اگرچہ سب کے سب برباد ہوئے اور ہو رہے ہیں مگر مسلمان بہت برباد ہوا۔ دیکھو کتاب ڈبلو ڈبلو ہنٹر [W.W. HUNTER] (ہمارے ہندوستانی مسلمان) [OUR INDIAN MUSALMAN] نیز کتاب "مسلمانوں کا روشن مستقبل" (حالانکہ ان میں بھی جو اصول اور اعمال درج ہیں دریا میں سے چند قطرے ہیں) برٹش گورنمنٹ کی پالیسی ہمیشہ سے یہی رہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں کو کچلا جائے۔ آج یہی پالیسی ہم کو سیاسیات اور کانگریس سے علیحدہ رکھنے میں برتی جا رہی ہے۔ ہندوستان آزاد ہوگا اور ضرور آزاد ہوگا۔ ہاں مسلم لیگ وغیرہ کی مخالفتوں اور آپس کے نفاق اور رجعت پسند انگریزوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بننے کی وجہ سے ممکن ہے کہ دس بیس برس دیر لگ جائے تو سوچو اور سمجھو کہ اس وقت تمہاری کیا حالت ہوگی اور اس وقت کی حکومت کے سامنے کس درجہ کے مستحق سمجھے جاؤ گے۔ اگر اس وقت کانگریس معتوب ہے تو کیا ہے غیر معتوبین کون سی جنت میں مزے اُڑا رہے ہیں۔ آزادی چاہنے والے ہر ملک میں مصائب اور تکالیف کے شکار رہے ہیں اور بالآخر وہی برسرِ حکومت آئے اور انہوں نے غداروں اور خائنوں سے عبرت انگیز انتقامات لئے۔ دنیا کی تاریخیں اٹھا کر دیکھو۔

باقی رہا ہندوؤں کا تنگ دل یا دشمن ہونا۔ تو اوّل تو آپ حضرات حسنِ اخلاق اور حسن معاملہ اور شرکت جدوجہد آزادی، شرکت مصائب کی بنا پر اُن کو اپنا مخلص دوست بنا سکتے ہیں قرآن شریف میں فرمایا جاتا ہے ولا تستوی الحسنۃ الآیہ۔ یعنی بھلائی اور بُرائی برابر نہیں ہیں بُرائیوں کو بھلائیوں سے رفع کرو یعنی بُرائی کا بدلہ بھلائی سے دو تو جو تمہارا دشمن تھا وہ تمہارے مخلص دوست جیسا بن جائیگا۔ یہی وہ تلوار تھی جس سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت سے سخت اور جانی دشمنوں کو اپنا پروانہ بنالیا۔ تم خوش اخلاقی سے دشمن کو دوست بنا سکتے ہو اور اسی طرح بداخلاقی اور بدزبانی سے اپنوں کو بھی اپنا نہیں رکھ سکتے۔ (دوسرے) یہ کہ ہمارے ملک کے ہندو اگرچہ مذہب میں ہم سے جدا ہیں اور اگرچہ رجعت پسند انگریزوں کی انسانیت کش پالیسی "لڑاؤ اور حکومت کرو" نے ان میں جذبہ ہائے نفرت پیدا کر دیئے ہیں مگر باوجود اس کے ان ہندوؤں کا اور ہمارا خون ایک ہی ہے ہمارے اور ان کے تمدنی

رشتے ناتے ہیں۔ ہمارے ان کے تعلقات ہیں۔ ہمارا اُن کا رنگ ایک ہے۔ ہماری ان کی بود و باش کے طریقے اور بہت سی اشیاء مشترک ہیں۔ ان کی زمینداریوں میں مسلمان رعایا اور کاشت کار کارکن ہیں۔ ہماری زمینداریوں میں ہندو رعایا اور کارکن ہیں۔ ہماری اور ان کی زندگیوں میں اکثر ایک کو دوسرے کی حاجت ہے۔ بیرونِ ہندوستان سے آنے والے مسلمان ایک کروڑ بھی نہیں ہیں آدھے کروڑ بھی نہیں چوتھائی کروڑ بھی نہیں ہیں۔ اسلام کی حقانیت اور صداقت کے، سمجھدار انصاف پسند لوگوں اور قوموں کو مسلمان ہو جانے اور باپ دادا کے غلط طریقوں کو چھوڑنے پر آمادہ کر دیا، اور وہ مسلمان ہو گئے۔ جو مسلمان باہر سے آئے تھے، عموماً اپنے ساتھ عورتوں کو لے کر نہیں آئے تھے اور یہاں آکر یہاں کی عورتوں سے شادیاں کیں، اس لئے اس کلیہ میں ذرا بھی شک نہیں کہ مسلمانانِ ہند اور ہندوانِ ہند دونوں کے خون آپس میں ملے ہوئے ہیں اور آپس میں رشتہ دار ہیں قدیمی زمانہ میں آپس میں بہت میل ملاپ اور محبت والفت پائی جاتی تھی۔ مگر برطانوی رجعت پسند پالیسی نے ایسی بے شمار باتیں کیں جس سے آپس میں منافرت اور جذباتِ دشمنی پیدا ہو گئے۔ سر جان مینارڈ [SIR JOHN MAYNARD] اور دوسرے مورخین اس کا اقرار کرتے ہیں۔ یہ منافرت اور تنگدلی برطانیہ کی پیداوار ہے، مذہب اُس کا پیدا کرنے والا نہیں ہے۔ پُرانے لوگ اب کے لوگوں سے زیادہ مذہبی تھے۔ ہندو بھی اور مسلمان بھی مگر ان میں یہ منافرت اور تنگدلی نہ تھی، بلکہ بجائے اس کے محبت اور میل جول تھا۔ اگرچہ کبھی کبھی جھگڑا لڑائی بھی کسی دنیاوی بات سے یا مذہبی بات سے ہو جاتی تھی مگر وہ گاہے بگاہے ہوتی تھی۔ خود مسلمانوں میں آپس میں بھی ایسے جھگڑے قدیم زمانے میں بہت ہوئے ہیں اور اب بھی ہوتے رہتے ہیں، ہاں ہر دو قوم میں بکثرت ایسے ایجنٹ بھی پائے جاتے ہیں جو کہ باطن میں رجعت پسندوں سے تعلق رکھتے ہیں اور بظاہر نیشنلیٹ معلوم ہوتے ہیں اور وہ نفاق و عداوت کی آگ بھڑکاتے رہتے ہیں نیز ہر دو قوم میں جس طرح چور، ڈاکو، شرابی بدمعاش ہیں، کوئی بڑی سوسائٹی ایسے غلط کاروں سے خالی نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح ہندوؤں اور مسلمانوں میں بھی غلط کار بے سمجھ بھی ہیں۔ ہاں چونکہ ہندوؤں کی تعداد بہت زیادہ ہے اس لئے ان میں بے سمجھ اور غلط کار بھی زیادہ ہوں گے اور چونکہ ان میں غلامی ایک ہزار برس سے زیادہ سے چلی آتی ہے، اس لئے اس کا اثر بھی ان میں زیادہ ہوگا، مگر جس طرح آپ اپنے غلط کاروں اور نا سمجھوں کی وجہ سے اپنی قوم مسلم کو نہیں چھوڑ سکتے۔ اسی طرح ان غیر مسلم نا سمجھوں اور غلط کاروں کو نہیں چھوڑ سکتے ان کی اصلاح کیجئے۔ ان سے میل ملاپ پیدا کیجئے اور ملک کو آزاد کرائیے اور ان کی اپنے مذہب

اور ملک کی، زراعت اور تجارت کی، دین اور دنیا کی اصلاح اور ترقی کی صورتیں کرتے ہوئے مصیبتوں کو زائل کیجئے۔

محترم بھائیو اور بزرگو! موجودہ غلامی اور اُس کی بے نہایت مصیبت پر اس وجہ سے قناعت کرنا اور راضی رہنا کہ ہندو تنگ دل اور دشمن ہے، ایسا ہی ہے جیسے کوئی مچھروں اور بھڑوں کے کاٹنے کی وجہ سے سانپوں اور بچھوؤں کے چھتہ اور بل میں پناہ پکڑے۔ اس ملعون غلامی کی وجہ سے بربادی جس درجہ ہوئی ہے اور ہو رہی ہے وہ سانپ اور بچھو کے زہر سے بہت زیادہ ہے۔ تنگ دل اور غلط کار ہندو کی وجہ سے جو خطرات آپ کے سامنے ہیں وہ اُن موجودہ مصائب کے سامنے اتنی بھی وقعت نہیں رکھتے جو مچھر اور زنبور کے کاٹے کی سانپ اور بچھو کے زہر کے سامنے ہوتی ہے بلکہ اتنی بھی اس کی وقعت نہیں ہے جو کہ ذرہ کو پہاڑ کے سامنے ہوتی ہے۔ غور کیجئے اور غلط کاری مت اختیار کیجئے۔ علاوہ ازیں کیا یہ ممکن ہے کہ آپ اپنی رواداریوں اور اخلاق حسنہ کی بنا پر اپنے مذہب پر مضبوط رہتے ہوئے ان کی دشمنی اور تنگ دلی کو دُور کریں۔ کیا مسلمانوں نے زمانہ ہائے سابق میں ایسا نہیں کیا۔ آپ دُور کیوں جاتے ہیں شاہانِ مغلیہ کے کارناموں ہی پر نظر ڈال لیجئے۔

محترم بزرگو! اگر آپ کو ان کی طرف سے مایوسی ہی ہے اور ان کو اپنا ایسا ہی دشمن سمجھتے ہیں کہ جن کو اپنا نا ممکن نہیں (حالانکہ یہ آپ کا مذہبی فریضہ بھی ہے) تو وہ معاملہ کیجئے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ہنیچ کر کیا تھا کہ دشمنوں میں سے بڑے دشمن سے جنگ کی اور چھوٹے اور کمزور دشمن یہود سے صلح کی اور ہر دو یعنی مسلمانوں اور یہود کو اپنے اپنے مذاہب پر مضبوط رہتے ہوئے مصالح وطنیہ وغیرہ میں ایک قوم بنایا۔ کانگریس میں داخل ہونا اور باشندگانِ ہند کے ایسے اصولی قوانین بنانا جن سے سب کا تحفظ، سب کے لئے ترقی اور خوشحالی ہوسکے اور مسلمانوں کے لئے ایسے نقطاتِ اصول (فنڈامنٹل) میں مقرر کرانے جن کی بنا پر وہ اکثریت کی دست درازیوں سے محفوظ اور مطمئن ہوسکیں نیز حکومت میں ایسی اطمینانی صورتیں بنوانی جن کی بنا پر اقلیتیں اکثریتوں کے رحم و کرم پر گذران کرنے کے لئے مجبور نہ ہوں۔ یہی اقدام اور عمل درآمد جمعیۃ کا ہے۔ اس کی تجاویز پر غور کیجئے جن کا اعلان جمعیۃ کی طرف سے بار بار ہو چکا ہے۔

بعض حضرات ایسے مقام پر کہنے لگتے ہیں کہ تمام خطرات اور مشکلات کا مکمل علاج پاکستان ہی میں ہے کیونکہ جو معاملہ ہندو اپنی اکثریت والے صوبوں میں کریں گے وہی ہم بھی پاکستان میں کریں گے۔ تو

اولاً عرض یہ ہے کہ اس کا تو موقعہ آپ کو آج بھی بغیر پاکستان حاصل ہے ہر صوبہ کی کونسلوں کو اپنے داخلی معاملات میں اختیار ہے کہ کثرت رائے پر فیصلہ کر کے من مانی کارروائی کرے۔ جن صوبوں میں آپکی اکثریت ہے۔ وہ لوٹوں کی مہاوٹی سے آپ جو چاہتے ہیں کر لیتے ہیں البتہ مرکز میں اندیشہ ہے کہ ان اُمور میں جو کہ مرکز کو دیئے جائیں گے ہم کچھ نہ کر سکیں گے کیونکہ وہاں ہم اقلیت میں ہوں گے۔ ہمارا مفاد کچلا جائے گا۔ مگر اس کا علاج تو یہ ہے کہ مرکز کو وہی اُمور دیئے جائیں جن میں فرقہ وارانہ اندیشہ نہ ہو یا اگر ایسے اُمور اُن کو دیئے بھی جائیں تو یا تو مرکز کے ممبروں کا عدد مساوی ہو یا ایسے اُمور کے لئے سپریم کورٹ مقرر کر دی جائے جس کے مسلم اور غیر مسلم ممبر برابر ہوں یا اور کوئی ایسی دفعہ رکھدی جائے جس سے اکثریت کی دست درازی کا خطرہ باقی نہ رہے۔

(ثانیاً) یہ عرض ہے کہ واقعاتِ تاریخیہ اس کے خلاف شہادت دے رہے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں نے ہندوستان میں سب کچھ کیا مگر افغانستان کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ ٹرکی کی مددگ خلافت و حمیت میں گرمی پیدا نہ ہوئی۔ انگریزوں سے پروٹسٹ بھی نہ کیا گیا۔ فیروز شاہ مرحوم استنبول تک پہنچے اور ان کو یقین تھا کہ چونکہ ہمارے دادا تیمور لنگ نے سلطان بایزید یلدرم مرحوم کے بیٹے کو تخت پر بٹھایا تھا (سلطان مرحوم کو قید کر لینے کے بعد) اس لئے ہماری ضرور مدد کی جائے گی مگر کوئی توجہ نہ کی گئی بلکہ کچھ تنخواہ مقرر کر کے مکہ معظمہ میں رہنے کا سامان کر دیا گیا اور ان کی وہاں ہی وفات ہوئی۔ اندلس میں مسلمانوں پر کس قدر سخت مظالم ہوئے، ترکی حکومت اس وقت شباب پر تھی۔ عیسائی دنیا کے خلاف کوئی اقدام نہ کیا گیا نہ اُم اندلس قرطبہ وغیرہ سے عیسائیوں کو نکال کر مسلمانوں کو قبضہ دلایا گیا، نہ یہ ہی کیا گیا کہ رومانیہ، بلگریا، بوسنیا، ہرزی گونیا، مانٹی نیگرو، البانیہ، یونان وغیرہ کے عیسائی سے وہ معاملہ کیا جاتا جو عیسائیوں نے اندلس اور اشبیلیا وغیرہ میں مسلمانوں کے ساتھ کیا تھا۔ دُور کیوں جایئے فلسطین میں کیا کچھ نہیں ہوا مسلمانوں پر کیا کیا مظالم نہیں ڈھائے گئے۔ سات ہزار مسلم نفوس سے زیادہ کٹی اور عمارات و باغات وغیرہ اس قدر اور ایسے تھے کہ اُس کو چھوٹی جنت کہا جاتا تھا۔ مگر سب کو ایک رات میں ڈائنامیٹ سے معدوم محض کر دیا گیا، ٹرکی کو، مصر کو، شریف عبداللہ والی شرق اردن کو عراق کو ابن سعود کو ذرا بھی حرکت نہ ہوئی یہ تو بیرونِ ہند کا واقعہ ہے خود ہندوستان میں یوپی، بہار وغیرہ میں نام نہاد پیرپور رپورٹ والے مظالم ہوئے مگر لیگی وزارتوں اور پاکستانی حکومتوں کی رگ حمیت میں ذرا بھی گرمی پیدا نہ ہوئی یہ بھی نہ ہو سکا کہ ہندوؤں سے وہ معاملات کرتے جو پیرپور رپورٹ میں مزعومہ مظالم مسلمانوں پر کئے

گئے تھے۔ سر فضل حق نے باوجودیکہ لکھنؤ کے اجلاس لیگ میں کہا تھا کہ اگر ہندوؤں نے اپنی اکثریت کے صوبوں میں مسلمانوں پر کوئی تعدی کی تو ہم اس کا بدلہ اپنے صوبہ میں ہندوؤں سے لیں گے وہ بدلہ تو کیا لیتے۔ لکھنؤ ہی میں جب ہندو لیڈروں نے جلسہ کے بعد گفتگو کی تو اُن سے معافی مانگنے لگے الغرض یہ امر نہ واقعاتِ عالم کی حیثیت سے ممکن ہے اور نہ عقلاً درست ہے۔ اگر کسی مجرم نے یوپی میں جرم کیا ہے تو پنجاب کے غیر مجرم کو سزا دینا کون سی عقل اور دیانت کی بات ہے یہ محض دھوکہ دینے یا دھوکہ کھانے کی باتیں ہیں بہت سے سادہ لوح مسلمانوں کو یہ دھوکہ ہے یا دھوکہ دیا جا رہا ہے کہ پاکستان میں خالص اسلامی حکومت بطرز خلفاء راشدین قائم کی جائے گی۔ یہ خواب تو نہایت شیریں ہے کاش ایسا ہو اگر اس کا ذمہ داران لیگ اطمینان دلادیں تو ہم اراکین جمعیت سب سے پہلے اس آواز پر لبیک کہنے کو تیار ہیں کیا یہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ جو لوگ جن کو دین اور مذہبِ اسلام اور شعائر اسلام سے دُور کا واسطہ بھی نہیں نہ صورت اسلامی ہے نہ سیرت۔ وہ اسلامی حکومت قائم کریں اور مذہب کے اصول وضوابط پر بطرز خلفاء راشدین چلائیں۔ وہ حضرات جن میں اور دین و مذہب میں وہ تعلق ہے جو اندھیرے کو روشنی سے ہے اور آگ کو پانی سے ہے وہ دین و مذہب کا احیاء کریں۔ کیا مسٹر محمد علی جناح اور راجہ محمود آباد یا دوسرے ممبران ہائی کمان لیگ۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے طریقہ کا احیاء کریں گے۔ اور اگر بالفرض ایسا ہو بھی تو کیا وہ اقلیت پنجاب اور بنگال کی جو کہ معمولی اقلیت ہے یعنی صرف پانچ یا سات عدد سے وہ ایسا نہ ہونے دے گی اور اگر بالفرض ایسا ہو بھی گیا تو کیا مسلم اقلیت والے صوبوں میں اس کا ایسا ردعمل نہ ہوگا کہ وہاں پر خالص ہندو راج اور رام راج قائم کیا جائے اور حسبِ خواہشات آریہ مسلمانوں کو ہندو بنانے کے سامان کر دیئے جائیں۔ ان صوبوں میں جن میں مسلمانوں کی اقلیت ہے وہ بہت ہی کمزور اور حقیر اقلیت والے ہیں اُن کو ہر طرح دبالینا اور مجبور کر دینا بات ہی کیا ہے۔ قائداعظم کے وہ بیانات جو انہوں نے نیوز کرانیکل کے نمائندے کو دیئے ہیں پڑھئے اور عبرت حاصل کیجئے انہوں نے اس میں صاف طور سے کہا ہے کہ پاکستان کی حکومت یورپین جمہوریت کے طریقہ پر ہوگی۔ ہندو اور مسلمان اپنی اپنی آبادی اور مردم شماری کی حیثیت سے رائے شماری کر کے فیصلے صادر کریں گے اور وزارتوں اور لیجسلیچر میں سب حصہ دار ہوں گے نیز لیگ کی وزارتوں کے طرزِ حکومت اور طرزِ عمل کے حقائق کا اندازہ کیجئے۔

قیاس کن ز گلستانِ من بہار مرا

سیاسی جمود

حضرات! ان گذارشات کے بعد میں آپ کی توجہ اس آئینی جمود کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جو پچھلے چار سال سے ہندوستان کی سیاسی فضا میں پیدا کر دیا گیا ہے اور جس پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہوئے حال ہی میں برطانوی پارلیمنٹ نے مزید ایک سال کے لئے گورنروں کے ڈکٹیٹرانہ اختیار کی توسیع کی ہے یہ جمود موجودہ جمہوری دور کا ایک زبردست سانحہ ہے اور اس کی تمام تر ذمہ داری حکومت برطانیہ پر ہے جو دنیا میں جمہوریت اور آزادی کا ڈھنڈورا پیٹ رہی ہے ایک طرف وہ اپنی زبان سے جمہوریت کے نعرے بلند کرتی ہے اور دنیا کی دوسری قوموں کو اس کی حمایت وحفاظت کی دعوت دیتی ہے اور دوسری طرف اس کے کارندے ہندوستان میں بدترین قسم کی آمریت کی داد دے رہے ہیں۔

اس جمود کے جواز میں برطانوی مدبرین کی طرف سے ہمیشہ ہندوستان کی سیاسی جماعتوں کے باہمی اختلافات کو بہت زیادہ نمایاں کر کے پیش کیا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ چونکہ خود ہندوستانی آپس میں ہندوستان کے کسی دستور پر متفق نہیں ہیں اس لئے برطانوی حکومت مجبور ہے جب تک تمام عناصر کسی دستور پر متفق نہ ہوں ہم آئینی ترقی کی طرف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے اور اُن کے مفادات کو نظر انداز کر کے اُن پر زبردستی کوئی فیصلہ نافذ نہیں کر سکتے بلاشبہ ہندوستان کی سیاسی جماعتوں کے درمیان اختلافات موجود ہیں جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن یہ صرف برطانوی حکومت کے لائے ہوئے ہیں اور خود ہی وہ اُن کو ہندوستان کی آئینی ترقی کو روکنے کے لئے بہانہ بنا رہی ہے حقیقت یہ ہے کہ وہ اختیارات منتقل کرنے کے لئے تیار نہیں ہے اور بدنیتی کے ساتھ ہندوستانیوں کے باہمی اختلافات کو تمام دنیا میں اُچھال رہی ہے ورنہ ہندوستان کا یہ اختلاف اِن فیصلوں کے لئے کبھی رکاوٹ نہیں بنا جو اُن کے اپنے مفاد میں تھے۔ جب بھی اُس نے اپنے کسی فیصلہ کو نافذ کرنا چاہا ہے تو تمام اختلافات اور مزاحمتوں کو نظر انداز کر کے ان کو عملی جامہ پہنایا ہے۔ برطانیہ کی بارگاہ سے جب فرقہ وارانہ سمجھوتہ صادر کیا گیا تو ہندوستان کی اکثریت اس فیصلہ کو صحیح تسلیم نہیں کرتی تھی۔ ہندو اس سے اس وجہ سے متفق نہیں تھے کہ وہ اس ایوارڈ کو اپنے حقوق میں دست اندازی سمجھتے تھے، اُن کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو اس ایوارڈ میں ایسے حقوق دیئے گئے ہیں جن کا وہ استحقاق نہیں رکھتے اور مسلمانوں کے لئے وہ اس لئے قابل اطمینان نہیں تھا کہ اس میں اُن کا جائز حق پوری طرح تسلیم نہیں کیا گیا تھا۔ اس اختلاف کے باوجود حکومت نے اس ایوارڈ کو برقرار رکھا۔ اسی طرح ۱۹۳۵ء کے دستور کو ہندو اور مسلمانوں نے متفقہ طور پر مسترد کر دیا تھا

لیکن حکومت اس کے نفاذ پر مصر تھی آخر کار ہندوستان کی متحدہ مزاحمت اور استرداد کے باوجود اس ایکٹ کو اس کے سر پر تھوپ دیا گیا۔ موجودہ جنگ میں بھی حکومت نے اپنے عزائم اور فیصلوں کو بروئے کار لانے کے لئے اس کا انتظار نہیں کیا کہ ہندوستان کے تمام عناصر متفقہ طور پر ان کو تسلیم کریں اور اس کے بعد اُن کو نافذ کیا جائے۔ اس لئے ہندوستان کی آئینی ترقی کے سلسلہ میں اس کی قومی زندگی کے ان اختلافات کو نمایاں کرنا یقیناً کسی دیانت دارانہ احساس پر مبنی نہیں تھا تاہم یہ ہندوستان کے لئے ایک چیلنج تھا اور ہندوستان کی سیاسی جماعتوں کا یہ اولین فریضہ تھا کہ وہ اپنے تمام اختلافات کو نظر انداز کر کے برطانیہ کے اس چیلنج کو قبول کرتیں اور باہمی رواداری کے ساتھ کسی ایک نتیجہ پر پہنچ کر ہندوستان کی دستوری ترقی کے متعلق کوئی متحدہ نظریہ پیش کرتیں۔

سپرو کمیٹی کی سفارشات

حضرات! اس وقت ہندوستان کے سیاسی جمود کو دور کرنا قومی و ملکی ضروریات کے لئے سب سے زیادہ ضروری ہے ملک کی اہم جماعتیں جمود کو حل کرنے اور ملکی ترقی کی طرف قدم بڑھانے کے لئے مضطرب ہیں۔ صوبوں میں نمائندہ حکومتوں کے نہ ہونے کی وجہ سے عوام کو غیر معمولی مشکلات پیش آرہی ہیں۔ ملک کی بعض جماعتوں کی طرف سے اس جمود کو حل کرنے کے لئے متعدد بار کوششیں بھی کی گئی ہیں۔ حال ہی میں سپرو کمیٹی نے اس سلسلہ میں چند سفارشات کی ہیں اور اُن کی بنیاد پر ہندوستان کے مسئلہ کو حل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے جمعیۃ علماء ہند کی ورکنگ کمیٹی ان سفارشات کے متعلق اپنا نقطۂ نگاہ واضح کر چکی ہے ورکنگ کمیٹی نے سفارشات کے اس حصہ سے اتفاق کیا ہے جس میں سیاسی قیدیوں کی رہائی، شہنشاہ برطانیہ کی طرف سے ہندوستان کے لئے اعلان آزادی، صوبوں میں آئین کی بحالی اور مرکز میں ذمہ دار قومی حکومت قائم کرنے کے مطالبات کئے گئے ہیں لیکن ورکنگ کمیٹی کو ان اصول سے اختلاف ہے جن پر یہ سفارشات مبنی ہیں ان سفارشات کو پیش کرتے ہوئے بطور اصول یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ انگریزوں کو بہر حال ہندوستان میں رہنا چاہیئے اس لئے کمیٹی کے نزدیک ہندوستان کی آزادی کا تصور انگریز کی بالادستی سے آزاد نہیں ہے اور اسی بنیاد پر کمیٹی نے سفارش کی ہے کہ اگر ہندوستان کی سیاسی جماعتیں کسی متفقہ حل تک نہ پہنچ سکیں تو برطانوی پارلیمنٹ کو خود ہی کوئی دستور مرتب کر کے نافذ کر دینا چاہیئے۔ ظاہر ہے کہ یہ اصول ہندوستان کے آزادی پسند جذبات کو مطمئن نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ کمیٹی نے نمائندہ اسمبلی میں نمائندگی کے جس تناسب کی سفارش کی ہے جمعیۃ علماء کے نزدیک وہ ناقابل قبول ہے اگرچہ بظاہر مسلمانوں کو ہندوؤں کے مساوی نمائندگی دی

گئی ہے لیکن اچھوتوں کے لئے جداگانہ نمائندگی تجویز کرکے اس توازن کو ختم کردیا گیا ہے مجموعی حیثیت سے ۱۶۰ کی تعداد میں مسلمانوں کا تناسب ۳۱ فیصدی رہ جاتا ہے جو اُن کے موجودہ تناسب سے بھی کم ہے ہمارے نزدیک یہ دیانت دارانہ پوزیشن نہیں ہے کہ ایک طرف اچھوتوں کو ہندو قومیت کا ایک ناقابلِ انفصال جزو بتایا جاتا ہے اور اُن کے مسئلہ کو ہندوؤں کا ایک داخلی مسئلہ ظاہر کیا جاتا ہے گاندھی جی اُن کی جداگانہ نمائندگی کے سوال پر بَرت رکھ کر آخری سے آخری قربانی دینے کے لئے تیار ہوجاتے ہیں اور پونا کا مشہور پیکٹ کرتے ہیں لیکن دوسری طرف ان کے لئے جداگانہ نمائندگی کی سفارش کی جا رہی ہے نیز کہ مسلمانوں کو جو تمام ہندو مساوی تناسب دیا گیا ہے وہ مخلوط انتخاب کے ساتھ اس طرح مشروط کردیا گیا ہے کہ اگر یہ سفارش بہ تمام وکمال منظور نہ کی گئی تو ہندو آزاد ہوں گے کہ نہ صرف مساوی نمائندگی کو منظور نہ کریں بلکہ فرقہ وارانہ سمجھوتہ پر بھی نظرِ ثانی کا مطالبہ کریں۔

جہاں تک مخلوط انتخاب کا تعلق ہے جمعیۃ علماء اس کو مسلمانوں کے جملہ حقوق کی قابلِ اطمینان حفاظت کے ساتھ ملک اور مسلمانوں کے لئے مفید سمجھتی رہی ہے تاہم اس فیصلہ کا حق صرف مسلمانوں ہی کو ہے کہ وہ کس طریق انتخاب کو منظور کرتے ہیں کوئی جماعت ان کو مخلوط انتخاب قبول کرنے پر مجبور نہیں کرسکتی۔

کمیٹی نے ہندوستان کی وحدت پر زور دیتے ہوئے صوبوں کے حق خود ارادیت کی بھی کلیۃً نفی کی ہے جو نہ ملک کے بہترین مفاد کے مطابق ہے اور نہ مسلمان اس حق کو کسی قیمت پر نظرانداز کرسکتے ہیں اس لئے ہمارے نزدیک سپرو کمیٹی کی یہ سفارشات ملک کے موجودہ آئینی جمود کا منصفانہ حل نہیں ہوسکتیں۔

جمعیۃ علماء کا نقطۂ نگاہ حضرات! ہندوستان کے آئینی مسئلہ کے متعلق جمعیۃ علماء ہند بارہا اپنے نظریہ کا اظہار کرچکی ہے۔ لاہور کے گذشتہ اجلاس میں اپنی ایک تجویز کے ذریعہ جمعیۃ نے اپنا نقطۂ نظر واضح کردیا تھا آج بھی جمعیۃ علماء اس اصول کو ہندوستان کے مسئلہ کا آخری حل سمجھتی ہے جس کو اس نے ہندوستان کے حالات اور مسلمانوں کے مخصوص حقوق و مسائل کے تحفظ کی ضرورت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے لاہور کی تجویز میں پیش کیا تھا اور جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

۱۔ ہندوستان کا دستور وفاقی اصول پر مرتب کیا جائے۔

۲۔ تمام صوبے (یا وفاقی وحدتیں) مکمل طور پر آزاد ہوں اور غیر مصرحہ اختیارات انہیں کو حاصل ہوں۔

۳۔ وفاقی مرکز کو صرف وہی اختیارات حاصل ہوں جو تمام صوبے بہ متفقہ طور پر مرکز کے حوالے کریں۔

۴۔ وفاقی وحدتوں کے لئے حق خود ارادیت تسلیم کیا جائے۔

۵۔ وفاق کی تشکیل ایسے اصول پر کی جائے جس میں مسلمانوں کے مذہبی سیاسی اور تہذیبی حقوق کا اس طرح تحفظ کیا جائے جو مسلمانوں کے لئے قابلِ اطمینان ہو۔ جمعیۃ علمار کی رائے میں یہ اطمینان ذیل کے اصول میں سے کسی اصول پر وفاقی حکومت کی تشکیل سے حاصل ہو سکتا ہے۔

(۱) مرکزی ایوان میں نمائندگی کا تناسب یہ ہو۔ ہندو ۔ ۴۵ مسلمان ۔ ۴۵ دیگر اقلیتیں ۔ ۱۰
جمعیۃ علمار نے اس دفعہ کی روح کو بطور اصول پیش نظر رکھا ہے۔

(۲) اگر کسی بل یا تجویز کو مسلم ارکان مرکزی کی ⅔ اکثریت اپنے مذہبی، سیاسی، تہذیبی، ثقافتی آزادی کے خلاف قرار دے تو قانوناً وہ بل ایوان میں زیر بحث نہ آسکے۔

(۳) ایسا سپریم کورٹ قائم کیا جائے جو مرکز اور صوبوں کے تنازعات، صوبوں کے باہمی نزاع، اور ملک کی قوموں کے اختلافات کا آخری فیصلہ کرے اور جس میں مسلم اور غیر مسلم جج ان کی تعداد مساوی ہو سپریم کورٹ کے ججوں کے تقرر کا اختیار مسلم اور غیر مسلم صوبوں کی ایک ایسی کمیٹی کو دیا جائے جس میں مسلم اور غیر مسلم ارکان کی تعداد مساوی ہو۔

(۴) یا اس کے علاوہ کوئی اور اصول جو مسلم اور غیر مسلم جماعتوں کے اتفاق سے طے کیا جائے جمعیۃ علمأ کے نزدیک اگر مذکورہ اصول پر وفاق کی تشکیل کی جائے تو وفاقی مرکز میں مسلم اور غیر مسلم جماعتوں کے حقوق کی حفاظت کا مسئلہ فریقین کے لئے قابلِ اطمینان طور پر حل ہو جاتا ہے لیکن ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد میں جمعیۃ علمار کا جو اصول کار رہا ہے اس کے پیش نظر اُس نے دفعہ ہٰ میں مجوزہ صورتوں کے علاوہ کسی ایسے اصول کے لئے گنجائش باقی رکھی ہے جو وفاق میں مسلمانوں کے مذہبی سیاسی اور ثقافتی حقوق کے تحفظ کی ضمانت ہو سکے۔

علمار کا نصب العین اور اصول فکری

محترم بزرگو! علمار کا وہ نصب العین جو ایک ازلی و ابدی صداقت کے طور پر ہمیشہ ان کے پیش نظر رہا ہے اسلام کا اجتماعی اور سیاسی نظام ہے۔ تاریخ کے مختلف دوروں میں انہوں نے اسی نظامِ زندگی میں انسانوں کی تمام مشکلات کا حل تلاش کیا ہے اور اِن ہی اصول کے ماتحت مسلمانوں کے تمام مسائل میں رہنمائی کی ہے۔ آج بھی ایک مسلمان کی حیثیت سے یہی نظام اُن کا آخری نصب العین ہے اس نصب العین تک پہنچنے کے لئے انہوں نے مسلمانوں کی سیاسی اور اخلاقی تنظیم کے ہر اُس موقعہ سے استفادہ کیا ہے جو مختلف احوال و ظروف میں اُن کو میسر آیا ہے مسلمانوں کی مذہبی و سیاسی آزادی کی راہ میں انہوں نے

ہر وہ قدم اُٹھایا جس کا اُٹھانا ممکن تھا اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے سے بھی کبھی دریغ نہیں کیا۔ حالات بدلتے رہے۔ اُن کے ساتھ جدوجہد کی نوعیتیں بھی بدلتی رہیں۔ لیکن حالات کے اختلاف اور مصائب کے ہجوم میں ان کا نصب العین کبھی اُن کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوا۔ آج میں اپنے مقدس بزرگوں کے عظیم الشان ملی و مذہبی کارناموں کو سامنے رکھ کر یہ کہتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہوں کہ اُن کی حمیت دینی و ملی، جوشِ عمل اور قربانی نے علماء کی دینی و ملی جدوجہد کی ایک شاندار تاریخ مرتب کی ہے۔

۱۸۵۷ء کے بعد حکومت نے مسلمانوں کے متعلق جو پالیسی اختیار کی تھی اُس نے اُن کی صفوں میں ایک انتشار پیدا کر دیا۔ اُن کی قومی اور سیاسی زندگی پراگندہ ہو گئی، اُن کے معاشرتی نظام کا شیرازہ بکھر گیا۔ تعلیمی و فکری نظام درہم برہم ہو گیا۔ غرض مجموعی حیثیت سے مسلمانوں پر ایک یاس انگیز جمود چھا گیا علماء نے اس انتشار کو محسوس کیا اور انفرادی طور پر مسلمانوں کی تنظیم کے لئے متعدد مذہبی و سیاسی، علمی فکری اور اصلاحی تحریکات پیدا کیں۔ بالآخر ۱۹۱۹ء میں مسلمانوں کی قومی زندگی کی تنظیم کے لئے علماء ملت کی ان کوششوں کو ایک جماعتی نظام کے ماتحت کیا گیا۔ پچھلے چھبیس سال میں علماء نے اسی نظام کے ماتحت اپنی کوششوں کو مصروفِ عمل رکھا، اس سلسلہ میں انہوں نے اپنے پیشرو بزرگوں کی طرح اسلامی اصول اجتماع ہی کو مشعلِ راہ بنایا اور مسلمانوں کے تمام ملی و ملکی مسائل کو ان ہی کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کی۔

جمعیۃ علماء کی مذہبی و ملکی خدمات

جمعیۃ علماء نے چوتھائی صدی کی اس طویل جدوجہد میں اسلامی اصول کو بروئے کار لانے کے لئے ملک و ملت کی جو زبردست خدمات انجام دی ہیں وہ نہ صرف جمعیۃ علماء بلکہ مسلمانانِ ہند کی مذہبی و سیاسی جدوجہد کا ایک شاندار باب ہیں اس موقعہ پر جمعیۃ کی خدمات کے تفصیلی تذکرہ کی گنجائش نہیں ہے۔ مختصر یہ ہے کہ مسلمانوں کی مذہبی، تبلیغی، سیاسی، معاشرتی اور شرعی زندگی کا کوئی میدان ایسا نہیں ہے جہاں جمعیۃ علماء کی شاندار خدمات کا سنگِ نشان موجود نہیں ہے۔ جمعیۃ علماء ہی تھی جس نے ہندوستانی مسلمانوں کی تنظیم و ترقی اور ممالک اسلامیہ کی آزادی و زندگی کی حفاظت کے لئے ہندوستان کی آزادی کو ایک مذہبی و ملکی فریضہ کی حیثیت سے محسوس کیا اور اسی نے ہندوستان کی دوسری سیاسی جماعتوں کو مکمل آزادی کا نصب العین عطا کیا۔

اگرچہ اس چھبیس سالہ جدوجہد میں جمعیۃ علماء کو اپنے نصب العین کی حد تک کامیابی حاصل نہ ہو سکی لیکن جہاں تک عزم و عمل کا تعلق ہے جب بھی کسی قربانی پیش کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ جمعیۃ نے کبھی پس و پیش نہیں کیا اور آج بھی میں جمعیۃ کے ارکان اور ممبران عمومی کی طرف سے اس آخری فیصلہ کا اعلان کر دینا چاہتا

ہوں کہ ہم اپنے مقصد کی طرف قدم بڑھانے میں کبھی پس وپیش نہیں کریں گے اور مجھے امید ہے کہ اس فیصلہ کو تمام آزادی پسند مسلم عوام کی تائید حاصل ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہماری راہ خواہ کتنی ہی کٹھن ہو، لیکن آخر کار ہم اپنی منزل پر پہنچیں گے۔ وماذالک علی اللہ بعزیز۔

علماء کی پالیسی سے اختلاف

حضرات! علماء ہند کی مذہبی و سیاسی سرگرمیوں کی تاریخ جس قدر قدیم ہے ان کی مخالفت اور ان کے سیاسی و مذہبی افکار سے اختلاف بھی اسی قدر پرانا ہے۔ ہندوستان میں انگریزی اقتدار قائم ہو جانے کے بعد جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ان میں دو خیال پیدا ہو گئے تھے جو بنیادی طور پر ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ ایک طرف آزادی پسند علماء، اور مسلم عوام کا وہ گروہ تھا جو اپنے مذہبی اور قومی افکار کی روشنی میں اپنے لئے غیر ملکی حکومت کے ساتھ تعاون کی کوئی راہ نہیں پاتا تھا۔ انہوں نے جس طرح ۱۸۵۷ء اور اس کے بعد ہندوستان کی آزادی کے لئے عظیم الشان کوششیں کی تھیں اسی طرح اس دور میں بھی جبکہ سیاسی اعتبار سے مسلمانوں پر ایک جمود چھا گیا تھا۔ ہر اس ترقی پسند کوشش کا ساتھ دیا جو ہندوستان کو منزل آزادی کے قریب لانے والی تھی۔ چنانچہ علماء نے ہندوستان کی آزادی کے لئے اس ملک کی دوسری قوموں کے ساتھ مل کر جدوجہد کرنے کے جواز میں فتوے دیئے اور ان انجمنوں میں شرکت کو ناجائز قرار دیا جو برطانوی حکومت سے وفاداری، برطانوی سلطنت کے استحکام اور اس کی حفاظت اور گورنمنٹ سے عرضداشتوں کے ذریعہ مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کا نصب العین لے کر اٹھی تھیں اور مسلمانوں کو سیاسی شورشوں میں حصہ لینے سے روکتی تھیں۔ علماء کی اس پالیسی کی وجہ سے نہ صرف حکومت نے شدومد کے ساتھ ان کی مخالفت کی بلکہ مسلمانوں کے ایک طبقہ نے بھی ان کی مخالفت اور ان کے متعلق غلط بیانوں کو اپنا شعار بنا لیا۔

رجعت پسندانہ افکار کی تنظیم

اس کے بالمقابل مسلمانوں کی ایک قلیل جماعت ایسی بھی تھی جو نہ صرف حکومت کی وفادارانہ غلامی ہی کو مسلمانوں کی مذہبی و سیاسی ترقی کا وسیلہ سمجھتی تھی بلکہ مسلمانوں کی مذہبی تعلیمات و روایات اور ان کی تہذیب و معاشرت کو انگریزوں کی منشا اور مزاج کے مطابق ڈھال دینا چاہتی تھی۔ یہ طرز فکر چونکہ ہندوستان میں برطانوی سلطنت کے استحکام کے لئے سازگار تھا اس لئے حکومت نے اس کی سرپرستی کی۔ علماء کے خلاف ایک زبردست جدوجہد کی گئی جن کو حکومت انتہائی خطرہ کی نظر سے دیکھتی تھی

مسٹر بیک [MR. THEODORE BECK] مسٹر ماریسن (MR. MORRISON] اور مسٹر آرچ بولڈ (MR. ARCIBALD] جیسے انگریز مفکرین اس رجعت پسندانہ طرزِ فکر کی تنظیم میں مصروف ہوگئے اور اس کے خدوخال درست کرکے اس کو مسلم عوام میں متعارف کرانے کی کوشش کرتے رہے چنانچہ نیشنل کانگریس کا مقابلہ کرنے کے لئے جس میں شرکت کے لئے ملک کے مستند اور بارسوخ علماء مسلمانوں کو دعوت دے رہے تھے اور جس کو مسٹر بیک براہ راست انگریزوں کے خلاف سمجھتے تھے انہوں نے محمڈن ڈیفنس ایسوسی ایشن قائم کی۔ اس انجمن کی افتتاحی تقریر میں موصوف نے اس کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا:۔

"مسلمانوں اور انگریزوں کو اتحاد کرکے ان تحریکوں کا مقابلہ کرنا چاہیئے اور جمہوری طرزِ سلطنت کے اجراء کو اس ملک میں روکنا چاہیئے جو اس ملک کے حسبِ حال نہیں ہے اس لئے ہمیں حقیقی وفاداری اور اتحادِ عمل کی تبلیغ کرنی چاہیئے۔"

مسلم لیگ کی سیاسی پالیسی

محمڈن ڈیفنس ایسوسی ایشن کا ہی نصب العین بعد کو مسلم لیگ کا مرکزی فکر بن گیا۔ چنانچہ مسلم لیگ کے قیام کے بعد اس کے سب سے پہلے سیکرٹری نے لیگ کی پالیسی کی تشریح کرتے ہوئے کہا:۔

"ہماری تعداد بمقابلہ دوسری قوموں کے ہندوستان میں ایک خمس ہے اب اگر کسی وقت ہندوستان میں "خدانخواستہ" انگریزی حکومت نہ رہے تو ہمیں ہندوؤں کا محکوم ہوکر رہنا پڑے گا اور ہماری جان، ہمارا مال، ہماری آبرو، ہمارا مذہب سب خطرہ میں ہوگا۔ اگر کوئی تدبیر ان خطروں سے محفوظ رہنے کی ہندوستان کے مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے تو وہ یہی ہے کہ انگریزی حکومت ہندوستان میں قائم رہے۔ ہمارے حقوق کی حفاظت تب ہی ہوسکتی ہے جب کہ ہم گورنمنٹ کی حفاظت پر کمر بستہ رہیں اور ہمارا وجود اور گورنمنٹ کا وجود دلازم و ملزوم ہیں .... انگریزوں کے بغیر ہم عزت و آسودگی کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔"

لیگ کی بنیادی پالیسی کی اس تشریح کی روشنی میں اگر آپ ان بیانات کا جائزہ لیں جو مسلم لیگ کے موجودہ صدر نے حال ہی میں پاکستان کے متعلق ظاہر کئے ہیں تو پوری طرح واضح ہوجاتا ہے کہ آج بھی مسلم لیگ کے افکار و نظریات اسی محورِ فکر کے گرد گھوم رہے ہیں جو اس کو رجعت پسند انگریز مدبرین سے

بطور وراثت پہنچا تھا۔ ۱۹ر فروری ۱۹۴۵ء کو مسٹر جناح نے پاکستان کے متعلق اخبار نیوز کرانیکل لندن [NEWS CHRONICLE] کے نامہ نگار کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا:-

"اگر برطانوی حکومت ملک کے دو ٹکڑے کردے تو تھوڑے عرصہ کے بعد (جو تین ماہ سے زیادہ نہ ہوگا) ہندو لیڈر خاموش ہو جائیں گے اور جب تک دونوں ٹکڑے آپس میں امن سے نہ رہیں تب تک برطانوی حکومت کا فوجی اور خارجی کنٹرول ضروری ہے۔ اس صورت میں مصر کی طرح کم از کم اندرونی طور پر ہم آزاد ہوں گے۔"

۲۳ مارچ کو پاکستان کی پانچویں سالگرہ کے سلسلہ میں اپنے ایک مطبوعہ پیغام میں آپ نے فرمایا:-

"اسلامی ہند کے لئے یہ موت اور زندگی کی جدوجہد ہے۔ حصول پاکستان میں ہماری نجات، سلامتی اور عزت و وقار کا راز مضمر ہے۔ اگر ہم اس مقصد کے حصول میں ناکام رہیں گے تو فنا ہو جائیں گے اور اس برکوچک میں مسلمانوں یا اسلام کا نام و نشان باقی نہیں رہے گا۔"

مذہبی مسائل میں مسلم لیگ کا رویہ

جہاں تک مذہبی مسائل کا تعلق ہے اسلام اور اسلامی احکام کے متعلق بظاہر اس قدر تشویش کا اظہار کرنے کے باوجود ان کی طرف لیگ کے ذمہ دار لوگوں نے کبھی کوئی خاص توجہ نہیں کی بلکہ اکثر ان کا رویہ اسلام کی واضح تعلیمات کے خلاف رہا۔ ۱۹۳۵ء میں جمعیۃ علماء ہند کی تحریک پر جب مرکزی اسمبلی میں شریعت بل پیش کیا گیا جو مسلمانوں کے حقوقِ وراثت میں قانون رواج کی بجائے اسلامی قانون کے اطلاق کو ضروری قرار دیتا تھا تو خود مسلم لیگ کے صدر مسٹر محمد علی جناح نے اسلام کے صریحی احکام کے خلاف اس میں ترمیم پیش کرکے اس قانون کی روح کو ختم کر دیا۔ اسی طرح جمعیۃ علماء نے قانونِ فسخ نکاح کا ایک مسودہ مرتب کرکے بعض ارکانِ اسمبلی کے ذریعہ اس کو مرکزی اسمبلی میں پیش کیا تو بعض دفعات کے حذف و اضافہ کے بعد اس کو ایک ایسی شکل دی گئی جو نہ صرف اصول دین کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ سے مسلمانوں کی معاشرت میں شدید قسم کے نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ جمعیۃ علماء نے اس کے خلاف شدید احتجاج کیا اور ممبرانِ اسمبلی کو اس کے مضر نتائج کی طرف توجہ دلائی لیکن مسلم لیگ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔

مسلمانوں کیلئے واحد راہِ عمل

حضرات! فکری و عملی اختلاف اور علماء کے متعلق غلط بیانیوں کا وہی قدیم سلسلہ آج تک بدستور قائم ہے ایک طرف علماء ہیں جو آزادی پسند مذہبی طبقہ کی نمائندگی کرتے ہوئے اسلام کے اجتماعی اصول اور سیاسی احکام کی روشنی میں ملک و ملت کی رہنمائی کا فرض انجام دے رہے ہیں اور دوسری طرف وہ فکری اصول ہیں جو کل کی طرح آج بھی برطانوی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ

بنے ہوئے ہیں۔ اکثریت کا خوف، ہندوستان میں جمہوری طرز حکومت کی مخالفت، مسلمانوں کے مستقبل کے متعلق اندیشے اور وسوسے کل کی طرح آج بھی بدستور قائم ہیں۔ شریعت مطہرہ کی روشنی سے جس طرح وہ کل بے بہرہ تھے آج بھی وہ اس سے اسی طرح محروم ہیں۔ جمعیۃ علماء اور دوسری سیاسی جماعتوں کے اس فکری و عملی اختلاف کو پوری طرح سمجھ لینے کے بعد ہمارے لئے صرف ایک ہی راہ باقی رہ جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کی مذہبی و سیاسی زندگی کے لئے جمعیۃ علماء ہی پر اعتماد کریں جس کے افکار و نظریات میں اسلام کے اجتماعی و سیاسی اصول کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اور جو آج بھی جد و جہد، عمل اور ایثار و قربانی کے معاملہ میں سلف ہی کی راہ پر گامزن ہے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ۔ والصلوٰۃ والسلام علے سیّد المرسلین محمدٍ و

الہ وصحبہ اجمعین

مآخذ: مولانا سید حسین احمد مدنی۔ خطبہ صدارت چودھواں سالانہ اجلاس جمعیت العلماء ہند منعقدہ ۷ تا ۹ مئی ۱۹۴۵ء بمقام سہارنپور، دہلی، ت ن، ص ۲۲۔

۳۸

اجلاس عام کی تجاویز

تجاویز تعزیت

نمبر ۱ (الف)

جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاسِ عام حضرت مولانا عبیداللہ صاحب سندھی کے انتقال پُر ملال پر اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔ حضرت مولانا علوم دینیہ کے ایک فاضل جلیل ہونے کے علاوہ تحریکِ آزادی وطن کے ان مقتدر علمبرداروں میں سے ایک ممتاز فرد تھے۔ جنہوں نے آزادیٔ وطن کے لئے ہر قسم کی بیش بہا، جانی و مالی قربانیاں پیش کی ہیں اور اس راہ میں پورے استقلال و ثباتِ قدم کے ساتھ زندگی کے آخری سانس تک نہایت انبساط اور کشادہ دلی کے ساتھ مشغول رہے۔ اُن کی وفات سے محبانِ آزادی و فداکارانِ ملت و وطن کی صف میں جو جگہ خالی ہوئی ہے اس کا مستقبل قریب میں پُر ہونا بظاہر مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور انکی تربتِ مقدسہ کو اپنی رحمت کی بارش سے سیراب فرمائے۔

یہ جلسہ مولانا کی صاحبزادی اور دیگر اعزاء کے ساتھ اپنی دلی ہمدردی ظاہر کرتا ہے اور ان کو یقین دلاتا ہے کہ جمعیۃ علماء کے تمام ارکان اور تمام محبانِ وطن انکے اس عظیم صدمے میں

شریک ہیں۔

(ب) جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی جن کی تمام تر زندگی علوم دینیہ کی خدمت، توحید و سنت کی اشاعت اور احیاء دین قیم میں صرف ہوئی ہے انکی وفات حسرت آیات پر اپنے غم و صدمہ کا اظہار کرتا ہے اور مولانا سید حسین علی صاحب میانوالی جو توحید الٰہی کے بیان میں سیف عریاں اور تمام مشرکانہ رسوم اور بدعات کے خلاف جبل استقامہ اور اعلاء کلمۃ الحق میں لایخافون فی اللہ لومۃ لائم کی شان کے حامل تھے، کے سانحہ ارتحال کو ملت کا نقصانِ عظیم خیال کرتے ہوئے دلی حزن و ملال کا اظہار کرتا ہے اور مولانا محمد الیاس صاحب بستی نظام الدین اولیاء دہلی جو اپنے زہد و تقوٰی اور اخلاص کے لحاظ سے ہندوستان کی ان ممتاز ہستیوں میں سے تھے جن کے فیضانِ صحبت سے ہزارہا بندگانِ خدا مستفید ہوتے تھے ان کی وفات حسرت آیات پر انتہائی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے اور حضرت مولانا میاں اصغر حسین صاحب جن کی تمام عمر علوم دینیہ کی درس و تدریس اور اپنے فیوضِ روحانی سے بندگان خدا کو مستفیض کرنے میں صرف ہوئی ہے ان کے سانحہ ارتحال پر دلی تاسف اور غم کا اظہار کرتا ہے اور بارگاہِ رب العزت سے دعا کرتا ہے کہ ان حضرات علم و فضل اور مخلص خدام ملت کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور ان کے پس ماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے اور ان کے بہتر اخلاق سے ہمارے زخمی دلوں کا جبیرہ فرمائے۔

(ج) جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس شہید ملت خان بہادر اللہ بخش سندھی صدر آل انڈیا آزاد مسلم کانفرنس، حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب پوپلزئی، حضرت مولانا قاری عبد اللہ صاحب مرادآبادی، مولانا حافظ محمد یوسف صاحب انصاری، پیر سید صدر عالم صاحب گیلانی میانوالی حاجی عبد الجبار صاحب فرم حاجی علیجان صاحب دہلی، مولانا عمر فاروق صاحب غازی پوری مولانا ظہور احمد بگوی، مولانا گل شیر صاحب کیمبل پوری، مولانا علی حسن قدوائی جونپوری، مولانا محمد صاحب سیالی اور حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب بریلی کی اس دار فانی سے رحلت پر اپنے دلی تاسف اور غم کا اظہار کرتا ہے اور بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہے کہ ارحم الراحمین ان کی خطاؤں سے درگذر فرمائے اور ان کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور انکے پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔

(د) جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس حضرت مولانا عبدالحنان صاحب کے برادر خورد مولوی عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر دلی رنج وغم کا اظہار کرتا ہے اور مولانا عبدالحنان صاحب و دیگر پس ماندگان مرحوم کے ساتھ دلی ہمدردی ظاہر کرتا ہے مرحوم صالح نوجوان اور مخلص قومی کارکن تھے۔ دعا ہے کہ خداوند عالم مرحوم کو فردوس بریں کی نعمتوں سے بہرہ ور فرمائے۔

(ہ) جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کی بیگم صاحبہ جو حضرت مولانا کی نظربندی اور اسیری کی وجہ سے اپنی طویل علالت کو بے بسی کے عالم میں گذارتے ہوئے آخری وقت تک اپنے سرتاج کی ملاقات کے لئے مضطرب رہیں اور اس تمنا میں اپنی جان عزیز جانِ آفرین کے سپرد کر دی یہ کانفرنس مرحومہ کی اس حسرتناک موت پر اپنے دلی حزن ملال کا اظہار کرتی ہے اور بارگاہِ ارحم الراحمین میں بصد عجز و نیاز دعا کرتی ہے کہ مرحومہ کو حیاتِ طیبہ کی نعمتوں سے سرفراز فرمائے اور اُن کی روح پاک کو سکون و اطمینان کی لذتیں عطا فرما کر اپنی بخششوں اور رحمتوں سے سرفراز فرمائے۔

یہ کانفرنس حضرت مولانا ابوالکلام صاحب آزاد کے ساتھ اس صدمۂ جانکاہ اور ہمشیرہ محترمہ کی وفات حسرت آیات پر اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کرتی ہے اور اس حقیقت کا اظہار کرتی ہے کہ تمام ملت ان کے اس غم میں ان کے برابر شریک ہے اور اُن کے صدمہ کو اپنا صدمہ سمجھتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتی ہے کہ ان محترم خواتین کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور حضرت مولانا اور دوسرے لواحقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ (منجانب صدارت)

نمبر ۳۔

جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس یو، پی صوبہ کانگریس کمیٹی کے بعض سرکردہ عہدہ داران اور کانگریس وزارت کے بعض اراکین کی اُردو کے خلاف معاندانہ سرگرمیوں کو قومی اور ملکی تحریک کے مفاد کے خلاف سمجھتا ہے اور یہ یقین رکھتا ہے کہ جس طرح ہندوستان کی تقسیم کا تخیل بدیسی حکمرانوں کا پیدا کیا ہوا تخیل ہے اسی طرح اُردو کو مسلمانوں کی زبان اور ہندی کو ہندوؤں کی زبان کا تخیل بھی اجنبی حکمرانوں کا پیدا کیا ہوا ہے اور اس کا مقصد ہندو مسلمانوں میں اختلاف کی خلیج کو وسیع کرنا ہے۔

اس کانفرنس کی رائے میں اُردو (ہندوستانی) ہندوستان کی کئی صدیوں سے مشترکہ

زبان ہے اور کانگریس جیسی قومی جماعت کے ذمہ دار عہدیداران اور سرکردہ اراکین کا اُردو ہندی کے جھگڑے میں پڑکر اُردو دشمن ہندوستانی) کے خلاف معاندانہ ذہنیت کا اظہار کرنا اور ہندی کی ترویج کے لئے کانگریس آرگنائزیشن میں اپنی پوزیشن سے ناجائز فائدہ اٹھانا قومی اور ملکی مفاد کے ساتھ صریح غداری سمجھتا ہے۔

نمبر ۳۔

مرکزیہ جمعیۃ علماء ہند کی روز افزوں ترقی، اور اس کے شعبوں کی روز افزوں وسعت کا تقاضہ ہے کہ مرکزیہ جمعیۃ علماء ہند کے دفتر کے لئے ایک وسیع مکان ہو جس میں مرکزیہ جمعیۃ ہند اور اُس کے شعبوں کے دفاتر، مہمانوں کے قیام اور مرکزیہ جمعیۃ علماء ہند سے متعلق ضروری جلسوں کی وسعت و گنجائش ہو۔ ایسے وسیع مکان کے کرایہ کے بار گراں سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ ایسی فراخ عمارت مرکزیہ جمعیۃ علماء ہند کی ملک ہو۔

لہذا مرکزیہ جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس جمعیۃ علماء ہند کے دفتر کے لئے سردست مبلغ ایک لاکھ روپیہ کے لئے اپیل کرتا ہے اور صوبجاتی جمعیتوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ جلد از جلد اس رقم کو فراہم کرکے اس اہم ترین ضرورت کو پورا کریں نیز مسلمانان ہند سے توقع رکھتا ہے کہ وہ اپنی روایتی فراخ حوصلگی اور دریا دلی سے کام لے کر اس رقم کی فراہمی میں کارکنان جمعیۃ علماء کی پوری پوری امداد فرمائیں گے۔

محرک: حضرت مولانا فخرالدین صاحب مؤید: حضرت مولانا احمد سعید صاحب

نمبر ۴۔

شرعی نقطۂ نگاہ سے علماء اُمت کی سیادت و قیادت مسلمانوں کے جملہ شعبہ ہائے حیات اجتماعی پر حاوی ہونی ضروری ہے یہی جماعت جسد ملت کا قلب و دماغ اور یہی جماعت بنص حدیث وراثت نبوت کی حامل ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ قیادت کی جامعیت اسی وقت ملت اسلامیہ اور اُمت مسلمہ کے لئے موجب فلاح و ترقی ہو سکتی ہے جبکہ علماء ملت حیات اجتماعی کے جملہ شعبوں پر بصیرانہ نظر رکھتے ہوں۔ بالخصوص اس دور میں کہ برتری ملت سیاسی برتری پر اور سیاسی برتری اقتصادی برتری اور معاشیات و عمرانیات کی مہارت پر موقوف ہو چکی ہے نیز دہریت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے اور عام مسلمانوں میں مذہبی احساس و جذبات

پیدا کرنے کی یہی صورت ہے کہ علمار کرام کا قدم سیاسیات و اقتصادیات میں پیش پیش ہو وہ ان چیزوں کے ماہر ہوں اور صنعت و حرفت سے واقفانہ دلچسپی رکھتے ہوں۔ اپنے ملک اور تمام دنیا کے سیاسی اور اقتصادی مقتضیات کے بہتر مفکر اور بالغ النظر مبصر ہوں۔

لہٰذا جمعیۃ علمار ہند کا یہ اجلاس طے کرتا ہے کہ آزاد مدارس عربیہ کے فضلار کی سیاسی اور اقتصادی تربیت اور اُن میں تبلیغی خدمات کی بہتر قابلیت پیدا کرنے کے لئے خود داری اور اعتمادی کے اصولوں پر ایک تربیت گاہ قائم کی جائے۔

محرک: مولانا محمد میاں صاحب — مؤید: مولانا سید گُل بادشاہ میاں صاحب

نمبر ۵۔

جمعیۃ علمار ہند کا یہ اجلاس حضرت مولانا ابوالکلام صاحب آزاد کی فوری رہائی کا گورنمنٹ سے مطالبہ کرتا ہے اور اپنے اس یقین کا اظہار کرتا ہے کہ مولانا کو بے وجہ گرفتاری کی وجہ سے جو اذیت اور جسمانی کوفت پہنچ رہی ہے وہ اُن کے وقار اور ان کے تحفظ کے سخت خلاف ہے۔ اسی طرح حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی۔ مولانا نور الدین بہاری اور مسٹر آصف علی اور مسٹر رفیع احمد صاحب قدوائی کو تحفظ صحت کے لئے فوراً رہا کر دے۔

محرک: حضرت مولانا داؤد صاحب غزنوی — مؤید: ڈاکٹر ثنار اللہ صاحب

نمبر ۶۔

جمعیۃ علمار ہند کا یہ اجلاسِ عام ان تمام محبانِ ملت و وطن کو بالعموم اور کارکنان جمعیۃ علمار کو بالخصوص مبارکباد دیتا ہے جنہوں نے تحریک ۱۹۴۲ء کے دوران میں قید و بند اور طرح طرح کی مشکلات کو پامردی اور استقلال کے ساتھ برداشت کیا۔

یہ اجلاس حکومت سے پُر زور مطالبہ کرتا ہے کہ وہ تمام سیاسی قیدیوں اور نظر بندوں کو جلد سے جلد رہا کر دے۔

محرک: مولانا سید طفیل احمد صاحب کاظمی — مؤید: مولانا عبدالحنان صاحب

نمبر ۷۔

جمعیۃ علمار ہند کا یہ اجلاس حضرت مولانا منیر الزماں صاحب اسلام آبادی اور ان کے رفقار کی گرفتاری کے متعلق اپنے غم و غصہ کا اظہار کرتا ہے۔ مولانا کو بغیر کسی ظاہر کی ہوئی وجہ کے

گرفتار کرلیا گیا ہے اور اُن کے اہل وعیال کے نفقہ کے متعلق کوئی انتظام نہیں کیا گیا۔ یہ سخت ترین اور بے ضابطہ کارروائی ہے جو مرکزی حکومت کی غیر مآل اندیشی کا نتیجہ ہے۔ مرکزی جمعیۃ علماء ہند کا یہ جلسہ مرکزی حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ مولانا اوران کے رفقاء کو بغیر کسی توقف کے فوراً رہا کردے اور اُن کی بے وجہ گرفتاری کے زمانہ تک اُن کے اہل وعیال کے نفقہ کی پوری کفالت کرے۔

محرک: مولانا بشیر احمد صاحب مؤید: مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی

نمبر ۸۔

جمعیۃ علماء ہند کے اس اجلاس کے نزدیک سپرو کمیٹی کی سفارشات میں سیاسی قیدیوں کی رہائی اور ملک معظم کی طرف سے ہندوستان کے لئے آزاد مملکت ہونے کا شاہی اعلان اور صوبوں میں گورنری راج کے خلاف مجالس آئین ساز اور وزارتوں کی بحالی اور موجودہ ایگزیکٹیو کونسل کی بجائے قومی حکومت کے قیام کا مطالبہ تو تمام ہندوستانیوں کے مطالبات کی ترجمانی ہے مگر جہاں تک کہ آزادی ہند کی نوعیت کا تعلق ہے نیز حق خود ارادیت کی کلیتاً نفی اور دستور ساز اسمبلی میں اچھوتوں کے لئے جداگانہ نیابت کا استحقاق اور آئندہ آزاد حکومت کی تشکیل اور اس کی بعض تفصیلات چونکہ جمعیۃ علماء کے فیصلوں اور اس کی سابقہ منظور شدہ تجاویز کے خلاف ہیں اس لئے جمعیۃ علماء ان سفارشات کو ہندوستان کے مسئلہ کا صحیح حل اور ملک کے لئے مفید نہیں سمجھتی۔

محرک: مولانا حفظ الرحمٰن صاحب مؤید: مولانا محمد داؤد غزنوی صاحب

نمبر ۹۔

جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس سان فرانسسکو کانفرنس کے ان نام نہاد ہندوستانی نمائندگان پر اپنے عدم اعتماد کا اظہار کرتا ہے جنہیں حکومت ہند نے برطانوی شہنشاہیت کے مفاد کی ترجمانی کی غرض سے نامزد کیا ہے یہ اجلاس اقوام عالم پر یہ حقیقت ظاہر کردینا چاہتا ہے کہ ہندوستانی رائے عامہ ان نمائندگان کی پشت پر نہیں ہے۔

محرک: مولانا ضیاء الحسن صاحب لدھیانوی مؤید: حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی

نمبر ۱۰۔

جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس آسام لائن سسٹم کو بنیادی حقوق کے خلاف اور مسلمانوں کے ساتھ

ظلم اور صریح ناانصافی سمجھتا ہے اور گورنمنٹ آسام سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ جلد از جلد اس غیر منصفانہ سسٹم کو منسوخ کر دے۔ نیز یہ اجلاس وادی برہم پتر کی پولیس کے ان مظالم کو جو اس سسٹم کے ماتحت مسلمانان بڑپیٹا پر ڈھائے گئے ہیں سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور گورنمنٹ آسام سے مطالبہ کرتا ہے کہ ایک غیر جانبدار تحقیقاتی کمیشن کے ذریعہ سے اس ہولناک واقعہ کی تحقیقات کرائے اور اس کے ذمہ دار اور مجرموں کو قرار واقعی سزا دے۔

محرک: مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی مؤید: مولانا محمد ابراہیم صاحب آسامی

نمبر ۱۱۔

جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس عام اس جمود و تعطل کی حالت کو ملک و قوم کے لئے نہایت مضر اور ملی حیات و ترقی کے لئے مہلک سمجھتا ہے۔ وہ یہ دیکھ رہا ہے کہ ملک کی تمام معتد بہ جماعتیں اور عام پبلک حصولِ آزادی کے لئے بےچین و مضطرب ہے اور ہر جماعت اپنی اپنی جگہ اور تمام افراد مختلف خیالات اور فارمولے تجویز کر رہے اور شائع کر رہے ہیں۔ مجلس عاملہ اپنی رائے اجلاس لاہور منعقدہ ۱۹۴۲ء کی تجویز ۴ میں ظاہر کر چکی ہے آج پھر اس کی تجدید کرتی ہے اور اس کے آخری حصہ کی رفع اجمال کی غرض سے قدرے توضیح کر دینی مناسب سمجھتی ہے، یہ بات بدیہی اور مسلمات میں سے ہے کہ ہندوستان آزادی کی نعمت سے اس وقت تک متمتع نہیں ہو سکتا جب تک ہندوستان کی طرف سے متفقہ مطالبہ اور متحدہ محاذ قائم نہ کیا جائے اور ہندوستانی کسی متفقہ مطالبے کی تشکیل اور متحدہ محاذ قائم کرنے میں جتنی دیر لگائیں گے اسی قدر غلامی کی مدت طویل ہوتی جائے گی۔ جمعیۃ علماء ہند کے نزدیک تمام ہندوستانیوں کے لئے عموماً مسلمانوں کے لئے خصوصاً یہ صورت مفید ہے کہ وہ حسب ذیل نکات پر اتفاق کر لیں اور اسی بنیاد پر حکومت برطانیہ کے سامنے متفقہ مطالبہ پیش کریں۔

(الف) ہمارا نصب العین آزادی کامل ہے۔

(ب) وطنی آزادی میں مسلمان آزاد ہوں گے۔ اُن کا مذہب آزاد ہوگا۔ مسلم کلچر اور تہذیب ثقافت آزاد ہوگی۔ وہ کسی ایسے آئین کو قبول نہ کریں گے جس کی بنیاد ایسی آزادی پر نہ رکھی گئی ہو۔

(ج) ہم ہندوستان میں صوبوں کی کامل خود مختاری اور آزادی کے حامی ہیں غیر مصرحہ

اختیارات صوبوں کے ہاتھ میں ہوں گے اور مرکز کو صرف وہی اختیارات ملیں گے جو تمام صوبے متفقہ طور پر مرکز کے حوالے کریں اور جن کا تعلق تمام صوبوں سے یکساں ہو۔

(د) ہمارے نزدیک ہندوستان کے آزاد صوبوں کا وفاق ضروری اور مفید ہے مگر ایسا وفاق اور ایسی مرکزیت جس میں اپنی مخصوص تہذیب و ثقافت کی مالک نو کروڑ نفوس پر مشتمل مسلمان قوم کسی عددی اکثریت کے رحم و کرم پر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا نہ ہو گی یعنی مرکز کی تشکیل ایسے اصول پر ہونی ضروری ہے کہ مسلمان اپنی مذہبی، سیاسی اور تہذیبی آزادی کی طرف سے مطمئن ہوں۔

تشریح :- اگرچہ اس تجویز میں بیان کردہ اصول اور ان کا مقصد واضح ہے کہ جمعیۃ علماء مسلمانوں کی مذہبی و سیاسی اور تہذیبی آزادی کو کسی حال میں چھوڑنے پر آمادہ نہیں۔ وہ بیشک ہندوستان کی وفاقی حکومت اور ایک مرکزیت پسند کرتی ہے کیونکہ اس کے خیال میں مجموعہ ہندوستان خصوصاً مسلمانوں کے لئے یہ مفید ہے مگر وفاقی حکومت کا قیام اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ صوبوں کے لئے حق خود ارادیت تسلیم کر لیا جائے اور وفاق کی تشکیل اس طرح ہو کہ مرکز کی غیر مسلم اکثریت مسلمانوں کے مذہبی، سیاسی، تہذیبی حقوق پر اپنی عددی اکثریت کے بل بوتے پر تعدی نہ کر سکے۔ مرکز کی ایسی تشکیل جس میں اکثریت کی تعدی کا خوف نہ رہے باہمی افہام و تفہیم سے مندرجہ ذیل صورتوں میں سے کسی صورت پر یا ان کے علاوہ کسی اور ایسی تجویز پر ... جو مسلم اور غیر مسلم جماعتوں کے اتفاق سے طے ہو جائے ممکن ہے۔

۱۔ مثلاً مرکزی ایوان کے ممبروں کی تعداد کا تناسب یہ ہو۔ ہندو ۴۵۔ مسلم ۴۵۔ دیگر اقلیتیں ۱۰۔

۲۔ مرکزی حکومت میں اگر کسی بل۔ یا تجویز کو مسلم ارکان کی ⅔ اکثریت اپنے مذہب یا اپنی سیاسی آزادی یا اپنی تہذیب و ثقافت پر مخالفانہ اثر انداز قرار دے تو وہ بل یا تجویز ایوان میں پیش یا پاس نہ ہو سکے گی۔

۳۔ ایک ایسا سپریم کورٹ قائم کیا جائے جس میں مسلم و غیر مسلم ججوں کی تعداد مساوی ہو اور جس کے ججوں کا تقرر مسلم و غیر مسلم صوبوں کی مساوی تعداد کے ارکان کی کمیٹی کرے۔ یہ سپریم کورٹ مرکز اور صوبوں کے درمیان تنازعات یا صوبوں کے باہمی تنازعات یا ملک کی قوموں کے اختلافات کے

آخری فیصلے کرے گا نیز تجویز نمبر ۲ کے ماتحت اگر کسی بل کے خلاف ہونے نہ ہونے میں مرکزی اکثریت مسلم ارکان کی ۲/۳ اکثریت کے فیصلے سے اختلاف کرے تو اُس کا فیصلہ سپریم کورٹ سے کرایا جائیگا۔

۴۔ یا اور کوئی تجویز جسے فریقین باہمی اتفاق سے طے کریں۔

محرک: مولانا حفظ الرحمٰن صاحب — مؤید: قاضی احمد حسین صاحب۔ بہار

فخرِ بلوچستان خان عبدالصمد خان اچکزئی

پی۔ عبداللہ صاحب۔ مدراس

مولانا عبدالرزاق صاحب ایم ایل اے بنگال

نمبر ۱۲۔

جمعیۃ علماء ہند کے اس اجلاس کو افسوس ہے کہ سارجنٹ اسکیم میں مسلمانوں کی مخصوص تعلیمی ضروریات کا کوئی تذکرہ نہیں ہے درآنحالیکہ ۱۸۸۲ء کے ہنٹر کمیشن سے لے کر اس وقت تک ہر کمیشن اور کمیٹی نے اُن کے متعلق اظہارِ خیال کیا ہے۔ نیز انگریزی تعلیم کے ساتھ مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کے انتظام کا کوئی ذکر نہیں ہے جس کے بغیر کسی مسلمان کی تعلیم مکمل نہیں کہی جا سکتی۔ درآنحالیکہ انگلستان میں یہودیوں کی آبادی صرف چھ فی ہزار ہے اور "جدید تعلیمی مسودۂ قانون" میں ان کی مذہبی تعلیم کی بھی ذمہ داری لی گئی ہے مسلمانوں کو ہرگز منظور نہیں ہے کہ اُن کے لڑکے اور لڑکیاں ایک ساتھ تعلیم پائیں۔

محرک: مولانا مفتی محمد نعیم صاحب — مؤید: مولانا محمد قاسم صاحب شاہجہانپوری

نمبر ۱۳۔

جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس کرنل بی۔ ایم سائیکس سی۔ ایم۔ جی۔ سی۔ آئی۔ ای کی کتاب اے ہسٹری آف پرشیا [A HISTORY OF PERSIA] میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فرضی تصویر شائع کرنے پر اپنے دلی رنج و غصہ کا اظہار کرتا ہے۔ مسلمانوں کے مذہب میں کسی جاندار کی واقعی تمثال بنانی بھی ناجائز اور حرام ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں صریح گستاخی اور ہتک ہے اسے مسلمان کسی طرح برداشت نہیں کر سکتے۔ یہ اجلاس گورنمنٹ ہند سے مطالبہ کرتا ہے کہ اس کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبریل امین کی تصویروں کو خارج کرا دے اور مسلمانوں کے غم و

غصہ کو رفع کرے۔

محرک: مولانا ابوالوفا صاحب شاہجہانپوری   مؤید: مولانا محمد اسمٰعیل صاحب، ایم، ایل، اے

نمبر ۱۴۔

جمعیتہ علماء ہند کا یہ اجلاس اُس عام پریشانی پر انتہائی تشویش کا اظہار کرتا ہے جو کنٹرول سسٹم کے باعث عموماً تمام دستکاروں کو پیش آرہی ہے۔ بالخصوص مندرجہ ذیل قابل قدر اور ملک کی قدیم دستی صنعتوں کے کاریگروں اور مزدوروں کو جو تکلیف دہ پریشانیاں درپیش ہیں اجلاس ہذا کی نظر میں وہ کسی طرح بھی نظرانداز کرنے کے قابل نہیں۔ وہ جلد از جلد پوری توجہ کی مستحق ہیں، ان کا وجود محکمہ کنٹرول کی انتہائی ناقابلیت اور اُن کا باقی رکھنا اس محکمہ کی تنگ دلی ہے اور اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہوگی کہ محکمہ کنٹرول کا مقصد ہندوستانی قدیم صنعتوں کو قائم رکھنا نہیں بلکہ برباد اور تباہ کردینا ہے۔

(۱) حکومت ہند کے نوٹیفیکیشن (اعلان) مورخہ ۷ر مارچ ۱۹۴۵ء کی وجہ سے ہاتھ کی چھپائی اور رنگائی کے کام کرنے والوں پر یہ پابندی عائد ہوتی ہے کہ وہ نہ کپڑا خرید سکتے ہیں نہ بیچ سکتے ہیں نہ چھاپ اور رنگ سکتے ہیں۔ چنانچہ ان پابندیوں کی بنا پر ملک کے لاکھوں دستکار بیکار ہو چکے ہیں اور ملک کی یہ قابلِ فخر قدیم صنعت تباہ ہو رہی ہے۔ ضرورت ہے کہ گورنمنٹ آف انڈیا ان پابندیوں کو جلد از جلد اُٹھالے۔ ورنہ کم از کم صوبہ یوپی اور ان صوبوں کو جن کا ٹیکس مارک واپس لے لیا گیا ہے۔ ان کے ٹیکس مارک واپس کئے جائیں اور جملہ صوبوں کو ان کی چھپائی کی ضرورتوں کے مطابق کوٹہ دیا جائے جس سے وہ اپنی صنعت و حرفت کو باقی رکھ سکیں۔

(۲) ضلع اعظم گڈھ میں اکثریت ان مسلم دستکاروں کی ہے جن کا ذریعہ معاش صرف پارچہ بافی ہے اس ضلع میں فراہمی سوت کے لئے زیادہ سے زیادہ سہولت کی ضرورت تھی مگر کئی ماہ سے سوت کا سخت قحط ہے بلکہ مارکیٹ سے سوت کلیتہً غائب ہے۔ ضلع بھر کے تمام کاریگر بالکل بیکار ہیں اور سخت پریشان۔ حکومت کا فرض ہے کہ جلد از جلد توجہ کرکے اس خطرناک بیکاری کو دور کرے۔

(۳) صوبہ یوپی اور بالخصوص ضلع اعظم گڈھ کے کپڑوں کی تمام تجارت دوسرے صوبوں پر موقوف ہے مگر ریلوے بکنگ کی مشکلات کے باعث جو تھوڑا بہت مال تیار ہوتا ہے باہر نہیں جا سکتا ضرورت ہے کہ حکومت یو، پی اور محکمہ ریلوے جلد از جلد ریلوے بکنگ کی بدنظمی کو دُور کرے۔

(۴) صوبہ دہلی کے محکمہ کنٹرول نے ملوں کے کچھ کپڑوں کا کوٹہ چھاپنے والوں کے لئے مقرر کیا ہے۔ مگر اس کوٹہ کی تقسیم میں مسلمان کپڑا چھاپنے والوں کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے اور تمام مقدار ہندو چھاپنے والوں کو دے دی گئی ہے۔ ضرورت ہے کہ کم از کم نصف کوٹہ مسلمان چھیپیوں کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔

(۵) مرادآبادی ظروف کی قدیم اور نادر روزگار دستی صنعت کے تقریباً اسی ہزار مزدور کنٹرول کی مشکلات کے باعث تباہ ہو رہے ہیں ضرورت ہے کہ مرادآبادی ظروف کے مال خام نیز تیار شدہ مال سے کنٹرول کو قطعاً اٹھالیا جائے۔

محرک: مولانا عبدالباری صاحب مبارکپوری — مؤیدین: محمد ادریس صاحب ہاشمی۔ دہلی
صوفی بشیر احمد صاحب

نمبر ۱۵۔

چمور و آشتی کے ملزموں کو پھانسی کی سزا دیئے جانے کا جو حکم صادر ہو گیا ہے اس کو سخت رنج و غصہ اور بے حد تشویش کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے یہ اجلاس جنرل سیکرٹری کو اختیار دیتا ہے کہ وہ وائسرائے ہند سے بذریعہ تار اپیل کریں کہ ملزمان مذکور کو پھانسی دینے کے بجائے وائسرائے از راہ ترحم خسروانہ سزائے قید سے بدل دیں۔

محرک: مولانا محمد میاں صاحب — مؤید: جناب محمد یوسف صاحب قریشی بلیا

نمبر ۱۶۔

جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس ہندو مہا سبھا کی اس حرکت پر کہ ریاست دھار کی جامع مسجد کو جو مولانا شاہ کمال صاحب کی جامع مسجد کے نام سے صدہا سال سے قائم ہے اور جو ایک مسجد کی حیثیت سے محکمہ آثارِ قدیمہ کی جانب سے محفوظ عمارتوں میں شامل ہے اور جس کی عمارت و قرب و جوار کی حالت اور ہر ایک طرز و حیثیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابتدا سے مسجد ہے اس کو بھوج شالا گرد انا چاہتی ہے۔ نفرت اور ملامت کا اظہار کرتا ہے اور ریاست دھار سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ بالکل نمایاں اور کھلی ہوئی مذہبی چیز کے متعلق اس قسم کے فتنہ انگیز اور امن شکن پروپیگنڈے کو خلافِ قانون قرار دے اور ریاست کی جانب سے اس مسجد پر سنگِ کتبہ لگوانے اور اس مسجد کے مسجد ہونے کے متعلق اعلان کا جو وعدہ جمعیۃ علماء ہند کے وفد سے دیوان صاحب نے کیا تھا

اس کو جلد از جلد پورا کیا جائے ورنہ اس قسم کی غلط چشم پوشی کا نتیجہ ریاست کے حق میں ناگوار ہوگا جس کی ذمہ دار خود اس کی غلط کاری ہوگی۔

محرک: مولانا محمد میاں صاحب — مؤید: مولانا شاہد میاں صاحب فاخری

نمبر ۱۷۔

جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس حکومت صوبجات متحدہ کی اس متشددانہ اور غیر منصفانہ روش پر شدید ناراضگی و ناپسندیدگی کا اظہار کرتا ہے جو اس نے گذشتہ پانچ سال کے اندر لکھنؤ میں مدح صحابہ کی بندش کی صورت میں روا رکھی ہے۔ حکومت صوبہ نے جو وعدہ کیا تھا کہ خواہ حالات کچھ ہوں لکھنؤ کے سنیوں کو لازماً ہر سال بارہ ربیع الاول کو جلوس اور جلسۂ عام میں مدح صحابہ پڑھنے کا موقع دیا جائے گا۔ اس موثق وعدہ کو کالعدم کر دیا بلکہ مقامی عمال کو اس امر کی اجازت دے دی کہ وہ گھروں تک میں صحابہ کرام کی مدح وثنا کو روک دیں۔

جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس حکومت صوبہ یو، پی اور حکام لکھنؤ کی اس حرکت کو نہایت نفرت سے دیکھتا ہے اور حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس ناانصافی کو جلد از جلد ختم کر کے مسلمانوں کو مطمئن کرے۔

محرک: مولانا محمد یٰسین صاحب — مؤید: مولانا محمد عارف ربانی میمن سنگھی

نمبر ۱۸۔

جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس ان حالات پر جو مقامی سگریٹ فیکٹری میں افسران فیکٹری کے نامنصفانہ اور غلط رویہ کے باعث پیش آرہے ہیں اور جن سے وہاں کے مزدوروں میں عام پریشانی اور بے چینی پائی جاتی ہے اپنے رنج وغم کا اظہار کرتا ہے اور مزدوروں کو اپنی ہمدردی کا پورا یقین دلاتا ہے۔

نیز یہ اجلاس گورنمنٹ صوبہ کی توجہ ان معاملات کی طرف مبذول کراتے ہوئے اس سے پُرزور مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ضروری تحقیقات کے بعد فیکٹری کے مالکان کو مجبور کرے کہ وہ ان مزدوران فیکٹری کی موجودہ جائز شکایات کو رفع کریں اور آئندہ ان سے منصفانہ برتاؤ کریں۔

محرک: خواجہ محمد اطہر حسن صاحب — مؤید: مولانا عبدالحق صاحب سندھی

نمبر ۱۹۔

جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس عام گورنمنٹ ہند کی اس جدید اسکیم کو جس سے ریلوے کو موٹر

بسں سروس کی مقابلہ دینے کی تجویز سے ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اس سے ہندوستان کے ہزاروں، لاکھوں مالکان موٹر کو سخت نقصان پہنچے گا اور وہ اپنے جائز کاروبار اور نفع سے محروم ہو جائیں گے اس لئے یہ اجلاس گورنمنٹ ہند کی توجہ اس طرف مبذول کراتے ہوئے اس سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس اسکیم پر اس طرح نظر ثانی کرے کہ مالکان موٹر تباہی سے بچ جائیں۔

محرک: مولانا منظور النبی صاحب   مؤید: مولانا سید بادشاہ گل صاحب سرحدی

۲۰۔

جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس مسلم مجلس کی اس تمنا کو جو اس نے جمعیۃ علماء ہند کے ساتھ اشتراکِ عمل اور تعاون سے متعلق بذریعہ ایک تجویز ظاہر کی ہے اس لئے منظور کرتا ہے کہ مسلم مجلس نے جمعیۃ علماء کے اغراض و مقاصد کے ساتھ کلی اتفاق ظاہر کیا ہے۔

اشتراک عمل اور تعاون کا یہ فیصلہ چونکہ تفاصیل کا محتاج ہے اس لئے یہ اجلاس ان تفاصیل کو طے کرنے کے لئے مجلسِ عاملہ کو یہ اختیار دیتا ہے کہ وہ اس اصول کی پابندی کے ساتھ کہ اشتراک و تعاونِ باہمی کے سلسلہ میں کسی وقت بھی اگر کوئی بورڈ قائم کیا جائے تو اس بورڈ میں جمعیۃ علماء کے ارکان کی تعداد کسی طرح نصف سے کم نہ ہو گی... پانچ اشخاص پر مشتمل ایک سب کمیٹی بنا دے جو اپنی رپورٹ مجلس عاملہ کے اجلاس میں پیش کر دے۔

محرک: مولانا سید محمد داؤد صاحب غزنوی ۔   مؤید: مولانا سید محمد میاں صاحب۔
مولانا مفتی محمد نعیم صاحب ۔

تجویز مسلم مجلس

چونکہ جمعیۃ علماء ہند کے اغراض و مقاصد اور پالیسی مسلمانوں کے لئے مفید ہے اور مسلم مجلس کو ے پورا اتفاق ہے اس لئے مسلم مجلس جمعیۃ علماء ہند سے متمنی ہے کہ وہ اپنی جماعتی حیثیت سے س کے ساتھ تعاون و اشتراک عمل کے سلسلہ میں جب کبھی کوئی بورڈ قائم کیا جائے اس میں جمعیۃ ور مسلم مجلس کے ارکان کی تعداد مساوی ہو گی۔ جماعت عاملہ مسلم مجلس اپنی جانب سے متفقہ پانچ ، کی ایک سب کمیٹی قائم کرتی ہے جو جمعیۃ علماء کے ساتھ تعاون و اشتراکِ عمل کی مزید تفصیلات

طے کرکے جماعت عاملہ کی آئندہ نشست میں پیش کرے گی۔ اگر نامزد کردہ اشخاص میں سے کوئی صاحب کسی وجہ سے سب کمیٹی میں کام نہ کر سکیں تو صدر مسلم مجلس کو اختیار ہوگا کہ وہ کسی دوسرے ممبر جماعت عاملہ کو نامزد کر دے۔ اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

۱۔ عبدالمجید خواجہ صاحب
۲ ڈاکٹر شوکت اللہ صاحب انصاری
۳۔ حافظ محمد ابراہیم صاحب
۴۔ مولوی عبدالسلام صاحب
۵۔ شیخ ظہیرالدین صاحب

نمبر ۲۱۔

جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس اس مسئلہ پر گہری تشویش کا اظہار کرتا ہے کہ حکومت ہند نے حج کی ادائیگی کے لئے ایسی پابندیاں عائد کر رکھی ہیں کہ جن سے زائرین بیت اللہ ادا رحج کے سلسلہ میں مختلف قسم کی رکاوٹیں محسوس کرتے ہیں۔ اب جبکہ اتحادی جنگ کے معاملہ میں راہ کی نزاکتوں سے مطمئن ہو چکے ہیں تو ایسی حالت میں ادا رحج پر جنگ کے نام سے مختلف قیود عائد کرنا انتہائی ناانصافی بلکہ مذہبی فریضہ میں مداخلت یقین کرتا ہے۔ لہٰذا حکومت کا فرض ہے کہ وہ جلد از جلد رکاوٹوں کو دور کرکے راہِ حجاز کے لئے ہر قسم کی سہولت پیدا کرے۔

محرک: مولانا حامد الانصاری غازی مؤید: مولانا سلطان الحق صاحب

تجویز شکریہ

نمبر ۲۲۔

جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس مجلسِ استقبالیہ کے معزز و محترم صدر جناب خواجہ اظہر حسن صاحب و ناظم اعلیٰ مولانا منظور النبی صاحب اور تمام عہدیداران وارکین مجلسِ استقبالیہ اور صوبہ بہار، صوبہ آگرہ یعنی بدوانی مراد آباد۔ فرخ آباد۔ بجنور۔ سہارن پور۔ دیوبند اور صوبہ دہلی کی رضاکار جماعتوں (انصار اللہ) اور دارالعلوم دیوبند۔ مظاہر العلوم سہارن پور۔ محلہ نجاران سہارنپور۔ ارکین مدرسہ فیضان القرآن۔ طبی بورڈ جامعہ طبیہ

دہلی اور حضرت مولانا اعزاز علی صاحب۔ مولانا محمد عثمان صاحب۔ مولانا سلطان الحق صاحب۔ مولانا فخر الحسن صاحب حکیم محمد الیاس خان صاحب دہلی۔ مولانا عبد الحنان صاحب۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب ایم ایل اے۔ مولانا ابو الوفاء صاحب صدر جمعیۃ علماء صوبہ آگرہ۔ مولانا محمد قاسم صاحب ناظم جمعیۃ علماء صوبہ آگرہ۔ مولانا شاہد علی صاحب مولانا عبد الوحید صاحب صدیقی۔ سید محمد شفیع صاحب۔ مولانا عبد الحق صاحب۔ مولانا محمد ایوب صاحب مولانا سید احمد علی سعید میاں صاحب۔ مولانا محمد صالح صاحب۔ بھائی محمد یٰسین صاحب۔ محمد قاسم صاحب۔ حاجی محمد یٰسین صاحب۔ مولانا مفتاح الحق صاحب مولانا حبیب اللہ صاحب۔ بشیر خان صاحب۔ مولانا محمد اسحاق صاحب، جناب اُمید علی خان صاحب۔ جناب منشی محمد یعقوب صاحب۔ مولوی دین محمد صاحب۔ منشی عبد الواحد صاحب اور طلبہ دار العلوم دیوبند۔ طلبہ مظاہر العلوم سہارنپور اور اُن تمام ہمدردان جمعیۃ علماء کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ جنہوں نے جمعیۃ علماء ہند کے اس عظیم الشان چودھویں سالانہ اجلاس کے انعقاد میں ہر قسم کی جد و جہد اور اعانت فرما کر اجلاس کو کامیاب بنانے کی سعی فرمائی۔ اور ان حضرات نے ہمہ قسم کی صعوبتیں اور زحمتیں برداشت کر کے اس کی خدمات انجام دیں۔ یہ اجلاس پنڈال کی تیاری کے سلسلہ میں خاص طور پر بابو ظہور الحق صاحب کا بھی شکریہ ادا کرتا ہے۔

الغرض یہ اجلاس ان تمام حضرات کی مساعی جمیلہ کی کامیابی پر ان کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتا ہے اور اُن کی حسنِ خدمات کے لئے شکر گذار ہے۔

مآخذ: جمعیت العلماء ہند کے اجلاس چہاردہم منعقدہ سہارنپور مورخہ ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، جمادی الاولیٰ ۱۳۶۴ھ مطابق ۴، ۵، ۶، ۷، مئی ۱۹۴۵ء بصدارت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی کی مختصر رپورٹ، دہلی، مسلم

ضمیمہ جات

ضمیمہ اوّل

مسوّدۂ قانون فسخ نکاح

مسودۂ قانون فسخ نکاح

کارروائی اجلاس مجلس مشاورت جمعیۃ مرکزیہ علماء ہند

منعقدہ یکم و دو فروری ۱۹۳۶ء مطابق ۷، و ۸، ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ یوم شنبہ و یکشنبہ
بمقام مرادآباد،

مرکزی جمعیت علماؑ کی مجلسِ عاملہ کے اجلاس کی غیر معمولی اہمیت کا لحاظ رکھتے ہوئے ہندوستان کے دیگر علماؑ کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ چنانچہ جمعیت علماء ہند کی دعوت پر علماء سہارنپور و تھانہ بھون اور علماءؑ پنجاب نے بھی مجلسِ عاملہ میں شرکت فرمائی اور جمعیت علماؑ کی مجلسِ عاملہ کی جانب سے یکم فروری کو ایک عام مجلسِ مشاورت کا انعقاد کیا گیا۔ جس میں حضرات ذیل نے شرکت فرمائی۔

شرکائے اجلاس

حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب، مولانا حافظ عبداللطیف صاحب، مولانا مفتی محمد نعیم صاحب
مولانا نورالدین صاحب، مولانا احمد سعید صاحب، مولانا معین الدین صاحب، مولانا بشیر احمد صاحب،

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب، مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجاد صاحب، سید غلام بھیک صاحب نیرنگ، مولانا عبدالعزیز صاحب گوجرانوالہ، مولانا عبدالکریم صاحب، مولانا قاری مفتی سعید احمد صاحب، مولانا عبدالحامد صاحب قادری۔ مولانا فخرالدین صاحب، مولانا عبدالواحد صاحب، مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی، مولانا عبدالحفیظ صاحب۔

سب سے پہلے سید غلام بھیک صاحب نیرنگ نے مسودۂ قانون مسلم انفساخ نکاح کے تفصیلی حالات بیان کئے۔اس کے بعد مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب نائب امیر شریعت و سید بدالحسن صاحب ایم، ایل، اے، سید محمد احمد صاحب کاظمی ایم، ایل، اے کے مسودے بھی سامنے لائے گئے اور چاروں مسودوں کی تمہید اور دفعات پر بحث شروع ہوئی۔ جس میں حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب صدر جمعیت العلماء ہند اور مولانا حافظ عبداللطیف مہتمم مدرسہ مظاہرالعلوم سہارنپور اور مولانا قاری سعید احمد مفتی مدرسہ مظاہرالعلوم سہارنپور و مولانا عبدالکریم صاحب مفتی خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون اور مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی نے کافی بحث و تمحیص کی اور دو روز کی متواتر و پیہم جد و جہد کے بعد مجلسِ مشاورت کی کثرت رائے سے حسب ذیل تجویز منظور ہوئی اور مسودہ از سرِ نو مرتب کیا گیا جو دفعہ وار درج ذیل ہے۔

تجویز:۔

مجلس شوریٰ کی متفقہ رائے قرار پائی کہ بل کے عنوان اور تمہید میں سے ارتداد زوجہ کا ذکر اور دفعہ ۶ سرِدست نکال دی جائے

مسودۂ قانون فسخ نکاح مرتبہ مجلس شوریٰ جمعیۃ مرکزیہ علماء ہند

مسلمان عورتوں کے حقوق فسخ نکاح کا قانون

بدیں غرض کہ مسلمان عورتوں کے لئے فسخ نکاح کے ان حقوق کو حاصل کرنے کا راستہ نکالا جائے جو شریعت اسلامی نے ان کو عطا کئے ہیں مگر موجودہ ملکی قانون ان کے لئے ناکافی ہے۔

ہرگاہ کہ ہندوستان میں مسلمان عورتیں اپنے نکاحوں کو فسخ کرانے کے ان حقوق سے محروم ہیں

جو بروئے شریعت اسلامی ان کو حاصل ہیں مگر ملک کا موجودہ مروجہ قانون ان کے حصول کے لئے ناکافی ہے۔ اس لئے حسب ذیل قانون نافذ کیا جاتا ہے۔

۱۔ اس قانون کا نام "مسلم قانون فسخ نکاح" ہوگا۔

۲۔ یہ قانون تمام برٹش انڈیا میں اطلاق پذیر ہوگا اور فوراً نافذ ہو جائے گا۔

۳۔ اس قانون کے منشا یا کسی دفعہ کے خلاف برطانوی ہند کا کوئی قانون یا ریگولیشن یا آرڈیننس موجود ہو تو وہ قانون اور ریگولیشن اور آرڈیننس اس قانون پر یا اس کی کسی دفعہ پر اثر انداز نہ ہوگا۔

۴۔ اس قانون میں جب تک مضمون یا سیاق و سباق میں کوئی امر متناقض نہ پایا جائے۔

۱۔ ملکی قانون سے شریعت اسلام مطابق مذہب امام مالکؒ مراد ہوگی۔

۲۔ حنفی قانون سے شریعت اسلام مطابق مذہب امام ابو حنیفہؒ مراد ہوگی۔

۵۔ مسلمان عورت مندرجہ ذیل وجوہ میں سے کسی ایک وجہ یا زیادہ کی بنا پر اپنے شوہر کے خلاف فسخ نکاح کا دعویٰ کر سکتی ہے۔

(الف) ۱۔ یہ کہ اس کا شوہر مفقود الخبر ہو۔

۲۔ یہ کہ اس کا شوہر جنون یا جذام یا برص میں مبتلا ہو جب کہ یہ امراض سخت قسم کے ہوں۔

۳۔ یہ کہ اس کا شوہر اس کو نفقہ نہ دیتا ہو یا دینے پر قادر نہ ہو۔

۴۔ یہ کہ اس کا شوہر اس پر متواتر ناقابل برداشت مظالم کرتا ہو۔

۵۔ یہ کہ شوہر کی مفقود الخبری یا طویل قید یا تعنت کی وجہ سے اس کی عصمت خطرہ میں ہو۔

(ب) ۱۔ یہ کہ عورت کو خیار بلوغ حاصل تھا اور اس حق سے اس نے نکاح کو مسترد کر دیا ہو۔

۲۔ یہ کہ اس کا نکاح فاسد منعقد ہوا تھا یا بعد میں کسی وجہ سے فاسد ہو گیا ہو۔

مولانا حبیب الرحمان دیوبندی
(م۔ دسمبر ۱۹۲۹ء)

آپ مولانا فضل الرحمن عثمانی دیوبندی کے فرزند تھے۔ آپ ایک متبحر عالم اور عربی کے بہترین ادیب تھے۔ آپ کا تدبر، سیاست، فراست، دوراندیشی اور دوربینی آج تک ضرب المثل ہے اور تاریخ دیوبند میں ہمیشہ بے نظیر سمجھی جائے گی۔ دارالعلوم کی حیرت انگیز ترقی میں جس طرح روحانی امور کو دخل ہے بلاشبہ مولانا حبیب الرحمن کی خداداد صفات کو بھی زیادہ دخل ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر سیاست میں بھی آپ کو اتنا ہی شغف ہوتا جتنا دارالعلوم دیوبند سے تھا تو آپ کو ہندوستان کا سب سے بڑا سیاسی لیڈر مانا جاتا۔ تاہم میدان سیاست آپ سے محروم نہیں رہا۔

آپ جمعیت العلماء ہند کے بہترین مشیر تھے اور اس کے چوتھے اجلاس عام منعقدہ ۲۴ دسمبر ۱۹۲۲ء بمقام گیا کی صدارت کے فرائض آپ ہی نے انجام دیئے۔ آپ ہمیشہ مولانا حافظ محمد احمد مہتمم دارالعلوم دیوبند کے دست راست بلکہ مطلق رہے اور مولانا حافظ محمد احمد کے زمانہ کی دارالعلوم دیوبند کی ترقی درحقیقت آپ کی رفاقت کی ہی برکت ہے۔ ان دونوں بزرگوں کے دور میں دارالعلوم کی ترقیات کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف تعمیرات اور

کتب خانہ کے سلسلہ میں تقریباً آٹھ لاکھ کی مالیت کا اضافہ ہوا۔ مولانا حافظ محمد احمد کی وفات کے بعد آپ دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم قرار دیئے گئے۔

آپکی علمی یادگاریں آپکے عربی قصائد اور دیگر تصنیفات بھی ہیں جنمیں مندرجہ ذیل تصانیف خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۱۔ حاشیہ مقامات حریری (جو حل لغات کے ساتھ پہلی مرتبہ مطبع مجتبائی دہلی میں طبع ہوا)۔

۲۔ قصیدہ لامیۃ المعجزات (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں تقریباً تین سو اشعار پر مشتمل ہے۔ جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سو معجزات نہایت فصیح اور بلیغ انداز میں جمع کئے گئے ہیں)۔

۳۔ اشاعت الاسلام، (دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا۔ یہ کتاب تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں ان تاریخی وجوہات کا ذکر کیا گیا ہے جو دنیا میں اشاعتِ اسلام کا سبب ہوئیں)۔

۴۔ تعلیمات اسلام، (اس کتاب میں اسلام کے طرزِ حکومت کو بیان کیا گیا ہے)۔

مولانا سید حسین احمد مدنی

(۶ر اکتوبر ۱۸۷۹ء — ۶ر دسمبر ۱۹۵۷ء)

آپ کا نام چراغ محمد اور آبائی موضع الہ داد پور تحصیل ٹانڈہ ضلع فیض آباد تھا۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔ ۱۳۰۹ھ میں جب کہ آپ کی عمر ۱۲ برس تھی، آپ کو تعلیم کے لیے دیوبند بھیجا گیا۔ صرف سات سال کے عرصہ میں جملہ علوم متداولہ سے فارغ ہو کر مولانا رشید احمد گنگوہی کی بیعت کی۔ ۱۳۱۶ھ میں والد نے حجاز ہجرت کی تو آپ بھی ان کے ہمراہ تھے اور وہاں درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ ۱۳۲۶ھ تک مسلسل جوارِ رسول میں قیام رہا۔ ۱۳۲۶ھ میں آپ دوبارہ ہندوستان تشریف لائے۔ جمعیت الانصار، موتمر الانصار اور دارالعلوم دیوبند کے جلسہ ہائے دستار بندی آپ ہی کی جد و جہد کے رہین منت تھے۔ تین سال بعد آپ دوبارہ مدینہ منورہ گئے۔

۱۳۳۰ھ میں آپ ہندوستان تشریف لائے اور چند ماہ قیام کر کے واپس مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ ۱۳۳۳ھ میں شیخ الہند مولانا محمود حسن بھی ہندوستان سے حجاز تشریف لے گئے۔ آپ فراغت حج کے بعد ۱۳۳۴ھ میں مدینہ منورہ آئے۔ اس عرصہ میں مشاغل درس برابر جاری رہے۔ کچھ عرصہ بعد سعودی عرب میں انقلاب آیا۔ تو شریف حسین نے مولانا حسین احمد مدنی اور تحریک ریشمی رومال کے دیگر سرگرم اراکین شیخ الہند مولانا محمود حسن، مولانا عزیز گل وغیرہ کو گرفتار کر کے انگریزوں

کے سپرد کردیا اور آپ مالٹا میں ۱۲، مارچ ۱۹۲۰ء تک اسیر رہے۔ رہائی کے بعد آپ نے کچھ عرصہ مولانا ابوالکلام آزاد کے دارالعلوم کلکتہ کی صدارت کی۔ جب تحریک ترک موالات کے سلسلے میں علماء کا متفقہ فتویٰ شائع ہوا تو آپ کو دوبارہ گرفتار کر لیا گیا اور کراچی کا مشہور مقدمہ چلا۔

کراچی سے رہائی کے بعد تقریباً ۶ سال سلہٹ (بنگال) میں ایک جامع اسلامیہ کے شیخ الحدیث رہے۔ درس و تدریس کے علاوہ بنگال اور آسام میں اشاعت و تبلیغی کاموں کی طرف توجہ دی اور ساتھ ہی سیاست میں بھی حصہ لیتے رہے۔

آپ متحدہ قومیت اور ہندوستان کی مکمل آزادی کے حامی تھے۔ ہندوستان کی مکمل آزادی کا مطالبہ آپ نے دسمبر ۱۹۲۳ کو کوکناڈا میں جمعیت العلماء ہند کے پانچویں مرکزی اجلاس عام کی صدارت کے دوران کیا۔ آپ نے ۱۹۲۷ء میں سائمن کمیشن کا بائیکاٹ کیا اور سارد ا ایکٹ کی بھی سخت مخالفت کی۔ جمعیت العلماء ہند کے پانچویں اجلاس عام کے علاوہ آپ نے بارہویں تیرھویں اور چودھویں اجلاس ہائے عام کی صدارت کی۔ آپ کی چند ایک تصانیف کے علاوہ کچھ رسائل، مکتوبات اور خطبات بھی ہیں۔ آپ کے مکتوبات کو مولانا نجم الدین اصلاحی نے "مکتوبات شیخ الاسلام" کے نام سے کتابی شکل میں شائع کیا ہے آپکی تصنیفات درج ذیل ہیں۔

۱۔ الشہاب الثاقب۔
۲۔ اسیر مالٹا۔
۳۔ متحدہ قومیت۔
۴۔ نقش حیات۔

مولانا عبدالباری فرنگی محلی

(م - جنوری ۱۹۲۶ء)

مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے ابتدائی تعلیم لکھنؤ میں مولانا عبدالحئی صاحب کے شاگردِ خاص مولانا عین القضاۃ سے حاصل کی، پھر حجاز گئے، وہاں حدیث کی سند لی۔ ملک شام کا سفر کیا اور وہاں علماء سے فیض حاصل کیا۔ مدینہ منورہ سے واپس ہندوستان آئے۔ اور خدام کعبہ کی تنظیم میں پرجوش شرکت کی۔ بعد ازاں مجلس خلافت اور جمعیت العلماء ہند کی تاسیس میں حصہ لیا اور ترک موالات کے علمبردار بنے۔ جمعیت العلماء ہند کے پہلے اجلاس عام منعقدہ ۲۸ دسمبر ۱۹۱۹ء تا یکم جنوری ۱۹۲۰ء بمقام امرتسر کی صدارت کے فرائض آپ نے انجام دیئے۔

فرنگی محل میں مدرسہ نظامیہ کے نام سے ایک باقاعدہ مدرسہ عربیہ کی بنیاد ڈالی جس سے متعدد اصحابِ فکر اور اہلِ قلم طلباء پیدا ہوئے۔

۱۹۱۳ء میں آپ نے ہنگامہ مسجد کانپور میں مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، راجہ صاحب محمود آباد، سر علی امام اور لارڈ ہارڈنگ کی گفت و شنید میں مسلمانوں کی مذہبی نمائندگی کے فرائض انجام دیئے۔ ندوۃ العلماء کے رکن منتخب ہوئے۔ مگر ۱۹۱۴ء میں استعفاء دے دیا۔

دسمبر ۱۹۱۹ء میں جب امرتسر کی خلافت کانفرنس میں یورپ کو وفد جانا طے پایا تو مولانا عبدالباری فرنگی

عمل سے مولانا سید سلیمان ندوی کا نام تجویز کیا اور وفد کو چھوڑنے بمبئی تک گئے۔ اس کے بعد سیاست میں حصہ لینا ترک کر دیا۔ وہ فقہ حنفی کے پُرجوش حامی تھے اور ان کی علمی و قلمی کوشش زیادہ تر اسی کے متعلق صرف ہوتی رہیں۔

ان کی چھوٹی بڑی تصانیف کی فہرست سو کے قریب ہو گی جن میں سے زیادہ مفید و کارآمد اُن کی اُردو تفسیر تھی، جو افسوس کہ ناتمام رہی۔ علم حدیث میں بھی ان کے ایک دو رسالے ہیں۔

مولانا عبدالحق مدنی

مولانا عبدالحق مدنی حجاز کے اُن مشہور اُدباء میں سے تھے، جن کو ارباب شعر و سخن اپنے دور کا متبنی تصور کرتے تھے۔ آپ کا آبائی وطن دیوبند تھا۔ آپ کے والد شیخ رفاقت علی برطانوی فوج میں ڈاکٹر ہو کر افریقہ تشریف لے گئے۔ وہاں سے فوج کی ملازمت چھوڑ کر مدینہ منورہ آئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ پھر ترکی فوج میں ڈاکٹر ہوئے اور ساری زندگی رفاہیت اور خوشحالی سے بسر کی۔ مولانا عبدالحق مدنی کی ولادت مدینہ منورہ میں ہوئی۔ وہیں آپ نے تعلیم پائی اور تعلیمی خدمات میں مصروف رہے۔ شریف حسین کے دور میں انقلاب کی گردش نے آپ کو ہندوستان پہنچا دیا۔ ابتدا میں چند سال کراچی میں قیام کیا اور مدرسہ عربیہ واقع محلہ کھڈہ میں درس حدیث و تفسیر کی خدمت انجام دیتے رہے۔ تقریباً ۱۹۲۸ء میں آپ مراد آباد تشریف لے گئے اور عرصہ تک مراد آباد کو اپنے فیوض و برکات سے فیض پہنچاتے رہے۔ جامع قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد کو آپ کے افزائی اہتمام کی سعادت حاصل تھی اور سینکڑوں مسلمان روزانہ نماز صبح کے بعد آپ کے درس قرآن سے مستفیض ہوتے تھے۔ دورِ شباب میں اہلِ حجاز نے آپ کو ادیب اور شاعر اور بعد ازاں اہلِ ہندوستان نے آپ کو حافظ و مفسر قرآن، واعظ حق، قامع بدعت، زاہد شب بیدار اور شدید المزاج مصلح کی حیثیت سے پہچانا۔ جمعیت العلماء ہند کے گیارہویں اجلاس عام منعقدہ ۳ تا ۶ ر مارچ ۱۹۳۹ء بمقام دہلی کی صدارت کے فرائض آپ ہی نے انجام دیئے۔

مولانا سیّد محمد انور شاہ

(۲۶ نومبر ۱۸۷۵ء - ۲۹ مئی ۱۹۳۳ء)

آپ کے والد مولانا سید محمد معظم شاہ کا اصل وطن کشمیر تھا - آپ بمقام موضع ددھوان علاقہ لولاب کشمیر میں پیدا ہوئے - قرآن پاک کی تعلیم اپنے والد سے ۴ سال کی عمر میں شروع کی اور اس کے ساتھ ساتھ ۶ برس کی عمر تک (صوفی پورہ) سے فارسی و عربی کی تعلیم بھی حاصل کی - ہزارہ کے متعدد علماء سے علوم دینیہ کی تکمیل کی - ۱۶ یا ۱۷ سال کی عمر میں دیوبند تشریف لے گئے - دیوبند میں چار سال رہ کر وہاں کے مشاہیر وقت سے فیوض علمیہ و باطنیہ کا بدرجۂ اتم استفادہ کیا اور ۲۰ - ۲۱ سال کی عمر میں نمایاں شہرت و عزت کے ساتھ سندِ فراغ حاصل کی - جن علماء سے آپ کو شرفِ تلمذ رہا ہے - ان میں سے مندرجہ ذیل حضرات خصوصیت سے قابل ذکر ہیں - مولانا محمود حسن، مولانا خلیل احمد، مولانا محمد اسحٰق امرتسری اور مولانا غلام رسول ہزاروی - آپ دیوبند سے فارغ ہو کر مولانا رشید احمد گنگوہی کی خدمت میں گنگوہ تشریف لے گئے اور وہاں سے سندِ حدیث کے علاوہ فیوض باطنی بھی حاصل کیئے - اس کے بعد آپ دہلی تشریف لے گئے اور ۳ - ۴ سال تک مدرسہ امینیہ عربیہ کے مدرس اول رہے -

دہلی میں بارہ تیرہ سال قیام کے بعد بعض ضرورتوں اور مجبوریوں کے باعث آپ کشمیر گئے

اور ۱۳۲۳ھ میں بعض مشاہیر کشمیر کی رفاقت میں زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔ سفر حجاز میں طرابلس، بصرہ اور مصر و شام کے جلیل القدر علماء نے آپ کی بہت عزت کی اور سندات حدیث دیں۔

سفر حجاز سے واپس آکر خواجگان قصبہ بارہ مولا (کشمیر) میں مدرسہ فیض عام کی بنیاد رکھی اور ۳ سال تک وہاں رہے۔ اسی اثناء میں آپ کو دارالعلوم دیوبند کے جلسہ دستاربندی میں مدعو کیا گیا۔ وہاں آپ مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۳۴۰ھ تک دارالعلوم میں بحیثیت صدر مدرس و جانشین شیخ الہند درس حدیث دیتے رہے۔ جب منتظمین دارالعلوم سے بعض اصلاحات کے باعث اختلاف ہوا تو جامع اسلامیہ چلے گئے اور ۱۳۵۱ھ تک وہاں درس حدیث دیا۔

نفحۃ العنبر مولانا انور شاہ کی ایک طویل اور جامع تاریخ حیات ہے جسے عربی زبان میں مرحوم کے شاگرد مولانا محمد یوسف بنوری نے مرتب اور مجلس علمی نے ڈابھیل سے شائع کیا۔

آپ شروع سے آخر تک جمعیت العلماء ہند مجلس عاملہ کے رکن رہے اور اس کے آٹھویں اجلاس عام منعقدہ ۲ تا ۴ اکتوبر ۱۹۲۷ء بمقام پشاور کی صدارت کے فرائض انجام دیئے۔

آپ علوم حدیث کے حافظ اور نکتہ شناس، علوم ادب میں بلند پایہ، معقولات میں ماہر، شعر و سخن سے بہرہ مند اور زہد و تقویٰ میں کامل تھے۔ اُن کو زندہ کتب خانہ کہنا بجا ہے۔ شاید ہی کوئی کتاب، مطبوعہ یا قلمی، اُن کے مطالعہ سے بچی ہو۔ آپ کی چند مایۂ ناز تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام۔

۲۔ التصریح بما تواتر فی نزول المسیح۔

۳۔ اکفار الملحدین فی ضروریات الدین۔

۴۔ تحیۃ الاسلام فی حیاۃ عیسےٰ علیہ السلام۔

۵۔ خاتم النبیین (فارسی)۔

۶۔ فصل الخطاب فی مسئلۃ ام الکتاب۔

۷۔ خاتمہ الخطاب فی فاتحہ الکتاب (فارسی)

۸۔ نیل الفرقدین فی مسئلہ رفع الیدین۔

۹۔ بسط الیدین لنیل الفرقدین۔

۱۰۔ کشف الستر عن صلاۃ الوتر۔

۱۱۔ ضرب الخاتم علی حدوث العالم۔

۱۲۔ مرقاۃ الطارم لحدوث العالم۔

۱۳۔ ازالۃ الرین فی الذب عن قرۃ العینین۔

۱۴۔ سہم الغیب فی کبد اہل الریب۔

۱۵۔ اللمعہ فی صلوۃ الجمعہ۔

۱۶۔ خزائن الاسرار۔

مولانا سید محمد سلیمان ندوی

(۱۸۸۴ء — ۱۹۵۳ء)

آپ کا اصل نام انیس الحسن تھا اور اصل وطن بہار کے ضلع پٹنہ میں دلیسنہ کا علاقہ تھا۔ آپ کے والد حکیم سید ابو الحسن ایک ممتاز و متین عالم دین تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد اور بڑے بھائی ابو حبیب مجددی سے حاصل کی۔ اس کے بعد پھلواری (پٹنہ) کی خانقاہ میں رہ کر مولانا محی الدین سے کچھ کتب پڑھیں۔ پھلواری کے بعد آپ کو مدرسۂ امدادیہ دربھنگہ بھیج دیا گیا۔ جہاں آپ نے درسِ نظامیہ کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۰۱ء میں آپ ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخل ہوئے، جہاں پانچ سال تک حصولِ تعلیم کے بعد سند حاصل کی۔ مارچ ۱۹۰۷ء میں ندوۃ العلماء کے اجلاسِ عام میں آپ نے بہت عمدہ تقریر کی۔ یوں تو آپ نے بہت سے اساتذہ سے علم حاصل کیا مگر چند ایک مثلاً علامہ شبلی نعمانی، مولانا محمد فاروق چڑیا کوٹی، مولانا حفیظ اللہ، مفتی عبداللطیف اور مولانا عبدالحیّ فرنگی محلی سے خاص طور پر متاثر ہوئے۔ تعلیم مکمل کرتے ہی آپ کو "الندوہ" جیسے بلند پایہ خالص علمی ماہنامے کا نائب مدیر بنا دیا گیا۔ رسالے کی ادارت تو برائے نام تھی۔ اصل میں یہ ایک شعبہ تصنیف و تالیف تھا جس کے لیے آپ نے متعدد مضامین جن میں "اشتراکیت اور اسلام" "علم ہیئت اور مسلمان"، "اسلامی رصد خانے"، "مسئلہ ارتقا"، "برنا باکی انجیل"، "ابن مسکویہ"(?) القرآن"، "طبقات ابن سعد کا تعارف"، "قیامت" اور "ایمان بالغیب" شامل ہیں

اسی طرح آپ ادارۂ الہلال سے بھی منسلک رہے اور الہلال کی علمی، ادبی اور سیاسی خدمات میں آپ کا بہت حصہ ہے۔ اس رسالہ میں آپ نے الحریت فی الاسلام، تذکارِ نزولِ قرآن، حبشہ کی تاریخ کا ایک ورق، شہید اکبر، قصصِ بنی اسرائیل اور دوسرے موضوعات پر مضامین لکھے۔

علمی مشاغل کی طرف آپ کا رجحان زیادہ تھا۔ چالیس برس تک آپ سراسر علمی، تحقیقی اور تصنیفی کام میں مصروف رہے۔ حتی الامکان اپنی علمی مشغولیات کو سیاسی امور پر ترجیح دی۔

نومبر ۱۹۱۴ء میں مولانا شبلی نے وفات پائی تو ۱۹۱۵ء میں آپ نے ان کی جگہ سنبھالی اور دکن کالج پونا سے مستعفی ہو کر اعظم گڑھ پہنچے۔ مولانا شبلی نے ابھی دار المصنفین کا صرف خاکہ ہی تیار کیا تھا۔ آپ نے اسے پایۂ تکمیل کو پہنچایا اور اسکا باقاعدہ اجرا کیا۔

آپ نے علمی اور تحقیقی کاموں کے ساتھ ساتھ سیاسیات میں بھی حصہ لیا۔ ۱۹۱۷ء میں مجلسِ علمائے بنگال کے اجلاس منعقدہ کلکتہ کی صدارت کی۔ ۱۹۲۰ء میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے اصرار پر وفدِ خلافت کے ساتھ علمائے ہند کے واحد نمائندے کی حیثیت سے یورپ گئے۔ جمعیت العلماء ہند کے ساتویں اجلاسِ عام منعقدہ ۱۱ تا ۱۴ مارچ ۱۹۲۶ء، مقام کلکتہ کی صدارت کی۔

آپ کی شہرۂ آفاق تصنیفات درج ذیل ہیں:۔

۱۔ سیرت النبی (مولانا شبلی نعمانی اپنی اس تصنیف کے صرف دو حصے ہی لکھ سکے تھے۔ تکمیل سید سلیمان ندوی نے کی)۔

۲۔ خطبات مدراس۔
۳۔ سیرت عائشہ۔
۴۔ ارض القرآن۔
۵۔ عرب و ہند کے تعلقات
۶۔ خیام۔
۷۔ حیاتِ شبلی۔

شیخ الہند مولانا محمود حسن

(۱۸۵۱ء۔ ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء)

آپ مولانا ذوالفقار علی دیو بندی کے فرزند ارجمند تھے۔ بریلی میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید کا اکثر حصہ میاں جی منگلوری سے اور کسی حد تک میاں جی عبداللطیف سے پڑھا۔ فارسی اور عربی اپنے چچا اور مشہور استاد مولانا مہتاب علی سے پڑھی۔ ہیئت اور ریاضی میں بھی آپ اجتہادی شان رکھتے تھے۔ آپ مولانا محمد قاسم نانوتوی کے تلمیذ خاص اور ہمراز رفیق تھے۔ ان کے علاوہ مولانا رشید احمد گنگوہی حاجی امداد اللہ، مولانا محمود اور مولانا محمد یعقوب بھی آپ کے اساتذہ میں شامل ہیں ۱۸۷۲ء میں آپ تحصیل علوم سے فارغ ہوئے اور دارالعلوم دیو بند میں بطور مدرس سوم تدریس شروع کی، بعد میں صدر مدرس بنا دیئے گئے۔

۱۸۷۸ء میں آپ نے احباب کی مدد سے فضلا اور بہی خواہان تحریک دارالعلوم دیوبند کی ایک جماعت بنائی جس کا نام ثمرة التربیت رکھا۔ پھر ۱۹۰۹ء میں جمعیت الانصار کی بنیاد رکھی گئی۔ ثمرة التربیت ہی ۱۹۱۹ء میں یعنی ۳۰ سال بعد جمعیت العلماء ہند کے نام سے ظہور پذیر ہوئی آپ نے مولانا عبید اللہ سندھی کے ساتھ مل کر انگریزوں کو برصغیر سے نکالنے اور آزاد کرانے کے لیے زبردست تحریک چلائی جو تحریک ریشمی رومال کے نام سے مشہور ہوئی۔ اسی سلسلہ میں

آپ نے مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ اور حجاز وغیرہ کے سفر کئے۔ لیکن یہ تحریک کامیابی سے ہمکنار نہ ہوسکی اور آپ مالٹا میں اسیر رہے۔ اسارت کے چار سال گزارنے کے بعد آپ ۱۲ مارچ ۱۹۲۰ء کو رہا ہوئے اور خلافت کمیٹی نے آپ کو شیخ الہند کا خطاب دیا۔

اسی زمانہ میں دہلی میں جامعہ ملیہ کا قیام عمل میں آیا اور اس کے پہلے اجلاس منعقدہ ۲۹ راکتوبر ۱۹۲۰ء کی صدارت آپ ہی نے انجام دی۔ چونکہ آپ بہت زیادہ علیل تھے۔ اس لئے آپ کا خطبۂ صدارت مولانا شبیر احمد عثمانی نے پڑھ کر سنایا۔ اس کے بعد جمعیت العلماء ہند کے دوسرے اجلاس عام منعقدہ ۱۹ تا ۲۱ر نومبر ۱۹۲۰ء بمقام دہلی کی صدارت کے فرائض پیرانہ سالی اور انتہائی علالت اور نقاہت کے باوجود آپ نے انجام دیئے۔ اس اجلاس کے صرف ایک ہفتہ بعد آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کی چند ایک تصانیف بھی ہیں جو درج ذیل ہیں:۔

(۱) ادلہ کاملہ۔

(۲) ایضاح الادلہ۔

(۳) احسن القریٰ۔

(۴) جہد المقل۔

(۵) افادات۔

(۶) الابواب والتراجم۔

(۷) کلیات شیخ الہند۔

(۸) حاشیہ مختصر المعانی۔

(۹) تصحیح ابی داؤد۔

(۱۰) فتاویٰ۔

(۱۱) ترجمہ قرآن شریف۔

علامہ شاہ معین الدین احمد اجمیری

(۱۷ر جنوری ۱۸۸۲ء - ۱۹ر فروری ۱۹۴۰ء)

مولانا راجپوتانہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولانا عبدالرحمٰن "بلیا" کے رہنے والے نومسلم راجپوت تھے اور والدہ بھی داخلِ اسلام ہوئی تھیں۔ داتاپور جہاں ان کا گھر تھا۔ مولانا معین الدین اجمیری نے جملہ معقول و منقول کی تعلیم مولانا برکات احمد سے مکمل کی۔ علمِ ریاضی مولانا لطیف اللہ سے حاصل کیا۔ ہندوستان اور ہندوستان سے باہر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ ڈھائی سال تک مدرسہ نعمانیہ لاہور میں صدر مدرس رہنے کے بعد ۱۹۰۸ء میں اجمیر تشریف لے گئے۔

۱۹۰۹ء میں مدرسہ معین الحق قائم کیا۔ مولانا انوار اللہ کی تحریک پر مدرسہ معین الحق کو معینیہ عثمانیہ قرار دے کر اس کے لئے ساڑھے بارہ سو روپے ماہانہ جاری کیا۔ مولانا اس مدرسہ کے صدر ہوئے اور پندرہ سال تک یہاں درس دیا۔ سرکار نظام اجمیر نے آپ کے درس سے متاثر ہو خلعتِ شاہانہ عطا کیا۔ ۱۳۴۷ھ میں کارپردازانِ مدرسہ اور مولانا میں اختلاف ہوگیا، چنانچہ آپ نے استعفا دیدیا۔ ۱۳۴۸ھ میں دارالعلوم حنفیہ صوفیہ کے نام سے ایک دوسرا مدرسہ قائم کیا۔ وہاں ۱۲ سال تک درس دیتے رہے۔ ۱۳۵۱ھ میں مدرسہ کے اراکین آپ کو پھر اپنے یہاں واپس لے آئے۔ لیکن سیاسی اختلاف کے نتیجہ کے طور پر ۱۲ر مارچ ۱۹۳۸ء کو بحکم سرکار نظام دارالعلوم معینیہ عثمانیہ سے الگ ہوگئے۔ لیکن اس علیحدگی کے بعد حلقۂ درس پوری آب و تاب کے ساتھ قائم رہا۔

تحریکِ خلافت میں مذہبی فتوئی کے جُرم میں دو سال قید رہے ۔ جس زمانہ میں مولانا کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید صدر و ناظم جمعیت العلماء ہند نظر بند تھے، اس وقت تحریک کی رہنمائی کیلئے آپ ہر ہفتہ دہلی تشریف لے جاتے تھے ۔ آپ نے جمعیت العلماء ہند کے نویں اجلاسِ عام منعقدہ ۳ تا ۶ مئی ۱۹۳۰ء بمقام امروہہ کی صدارت کی ۔ آپ جمعیت العلماء ہند کے مستقل نائب صدر رہے ۔ اس کے ساتھ ساتھ صوبہ راجپوتانہ کی مجلسِ خلافت کے صدر بھی تھے ۔ تحریکِ کشمیر کے زمانے میں مجلسِ احرارِ اسلام کے ڈکٹیٹر رہے ۔ ہر سال موسمِ بہار میں طلباء کا ایک تفریحی جلسہ جسکو اجمیر کی اصلاح میں "گوٹ" کہتے ہیں منعقد ہوتا ۔ آپ طلباء کی خاطر اس میں بھی شریک ہوتے تھے ۔ سخت بیماری کے بعد وفات پائی اور خواجہ اجمیری کی درگاہ میں مسجد شاہجہانی کے زیرِ سایہ دفن ہوئے ۔

اِشاریہ

اخبارات، رسائل، کتب، مضامین

ادارے، تحریکیں، تنظیمیں، سیاسی جماعتیں

واقعات

اصلاحات، ایکٹ، بل، جنگیں، رپورٹیں، کانفرنسیں، معاہدے

اسماء الرّجال

مقامات